صحیفۂ وفا

حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام

مؤلف
سید عبدالرزاق موسوی المقرم

ترجمہ
سید حسین مہدی حسینی

Cultural Affairs Of
Astan Quds Razavi
International Relations
P.O.Box:91375_3131
Tel 59090
I.R.IRAN, Mashhad,

صحیفۂ وفا

حضرت ابوالفضل العباسؑ

علیہ السلام

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar #2
KARACHI
PH. 7211795

مؤلف

سید عبدالرزاق موسوی المقرّم

ترجمہ

سید حسین مہدی حسینی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مشخصات

اسم کتاب	صحیفۂ وفاء
مؤلف	سید عبد الرزاق موسوی المقرّم
مترجم	سید حسین مہدی حسینی
کتابت	جعفر خان
ناشر	انصاریان پبلیکیشنز
طبع	اوّل ۱۹۹۸ء ۱۴۱۸ھ
مطبع	صدر
تعداد	۲۰۰۰

انتساب

شام غریباں کے سنّاٹے، یتیموں کی آہوں اور
عزیزوں کے خوں آلود جنازوں میں گھری حضرت عباسؑ
کی سب سے زیادہ قدر شناس و سوگوار بہن زینب علیامقام
کے نام ——————!!

سید حسین مہدی حسینی

۲۰/رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
قم المکرمہ،

"صحیفۂ وفا"

اقلیم وفا کے تاجدار، مملکت صبر کے سپہ سالار، عرصۂ جان نثاری کے شہسوار، لشکر ایثار و فداکاری کے علمدار، فرات حلم و ضبط کے فاتح نامدار، کربلائے جہاد بالنفس کے فارس کامگار، پرچم تسلیم و رضا کے محافظ و پاسبان، حریم مقصد حسینی کے پاسدار و نگہبان، خیام حق و صداقت کے مرکز امید، حرم عزم شہادت کے غیرت مند فرد فرید، تشنگان کوثر ولایت و امامت کے سقّا، سرمستان جام مودت کے میر میکدہ، صحیفۂ محبت و اطاعت کے رمز یکتا، قرآن جرأت و شہامت کی آیت کبریٰ، پرتو ہیبت و شجاعت جعفری، شیر نیستان بیشۂ حیدری، سرکار قمر بنی ہاشم، حضرت ابوالفضل العباس ع ابن علی بن ابی طالب ع، جنکے شانوں سے بریدہ ہاتھ سفینۂ اسلام کے پتوار اور جن کے مقدس لہو کے تیز دھارے قیامت تک پرچم حسینیت کی سربلندی کے ضامن بن گئے، آپ کا نام نامی اور اسم گرامی انفس و آفاق میں کس نطق کیلئے وجہ شرف اور کس سماعت کیلئے سرمایۂ افتخار نہیں بنا، ؟؟ بدنصیب ہے وہ زبان جس نے تکلم کی دہلیز پر آج تک اس نام کے بوسے نہ لئے ہوں اور بدقسمت ہیں وہ کان جنہوں نے اس کے فردوس بدوش آہنگ کو اب تک محسوس نہ کیا ہو۔

دن رات کا مشاہدہ گواہ ہے کہ بوڑھے، جوان، بچے، عورت، مرد، سبھی بلا استثناء چوبیس ۲۴ گھنٹوں کے دوران متعدد مرتبہ اس عظیم الشان نام کو اپنی زبانوں پر جاری کرتے اور اس کی برکتوں سے بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں، جدھر سنیئے کوئی مناجات اور دعاؤں میں اس نام کا واسطہ دے رہا ہے، کوئی درد و غم اور مصیبت میں فریادرسی کیلئے اسکا ورد کر رہا ہے، کوئی آپسی معاملات میں قسم اور عہد و پیمان کو مضبوط و مستحکم بنانے کیلئے اسکا حوالہ دے رہا ہے، کوئی دشمن اور حریفوں کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے اس کی دہائیاں دے رہا ہے، کہیں انسانی اوصاف و کمالات کی منزل معراج کے باب میں اس نام کی تکرار کا سلسلہ جاری ہے، کہیں نثر و نظم

میں فضائل و مصائب کربلا کی حدیث و حکایت، بار بار اس نام کی تلاوت کا سبب بن رہی ہے تو کہیں نا قدر شناسی کی دنیا میں محض رعب و جلال کے حوالے سے اس کا پیہم تذکرہ ہے۔

غرض ہر صبح و مسا، ہر بزم میں کسی نہ کسی عنوان سے اس مبارک نام کی مالا جپی جا رہی ہے تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ہم اور ہماری قوم، دونوں جس قدر اس نام سے مانوس و آشنا ہیں، کیا ہمیں حضرت عباس علمدارؑ کی اتنی ہی معرفت بھی حاصل ہے اور ہم اپنے اس آقائے نامدار کے مرتبے کو اتنا ہی پہچانتے بھی ہیں؟

ادنیٰ ترین غور و خوض سے جواب سامنے آ جائیگا اور وقتاً فوقتاً ہماری زبان پر جاری ہونے والے عقیدتمندانہ فقرے خود اس حقیقت کی غمازی کرتے نظر آئیں گے کہ ہم ابھی آپ کی معرفت کی منزلوں سے بہت دور ہیں، نیز نام کی مالا جپنا اور ہے اور مرتبہ شناسی اور ہے!!

درآنحالیکہ دینوی و اخروی اور مادی و معنوی جملہ فوائد حاصل کرنے کیلئے ان حضرات کی معرفت حاصل کرنا اور ان کے مرتبہ کو پہچاننا ہر دوستدار کیلئے بیحد ضروری اور محبت کی پہلی شرط ہے، افسوس کا مقام ہے کہ پروردگار عالم نے اپنی بارگاہ میں توسل و تقرب نیز سعادت دنیا و آخرت کے حصول کیلئے چہاردہ معصومینؑ کے علاوہ بھی ہمیں کچھ معصوم صفت ہستیاں اور عصمتی کردار عطا کئے ہیں، جن سے ہمیں زندگی میں بے پایاں فیوض و برکات حاصل ہوتے رہتے ہیں، لیکن ہم ان کی معرفت نہیں رکھتے۔

ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ایک انسان کیلئے اپنے محسن کو نہ پہچاننا کیسا ہے؟ شاید اس طرح ہمارا ضمیر بیدار ہو جائے اور ذہن خواب غفلت سے چونک اٹھے، بالآخر یہی امر ہمارے لئے اپنے عظیم الشان محسنوں اور دونوں جہان کے کرم فرماؤں کی معرفت کے حصول کا محرک اور اس راہ میں اٹھنے والا پہلا قدم بن جائے۔

اسی غرض کے مدنظر حضرت ابوالفضل العباس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات زندگی اور سوانح حیات سے متعلق، جناب سید عبدالرزاق موسوی مقرم علیہ الرحمہ کی کتاب "العباسؑ"، اپنی جامعیت اور بعض دیگر خصوصیات کی بنا پر عرصۂ دراز سے نگاہ میں تھی اور اسکے ترجمے کی بات برابر ذہن میں گردش کرتی رہتی تھی کہ بحمداللہ، برادر گرامی قدر حجۃ الاسلام مولانا سید حسین مہدی صاحب حسینی نے اس نیک کام میں سبقت کی اور "صحیفۂ شہادت"، کے بعد اب "صحیفۂ وفا"، کے نام سے "العباسؑ"، کا سلیس بامحاورہ اور صاف ستھرا ترجمہ موصوف کی تازہ کاوش کے طور پر ہدیۂ ناظرین ہے۔

یہ سچ ہے کہ قلم کے حوالہ سے، تحریر کے میدان میں موصوف کو ہمیشہ اپنے رفقاء پر سبقت حاصل رہی ہے اور وہ «السابقون السابقون اولئک المقربون» کے مصداق بنتے رہے ہیں، اللہ بطفیل محمدؐ وآل محمدؐ انھیں اپنے حفظ وامان میں رکھے، نیز جزائے خیر دے اور توفیقات میں اضافہ فرمائے، آمین۔

محمد ظفر الحسینی

مجمع العلوم، جامعہ ایمانیہ «بنارس»،

مقیم حال قم المقدسہ، ایران،

۲۱ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ، ۲۲ نومبر ۱۹۹۷ء

مقدمہ

نسب نامہ، کسی اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے نسب نامہ تہذیب نفس اور اصلاح کردار کا بہت بڑا ذریعہ ہوسکتا ہے، بے راہ افراد کو جب اس کی خبر ہوتی ہے کہ اس کے بزرگ ذی قدر و ذی شرف تھے تو وہ ایسے کاموں سے گریز کرتا ہے جس سے ان کی نیک نامی مجروح ہو اور خود کو انھیں کے کردار پر ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ بزرگوں کی نیک نامی کے چرچے باقی رہیں،

حضرت احدیت نے نسل آدمؑ کو گروہوں قبیلوں اور خاندانوں میں قرار دیا تاکہ ہر ایک قبیلے و گروہ کا اپنا ذاتی حسب و نسب ہو اور اس قبائلی نظام سے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرسکے،

خاندانی قوت و طاقت دوسروں کو ظلم و زیادتی کرنے کی جرأت پیدا نہیں ہونے دیتی لہذا جس وقت جناب شعیبؑ کی قوم نے ان کی نافرمانی کی اور وہ اپنے موقف پر باقی رہے تو ان کی قوم نے کہا: اگر تمہارا عشیرہ خاندان نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کردیتے ۱؎

حضرت امیر المومنینؑ نے امام حسن علیہ السلام کے نام جو وصیت فرمائی ہے اس میں بھی اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے،

> افراد خاندان کی توقیر و تکریم کرنا، عزیز و قرابتدار تمہارے قوت و بازو ہیں جس طرح درخت کی حیات و بقا جڑوں سے ہوتی ہے اسی طرح انسان کے اعزہ و اقارب اس کی زندگی کا باعث ہوتے ہیں،

۱؎ ہود،

انسان اپنی دولت مندی اور اعزہ کی ناداری کے باوجود وقت ضرورت ان کی زبانی وعملی حمایت کا محتاج ہوتا ہے،

مصیبت کے وقت اعزہ دوسروں سے زیادہ دلجوئی کرتے ہیں اوروں سے پہلے مدد کو پہنچتے ہیں اگر کسی نے خاندان سے رشتہ توڑ لیا تو اعزہ صرف ایک فرد کی مدد سے محروم ہو گئے لیکن رشتہ توڑنے والا بھرے گھر کی مدد سے محروم ہو گیا،

اسلام میں میراث، خمس، صلۂ رحم اور قتل خطا کی دیت وغیرہ کا انحصار اسی "نسب" پر ہے اسی لئے دوسرے علوم میں "نسب" خاصی اہمیت و فضیلت کا حامل ہے،

ماضی میں ماہرین نسب کی دینی، سماجی، اور اخلاقی اعتبار سے بہت عزت تھی جس طرح دوسرے علوم کے ماہرین کو عوام احترام کی نظر سے دیکھتی تھی اسی طرح نسب کے جاننے والوں کی بھی توقیر کرتی تھی اور ضرورت کے وقت ان کی طرف رجوع کرتی تھی،

انھیں ماہرین نسب میں جناب عقیل بن ابی طالب بھی تھے جنھیں خاندانی عزت وتوقیر کے ساتھ ساتھ نسب شناسی کا بھی شرف حاصل تھا، آپ کو عرب کے قبیلوں میں خوش کردار و خوش اطوار خاندان اور اخلاقی صفات و کردار سے بے بہرہ گھرانوں کی پہچان تھی،

اسی لئے شادیوں کے لئے بیویوں کے انتخاب اور بچوں کی پرورش کیلئے دائیوں کو انتخاب کرتے وقت لوگ حضرت عقیل کی طرف رجوع کرتے تھے تاکہ اچھے سے اچھے خاندان کا پتہ چل سکے چونکہ اسلام کا حکم ہے کہ:

"شادیاں کرتے وقت اچھی عورت کا انتخاب کرو کیونکہ ماں کے عادت واطوار کی طرح ماموں کے صفات بھی بچے میں منتقل ہوتے ہیں،"[1]

حضرت کا ارشاد ہے:

إيَّاكُمْ وَ خَضْرَاءَ الدِّمَنِ.

---

[1] کافی،

گھورے کی ہریالی سے بچو، جب لوگوں نے حضرت سے اس کا معنی معلوم کیا تو فرمایا:

اَلمَرْأَةُ الحَسناءُ في مَنبتِ السُّوءِ.

برے خاندان کی حسین عورت،

مورخ صفدی رقمطراز ہے،

عقیل ان لوگوں میں تھے جن کی نظر نسب میں معتبر و حرف آخر تھی، آپ کا یہ طریقہ تھا کہ مسجد مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جس حصیر پر نماز پڑھتے تھے اسی پر بیٹھتے اور لوگ آپ سے انساب، تاریخ اور عربوں کے حالات سے متعلق سوالات کرتے جسکا آپ جواب دیتے ۱ے

اسی لئے حضرت امیر المومنین ع نے جناب عقیل سے کہا تھا کہ میرے لئے کسی ایسی عورت کا انتخاب کرو کہ جس سے جری و بہادر بچہ پیدا ہو، انہوں نے کہا کہ آپ ام البنین سے عقد فرمائیں کیونکہ عربوں میں ان کے اباؤ اجداد سے زیادہ کوئی بہادر نہیں ۲ے

یہ ایک تاریخی مکالمہ ہے، جسکو میں نے نقل کر دیا ورنہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ائمہ اطہار علیہم السلام اس عالم ہستی کے ہر اچھے برے اور ہر مخلوق کے محامد و محاسن سے باخبر ہیں، اس مختصر سی کتاب میں اس کے اثبات کا موقع نہیں ورنہ امیر المومنین ع کے علم کا نہ جناب عقیل کے علم سے مقائسہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے صاحب علم کے علم سے موازنہ،

بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ جسکو چیونٹیوں کے نر و مادہ کی شناخت ہو اس کو عرب کے شجاع و بہادر قبیلے کا علم نہ ہو،

جناب ابوذر غفاری کا بیان ہے،

میں امیر المومنین ع کے ہمراہ ایک بیابان سے گذرا جہاں بے شمار چیونٹیاں تھیں انھیں دیکھ کر میں نے کہا: پاک و پاکیزہ ہے وہ ذات جو ان کی تعداد سے باخبر ہے جس پر

۱ے مجازات نبویہ، ص ۶۱، ط مصر،

۲ے عمدۃ الطالب وسر السلسلہ لابی نصر،

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا : یہ نہ کہو بلکہ یہ کہو، پاک و پاکیزہ ہے ان کا پیدا کرنے والا کیونکہ تعداد تو میں بھی جانتا ہوں اور یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ ان میں نر کتنے ہیں اور مادہ کتنی [1]

حضرت امیر المومنینؑ کے علم کی ایک اور مثال حضرت فرماتے ہیں :

ہمارے شیعہ آدمؑ سے پہلے ایک مخصوص طینت و سرشت سے پیدا کئے گئے نہ اس تعداد میں اضافہ ہوگا اور نہ کمی ، میں جب ان کو دیکھتا ہوں تو ان کی ہر فرد کو پہچان لیتا ہوں دوست و دشمن کو جانتا ہوں، ان کے آبا و اجداد ، خاندان ، اور قبیلے ہمارے یہاں لکھے ہوئے ہیں [2]

حضرت کو غیب کا علم تھا، آپؑ کو نسب کی شناخت کیلئے جناب عقیل کی نشاندہی کی ضرورت نہ تھی، شاید حضرت کی گفتگو روز مرّہ کی بات چیت کے عنوان سے رہی ہو ، بہرحال ائمہ اطہارؑ کے کاموں میں مصلحتیں اور حکمتیں ہوتی ہیں جس میں سے کچھ کو ہم درک کر لیتے ہیں اور کچھ کو وہ خود جانتے ہیں چنانچہ حیات مرسل اعظمؐ میں بھی ایسے نمونہ موجود ہیں ،

آپ کا فیض الٰہی و ارادہ ربّانی سے براہ راست ربط تھا، آپؑ کو کسی کے مشورہ کی ضرورت نہیں تھی مگر اس کے باوجود اصحاب سے مشورے لیتے تھے لہٰذا جناب عقیل سے حضرت امیر المومنینؑ کا سوال بھی اسی نوعیت کا تھا، یا اس سوال کی ایک وجہ یہ رہی ہو کہ حضرت یہ درس دینا چاہتے رہے ہوں کہ انسان عقل کے کتنے ہی بلند مرتبہ پر کیوں نہ فائز ہو جائے لیکن دوسروں سے صلاح و مشورہ لیتا رہے تاکہ خود رائی کی مذموم صفت سے بچا رہے محمدؐ و آل محمدؐ کی اسی روش نے اصحاب کو مشوروں اور استخاروں کا عادی بنا دیا ،

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے :

جس میں خود رائی پائے جائے وہ گمراہ ہے اور جو صرف اپنی عقل پر بھروسہ کرے وہ

---

[1] مدینۃ المعاجز ، ص ۱۱۵،

[2] اختصاص شیخ مفید و بصائر الدرجات ،

بے راہ ہے، مشورہ کرنے والا کبھی شرمندہ نہیں ہوتا، استخارہ دیکھنے والا گھاٹا نہیں اٹھاتا ہے[1]

آنحضرت ؐ کے مشورہ کا ایک اور نمونہ :

جس وقت ابوسفیان کے تجارتی قافلے کی راہ روکنے کیلئے پیغمبر اسلام ؐ مدینہ سے نکلے تو مقام "ذفران" پر آپؐ کو یہ خبر ملی کہ قریش لشکر اسلام پر حملہ کرنے کی ٹھانے ہوئے ہیں، اس خبر کے ملتے ہی آپؐ نے اپنے اصحاب سے سوال کیا :

تمہاری کیا رائے ہے آیا ابوسفیان کا تعاقب کروں یا قریش کی سرکوبی کے لئے نکل پڑوں ——— ؟

حاضرین میں سے دو آدمیوں نے کہا : بہتر ہے قریش سے نہ الجھیں کیونکہ یہ لوگ نہ ایمان لائے ہیں اور نہ ابھی تک زیر ہوئے ہیں،

آنحضرت ؐ کو ان کا مشورہ پسند نہ آیا چہرہ پر غم و غصہ کے آثار نمایاں ہوئے فوراً ہی مقداد بن اسود کندی کھڑے ہوئے اور آنحضرت ؐ کی خدمت میں عرض کیا !

اللہ کے رسول ؐ ! خدا کی طرف سے جو حکم ہوا ہے اسے بجالائیں ہم لوگ آپ کے ہمراہ ہیں، ہم لوگوں کا وہ انداز نہیں ہوگا جو حضرت موسیٰؑ کی امت کا تھا، بنی اسرائیل نے جناب کلیم سے کہا تھا کہ آپ اپنے خدا کے ہمراہ جنگ پر جائیں ہم اسی جگہ ہیں،

خدا کے رسول ؐ ! ہم ایسے نہیں ہیں آپ خدا کی نصرت و مدد کے ساتھ جنگ پر تشریف لے چلیں ہم بھی آپ کے ہمرکاب ہیں اور جب تک دم میں دم ہے کبھی میمنہ کبھی میسرہ اور کبھی مورچہ پر پہونچکر آپ کی نصرت کرتے رہیں گے،

خدا کی قسم جس نے آپکو رسول بنا کر بھیجا ہے اگر وہ حبشہ کے شہر "برک الغماد" جیسے دور دراز علاقہ میں جنگ کے لئے روانہ فرمائے تو ہم لوگ حاضر ہیں،

آنحضرت ؐ جناب مقداد کی تقریر سنکر مسکرا دیئے اور چہرہ پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے[2]

---

[1] مستطرف ج ۱ ص ۱۶۱ ، ۷ ، [2] طبری ج ۲ ص ۲۷۳

حضرتؐ نے اپنے صحابی کے مشورہ پر عمل کیا، اسی طرح کا ایک اور تاریخی واقعہ :

جس وقت آنحضرتؐ چاہ بدر کے قریب فروکش ہوئے حباب بن منذر نے کہا خدا کے رسولؐ آیا اس جگہ آپ خدا کی ایما سے اترے ہیں یا آپؐ کا اپنا فیصلہ ہے ،!

حضرتؐ نے فرمایا: میرا فیصلہ ہے، جس پر حباب بن منذر نے مشورہ دیا کہ چاہ کے قریب ایک حوض بنا کر پانی سے پر رکھنا چاہیئے تاکہ مسلمانوں کو آسانی ہو اور دشمنوں کو محرومی رہے، حضرتؐ نے حباب کے مشورہ کو قبول فرمایا ۱؎

اسی طرح جب مرسل اعظمؐ کو جنگ احزاب درپیش ہوئی تو حضرت نے خیال ظاہر فرمایا کہ اپنے مخالف عنبہ بن حصین اور حارث بن عوف سے مدینہ منورہ کے ایک تہائی پھل کے بدلے صلح کرلی جائے تاکہ یہ دشمن عطفان سے پلٹ جائیں اور جنگ نہ ہونے پائے لیکن سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، سعد بن خزارہ نے مشورہ دیا کہ صلح کے بجائے جنگ کی جائے، حضرتؐ نے ایسا ہی کیا اور جنگ میں کامیابی بھی ہوئی ۲؎

ان تمام موارد پر آنحضرتؐ کی یہ کوشش تھی کہ لوگوں کو مشورہ کا عادی بنایا جائے تاکہ کوئی بھی کام جلد بازی کی نذر نہ ہوجائے ،

حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کا شیوۂ زندگی بھی یہی تھا لہٰذا امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد اگرچہ معصوم تھے اور علم لدنی رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود اپنی جائداد اور باغات سے متعلق امور میں اپنے غلاموں سے مشورہ لیتے تھے اور ان کے مشوروں پر عمل فرماتے تھے ،

کسی نے اعتراض کیا کہ آپ کیوں غلاموں سے مشورہ لیتے ہیں ——؟ تو فرمایا :

ان کے مشورے بھی صحیح ہوتے ہیں ،

چنانچہ جس وقت علی بن یقطین نے خط کے ذریعہ امام موسیٰ کاظمؑ کو باخبر کیا کہ بادشاہ وقت ہادی آپ کو شہید کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو آپ نے اپنے افراد خاندان اور شیعوں سے اس خط کا تذکرہ کیا

۱؎ سیرہ حلبیہ جنگ بدر ،

۲؎ الریاض النضرہ علیہ ج ۱ ص ۲۱۰ ،

تو کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ کہیں نکل جائیں تا کہ آپ پر بادشاہ وقت کی گرفت نہ ہو سکے، حضرت ؑ نے لوگوں کے مشورہ پر عمل تو نہیں کیا لیکن ان لوگوں کو اطمینان دلا دیا کہ بادشاہ اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا ہے بلکہ وہ تو خود ہی ہلاک ہونے والا ہے، آخر وہی ہوا جس کی حضرت ؑ نے خبر دی تھی، ایک حادثہ میں بادشاہ کی ہلاکت ہوئی۔ [۱]

بہر حال حضرات ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے پاس آئندہ و گذشتہ کا علم تھا لیکن اپنی روزمرہ کی زندگی میں وہ عام انسانوں کی طرح اپنی بیماری میں طبیب کی طرف رجوع کرتے اور مشکلات میں اپنے جد بزرگوار ؐ سے توسل فرماتے لہٰذا جس وقت امام حسن علیہ السلام کو زہر دیا گیا تو آپ نے دودھ کے استعمال سے زہر کے اثر کو زائل کیا، اور جب دوبارہ زہر کا اثر عود کر آیا تو آپ نے اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربت اطہر کو پانی میں گھول کر استعمال کیا جس سے آپ کو شفا ہوئی تھی [۲]

جس وقت امام علی نقی علیہ السلام سامرا میں مریض ہوئے تو ابو ہاشم جعفری سے فرمایا کہ کسی کو کربلا بھیجو تا کہ وہ حرم میں میری صحت کیلئے دعا کرے، جب علی بن بلال نے یہ سنا تو کہا کہ یہ تو خود ہی امام ہیں ان کیلئے حرم امام حسین ؑ کی کیا ضرورت،

ابو ہاشم جعفری سے جواب بن نہ پڑا بلال کی گفتگو کو امام علی نقی ؑ سے نقل کر دیا جس پر حضرت ؑ نے فرمایا:

تم نے کیوں نہیں کہا کہ ۔ آنحضرت ؐ خانہ خدا کا طواف کرتے تھے اور حجر اسود کا بوسہ لیتے تھے، درانحالیکہ آپ کعبہ سے محترم تھے کعبہ سے تو مومن خالص کا مرتبہ بھی بلند ہے،

ان ساری عظمتوں کے باوجود خدا نے آپ کو حکم دیا کہ میدان عرفات میں وقوف فرمائیں کیونکہ خدا کو یہ پسند ہے کہ مخصوص جگہوں پر اس کو یاد کیا جائے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ جو مقامات خدا کو پسند ہیں وہاں میرے لئے دعا کی جائے [۳]

۱۔ مہج الدعوات،

۲۔ کامل بہائی، ص ۴۵۳،

۳۔ اصول کافی،

ان واقعات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عقلی و عادی امور کو فطری انداز سے انجام پانا چاہیئے،
حضرات ائمہ ہدی علیہم السلام کے پاس اگرچہ یہ قدرت تھی کہ اپنے اعجازی اختیارات کو صرف فرمائیں لیکن انہوں نے دین و دنیا کے رہنما ہونے کے باوجود اس کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ دنیاوی تقاضوں کے ساتھ زندگی گذاری اور اپنے عمل سے اپنے حلقہ بگوشوں کے باطل خیالات و بے جا توقعات کی اصلاح فرمائی،

حضرت امیر المومنین ؑ نے بھی زوجہ کے انتخاب میں اسی روش کو انتخاب فرمایا لیکن اگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو عقیل سے آپ نے مشورہ نہیں کیا تھا بلکہ حضرت کا مقصد یہ تھا کہ عقیل چونکہ عرب کے قبیلوں کے نام و نسب سے آگاہ ہیں لہٰذا ایک شجاع و شیر دل گھرانے کی خاتون سے آپ کی شادی کا پیغام دیں

باب اوّل

سلسلہ زریں

خاندان

حضرت عباس علمبردار کے والد ماجد امیر المومنین حضرت علیؑ ہیں اور دادا شیخ البطحا جناب ابوطالبؑ ہیں، پردادہ سید القریش عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب ابن مرہ بن کعب ابن لوئی ابن غالب ابن فہر ابن مالک ابن نضر بن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرکہ ابن الیاس ابن مضر بن نزار بن معد ابن عدنان ہیں،

معمولاً حضرت عدنان تک علمبردار حسینی کے اجداد کرام کا تذکرہ ملتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

جب میرا سلسلہ نسب عدنان تک پہنچ جائے تو اس سے آگے بیان کرنے کی ضرورت نہیں [1]

شاید حضرت مرسل اعظمؐ کے روکنے کی وجہ یہ رہی ہو کہ غیر مانوس ناموں کی وجہ سے ہو سکتا تھا کہ عوام سے تلفظ میں تحریف ہو جائے، اور اس طرح اوصیاء الہی "جو آنحضرتؐ کے اجداد طاہرین تھے" کی توہین ہو جائے،

بہر حال حضرت عدنان سے آگے سلسلہ نسب بیان نہ کرنے کی وجہ جو بھی رہی ہو لیکن اتنا ضرور ہے کہ آپ کے اجداد کرام جاہلیت کی آلودگی سے ہمیشہ پاک و پاکیزہ رہے کبھی بتوں کی پرستش نہیں کی اس

---

[1] مناقب شہر آشوب ج ۱ ص ۱۰۶،

حقیقت کا اعتراف سبھی دیانتدار محققین نے کیا ہے،

اگرچہ انحضرت ص کے مذکور اجداد کرام نبی نہیں تھے لیکن ان صدیقین میں سے تھے جو انبیاء و اوصیاء کا مرتبہ رکھتے تھے،

پروردگار عالم نے بھی آنحضرت ص سے ان کی پاکیزگی و طہارت کا تذکرہ فرمایا ہے تقلبك فی السَّاجدین ۱؎

عربی قائدے کے عنوان سے " ساجدین " جمع ہے اور الف لام کے اضافہ نے استغراق و عمومیت کے معنی پیدا کر کے سبھی اجداد کیلئے سجدہ گذار ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا،

حضرت عباس علمدار کے اجداد گرامی کی سیرت میں اگر قابل تعجب امور و احکام نظر آتے ہیں تو یا وہ ان کی شریعت میں صحیح تھے یا اس کا کوئی اور مفہوم ہے جو دقت نظر کے بعد قابل حل ہو جاتا ہے مثلاً یہی شہرت کہ آزر بت تراش حضرت خلیل علیہ السلام کا باپ تھا جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ آپ کے والد کا نام " تارخ " ہے،

مورخین کے بیان کے مطابق آزر یا چچا تھا یا نانا، عربی میں مجازاً چچا کو باپ کہتے ہیں قرآن تک میں استعمال ہوا ہے، حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ ۲؎

اس آیہ کریمہ پر لفظ " اب " جناب اسمٰعیل ع کے لئے استعمال ہوا ہے درانحالیکہ وہ جناب یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے،

اسی طرح خود حضرت ابراہیم کے لئے " اب " استعمال ہوا ہے درانحالیکہ وہ حضرت یعقوب کے دادا تھا ان کے والد ماجد کا نام حضرت اسحاق تھا،

بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا نانا تھا اور نانا پر بھی " اب " کی لفظ استعمال ہوئی ہے، اس کی تائید اس آیۃ کریمہ سے ہوتی ہے،

إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ ۳؎

۱؎ شعراء ۲۱۹، ۲؎ بقرہ ۱۳۳، ۳؎ انعام ۷۴،

آیۃ شریفہ میں آزر کی لفظ " ابیہ " کے بعد آئی ہے یہ خود قرینہ ہے کہ آزر باپ نہیں تھا ورنہ ابیہ کے بعد لفظ آزر سے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں تھی ،

اس کے علاوہ خود آنحضرت صلعم کا ارشاد صریح ہے کہ ہمارے اجداد جاہلیت و کفر کی آلودگی سے منزہ و مبرا ہیں، ل

لَمَّا أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَخْلُقَنَا صَوَّرَنَا عَمُودَ نُورٍ فِي صُلْبِ آدَمَ، فَكَانَ ذٰلِكَ النُّورُ يَلْمَعُ فِي جَبِينِهِ، ثُمَّ انْتَقَلَ إِلَىٰ وَصِيِّهِ شَيْثٍ، وَفِيمَا أَوْصَاهُ بِهِ أَلَّا يَضَعَ هٰذَا النُّورَ إِلَّا فِي أَرْحَامِ الْمُطَهَّرَاتِ مِنَ النِّسَاءِ. وَلَمْ تَزَلْ هٰذِهِ الْوَصِيَّةُ مَعْمُولاً

جب حضرت احدیت نے ہماری خلقت کا ارادہ کیا تو ہمارے نور کو صلب آدم ع میں قرار دیا جو ان کی پیشانی میں ضوبار رہا پھر یہی نور ان کے وصی حضرت شیث ع کی طرف منتقل ہوا ،

حضرت شیث ع سے جناب آدم ع کی وصیت تھی کہ اس نور کو صرف پاکیزہ عورت کے رحم میں منتقل کریں لہٰذا وصیت پر عمل کرتے ہوئے آنحضرت ص کے بزرگوں نے اپنے وصی کے لیے پاک و پاکیزہ عورتوں کا انتخاب کیا،

ہم نیک مردوں اور پاک و پاکیزہ عورتوں کے اصلاب وارحام سے ہوتے ہوئے صلب جناب حضرت عبدالمطلب تک پہنچے وہاں سے اللہ نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک حصہ جناب عبداللہ سے جناب آمنہ کی طرف منتقل ہوا جس سے میں ہوں اور دوسرا جناب ابوطالب ع سے فاطمہ بنت اسد تک پہنچا جس سے علی ع ہیں، ۲ل

عرق الثری کون

الف ۔ سہیلی ؒ کا خیال ہے کہ اس سے مراد حضرت ابراہیم ع ہیں چونکہ "ثری" نمناک مٹی کو کہتے

ل بحار، ج ۱۵ ص ۱۵، ۲ل الروض الانف ج ۸ ص ۱،

ہیں اور آگ ایسی مرطوب خاک پر اثر نہیں کرتی چونکہ حضرت خلیل پر بھی آتش نمرودی بے اثر رہی تھی لہٰذا اس سے مراد حضرت خلیل الرحمٰن ہی ہیں،

شاید امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد میں بھی اسی معنی کی طرف اشارہ رہا ہو جس میں حضرت نے فرمایا تھا:

میں فرزند اعراق الثریٰ ہوں میں فرزند ابراہیم خلیل الرحمٰن ہوں،

علامہ مجلسیؒ نے حضرت ابوطالبؑ کے نسب کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ "عرق الثریٰ سے مراد حضرت ابراہیمؑ ہیں[۱] اور امام حسن علیہ السلام کا یہ فقرہ بھی نقل کیا ہے کہ میں "فرزند اعراق الثریٰ" ہوں،

عرق الثریٰ سے مراد حضرت خلیل ہی ہیں چونکہ ان کی اکثر اولادیں صحراؤں میں تھیں اسی مناسبت سے انھیں اس لقب سے یاد کیا جانے لگا،

عبداللہ بن ایوب خرینی نے امام رضاؑ کی شان میں جو مرثیہ کہا ہے اس میں بھی شاید اسی چیز کی طرف اشارہ کیا ہے جس کے الفاظ یہ تھے:

اے فرزند ذبیح واے فرزند لعراق الثریٰ آپ شریف النسب اور کریم الاصل تھے

ب دوسرا قول طبری وابن اثیر کا ہے اور خود جناب علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ام سلمہ کی روایت نقل کیا ہے کہ "عرق الثریٰ" سے مراد حضرت اسماعیل ہیں[۲]،

امرؤ القیس اور فرزدق کے اشعار میں بھی یہ لفظ آئی ہے لیکن انھوں نے وضاحت نہیں کی ہے کہ اس سے مراد حضرت ابراہیمؑ ہیں یا حضرت اسماعیل،

امرؤ القیس

اگرچہ بعض لوگ میری مذمت کرتے ہیں لیکن میرے کارنامے اور میرا نسب

---

[۱] بحار ج ۳۵ ص ۱۴۱، [۲] طبری ج ۲ ص ۱۹۱، بدایہ ونہایہ ج ۲ ص ۱۴۴،

مجھے ان باتوں سے بے پرواہ کئے ہوئے ہے، چونکہ میرا نسب عرق الثری تک منتہی ہوتا ہے [۱]

فرزدق کہتا ہے

میں بلند و بالا بہادروں کا سپوت ہوں میرا حسب عرق الثری تک پہنچتا ہے

کون میری برابری کر سکتا ہے [۲]

ج ——— تیسرا قول اخبار الزمان کے مصنف کا ہے وہ لکھتے ہیں

عرق الثری حضرت عدنان کے والد ماجد تھے [۳]

عدنان

جناب عدنان مرسل اعظم حضرت محمد مصطفےٰ ؐ کے جد اعلیٰ ہیں انہوں نے اپنے خطبوں میں آنحضرت ؐ کی بعثت کی طرف اشارہ کیا تھا لوگوں کو آپ کی پیروی کی تاکید کی اور یہ بھی وضاحت کر دی تھی کہ آنحضرت ؐ آپ کی ذریت سے ہوں گے،

معد

جناب عدنان کے فرزند تھے آپ اس زمانہ کے بڑے بہادروں میں تھے آپ نے توحید کے مخالف بنی اسرائیل سے مختلف جنگیں لڑیں اور ہر معرکہ میں فتحمند ہوئے،

جناب معد موحد اور دین ابراہیمی کے پابند تھے اس وقت کے نبی حضرت ارمیا کو خدا کا حکم تھا کہ بخت نصر بادشاہ کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے معد کو اپنے ہمراہ رکھو،

---

[۱] امالی مرتضیٰ ج ۱ ص ۱۱۹، [۲] کامل ج ۷ ص ۱۸۵، [۳] ص ۸۰،

یہ بھی ارشاد الٰہی تھا:

ارمیا! میں معد کی صلب سے سلسلہ رسالت کی آخری عظیم الشان وکریم النسل فرد کو مبعوث کروں گا،

اس الٰہی ارشاد کے بعد حضرت ارمیا جناب معد کو اپنے ہمراہ شام لے گئے اور بخت نصر کی موت سے اس کی شر انگیزیوں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔[1]

نزار

جناب معد کے فرزند تھے، نزار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جس وقت جناب معد نے نور نبوت کی تابانی اپنی پیشانی میں دیکھی لوگوں کو اس خوشی میں کھانے پر مدعو کیا اور کہا!

إِنَّهُ نَزْرٌ فِي حَقِّهِ.[2]

یہ مہمانی ان کی عظمت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے لہٰذا اس وقت سے نزار کہے جانے لگے،

مضر

جناب نزار کے فرزند اور حضرت خاتم النبین صؐ کے آبا و طاہرین کی ان فردوں میں ہیں جن کی صلب میں نور رسالت ضوبار رہا،

جناب مضر کا یہ فقرہ مشہور ہے:

مَنْ يَزْرَعْ شَرّاً يَحْصُدْ نَدَامَةً.

برائی کرنے والے کے حصے میں شرمندگی ہوتی ہے،

---

[1] سیرہ حلبیہ ج ۱ ص ۲۰، [2] الروض الانف ص ۸، ج ۱،

اسی لئے دو قبیلے مضر و ربیعہ کو برا بھلا کہنے سے روکا گیا ہے چونکہ یہ دونوں قبیلے مونس تھے،

الیاس

جناب مضر کے فرزند تھے قوم کے بزرگوں اور خاندان کے مرشدوں میں شمار ہوتا تھا آپ ہی کے ذریعہ باہمی مسائل حل کیے جاتے تھے آپ ہی تاریخ کی پہلی فرد ہیں جنہوں نے مکہ میں قربانی کی اور زمانہ حضرت نوح میں جو مقام غرق ہوگیا تھا اس کو کھوج نکالا،

جناب الیاسؑ سلسلۂ خدا پرستوں کی کڑی تھے لوگوں کو روکا گیا ہے کہ ان کی شان میں گستاخی و جسارت کریں،

مدرکہ

آپ بھی اپنے والد الیاس اور اجداد کی طرح خاندانی صفات اور نور رسالت کا محل و مرکز رہے،

کنانہ

نہایت جلیل القدر وجیہہ اور صاحب فضل بزرگ تھے اپنے علم و دانش کی وجہ سے عربوں کے ملجا و ماوی تھے اور برابر گوں کو ان الفاظ میں پیغمبرؐ اسلام کی بعثت کی خبر دیتے تھے،

عنقریب مکہ معظمہ سے ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا
جو لوگوں کو خدا پرست بنائے گا نیکی واحسان اور مکارم الاخلاق کی دعوت دیگا
اس کی پیروی کرنا تاکہ تمہارے عزت و وقار میں اضافہ ہوسکے، اس کی تکذیب
نہ کرنا وہ نبی برحق ہے،

جناب کنانہ کا یہ بھی ارشاد ہے!

اکثر ظاہر و باطن میں فرق ہوتا ہے ظاہر انسان کو دھوکہ دیتا ہے لیکن چھان پھٹک کے بعد اس

پر فریب ظاہر کی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے ، لہٰذا ظاہر سے بے پرواہ ہوکر حقیقت کا جویا ہونا چاہیئے ،

کنانہ اپنے وقت کے سب سے بڑے مہمان نواز تھے لہٰذا جب تک مہمان نہ آجاتا تھا کھانا تناول نہ فرماتے تھے ،

نضر

جناب کنانہ کے فرزند تھے فقہاء اعلام کا نظریہ ہے کہ قبیلہ قریش کی داغ بیل آپ ہی سے پڑی ہے ، لہٰذا نضر کے صرف دو بیٹے فہر و مالک سے پیدا ہونے والے قریشی کہلائیں لہٰذا اس سے پہلے والوں پر قریشی کی لفظ صادق نہیں آئے گی ۱؎

فہر

جناب فہر جناب نضر کے فرزند ارجمند تھے جس وقت حسان بن عبد کلال یمنی نے مکہ پر حملہ کر کے خانہ کعبہ کے سنگ وخشت کو یمن لے جانا چاہا تاکہ وہاں انھیں پتھروں سے زیارت گاہ تعمیر کرائے تو جناب فہر نے اس کا مقابلہ کیا، حسان کو شکست ہوئی لشکر بھاگ گیا تین سال تک حسان آپ کی قید میں رہا پھر فدیہ میں وافر مال دے کر رہائی حاصل کی لیکن اس رہائی سے اسے کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ واپسی پر مکہ و یمن کے درمیان اس کی موت واقع ہوئی ۔

جناب فہر کو عربوں میں کافی منزلت وعظمت حاصل تھی ان کی پیشانی میں چمکتے ہوئے نور رسالت ﷺ نے عظمتوں میں اور چار چاند لگا دیئے تھے ،

انھوں نے اپنے فرزند جناب غالب سے کہا تھا ،

وہ وافر مال جسکے حصول میں آبرو چلی جائے اس سے وہ مختصر مال بہتر ہے جو

۱؎ سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۹ ،

عزت و آبرو سے ہاتھ آئے،
جناب فہر کی خدا پرستی سب پر آشکار تھی [1]

کعب بن لوی،

کعب بن لوی نے بھی اپنے اجداد کی طرح لوگوں کو بعثت پیغمبرؐ کی خبر دی اور انھیں انحضرتؐ کی پیروی کی وصیت کی اور وضاحت بھی فرمائی تھی کہ انحضرت انھیں کی نسل سے ہوں گے ان کا ارشاد ہے کہ:

ہوشیار رہو، یاد رکھو! علم سے آراستہ ہو جاؤ تاکہ اندیشمندوں میں شمار ہوتے رہو اندھیرے اور اجالے کے فرق کو سمجھتے رہو، زمین گہوارہ ہے یا پہاڑ اس کے استحکام میں آنے والے بھی گذشتگان کی طرح مٹ جائیں گے سبھی کا امتحان ہونا ہے، اقربا واعزہ کے ساتھ صلہ رحم کرو جو بچھڑ جائیگا وہ ملنے کا نہیں، اور جو مرجائیگا آئے گا نہیں نہ چاہتے ہوئے بھی قبر میں منزل کرنا ہے، حرم الہی سے وابستہ رہتے ہوئے اسکی توقیر کرو کبھی اس سے جدا نہ ہونا عنقریب ایک نباء عظیم [2] اور نبی کریمؐ مبعوث ہونے والا ہے، یہ اشعار بھی آپ ہی کے ہیں،

نَهارٌ وَلَيْلٌ وَاخْتِلافُ حَوادِثٍ سَواءٌ عَلَيْنا حُلْوُها وَمَرِيرُها
يَؤُوبانِ بِالأَحْداثِ حَتّى تَأَوَّبا وَبِالنِّعَمِ الصّافي عَلَيْنا سُتُورُها
عَلى غَفْلَةٍ يَأْتي النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ فَيُخْبِرُ أَخْباراً صَدُوقاً خَبيرُها

شب و روز کے تلخ و شیریں حوادث زمانہ ہمارے لئے برابر ہیں گذرتی گھڑیاں اور شب و روز حوادث کا سبب ہیں جن سے مخفی نعمتیں ہم پر ظاہر ہوتی ہیں اچانک نبی آخر حضرت محمد مصطفےؐ مبعوث ہونگے اور سچے واقعات کی خبر دینگے

---

[1] الروض الانف ج ا ص ۸،

[2] نباء عظیم، حضرت علیؑ کا ایک لقب ہے، حسینی،

مزید اضافہ فرمایا: اے کاش میں اس وقت ہوتا تو ان کی رسالت و پیغامات کی گواہی دیتا، اگرچہ آپ کی قوم و قبیلہ والے آپ کی مخالفت کر کے رسوا ہونگے، ؎۱

جناب کعب بن لوی اپنے عشیرہ و قبیلہ میں اتنے محبوب تھے کہ انہوں نے ان کی موت کے سال کو اپنے کیلنڈر کا سال قرار دیا اس کے بعد ابرہہ کے واقعہ کو اور اس کے بعد ارتحال جانسوز حضرت عبدالمطلب قریش کا سن تقویم قرار پایا،

عروبہ سے جمعہ

جناب کعب پہلی فرد ہیں جنہوں نے ہفتہ کے ایک دن کو جمعہ کا نام دیا اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ قریش اس دن اجتماع کرتے تھے، اسلام نے بھی اس نام کی تائید و تصدیق کر دی،

زمانہ جاہلیت میں جمعہ کا نام عروبہ تھا ؎۲

کلاب بن مرۃ

جناب آمنہ کے پرنانا اور جناب عبداللہ کے پر دادا کے والد تھے، شجاعت و بہادری میں مشہور و معروف ان کی پیشانی سے بھی نور رسالت ضوفگن تھا،

قصی

حرم الہٰی کے سید و سردار تھے آپ نے اپنے خاندان کو خانہ کعبہ کے ارد گرد بسنے کا حکم دیا تاکہ عربوں کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں، افراد خاندان نے کعبہ کے ارد گرد چہار دیواری بنائی اور اپنے اپنے لئے ایک مخصوص در بنائے ان میں سے ایک در ———— بنی شیبہ

دوسرا در ———— بنی جمح

؎۱ صبح الاعشیٰ ج ا ص ۲۱۱ ؎۲ سیرت حلبیہ ج ا ص ۱۹،

تیسرا در ———————— بنی مخزوم اور

چوتھا ———————— بنی سہم کے لئے تھا، اور طواف کے لئے ایک حصہ کو خالی رکھا، جناب قصی نے اہم مسائل میں باہمی مشوروں اور تبادلہ خیال کی خاطر ایک مرکز تشکیل دیا جس کا نام دار الندوۃ تھا، قریش نے اس مرکز کا پرجوش استقبال کیا اور بعد میں اسکو "مجمع" کے نام سے شہرت ہوئی،

ان کی سنت جاریہ میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے زمانہ حج میں قریش کو یہ مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ : عرب آپ کی روش سے باخبر ہیں اور ان کی نظروں میں آپکی عظمت و منزلت ہے عربوں کے نزدیک مہمان نوازی ہر چیز سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے لہٰذا بہتر ہے ہر شخص اپنی حیثیت کے بقدر حاجیوں کی مہمان نوازی میں حصہ لے۔"

آپ کی تجویز پر پیسے جمع کئے گئے اور حاجیوں کی آمد کے وقت ان کی سلامتی و استقبال کیلئے راستوں میں جانور ذبح کئے گئے اور اسی طرح مکہ معظمہ میں بھی قربانیاں دی گئیں مزدلفہ میں شعلہ ور آگ روشن کی گئی تاکہ دور سے حاجیوں کی راہنمائی ہو سکے اور منیٰ میں کھانوں کے انتظامات کئے گئے ظہور اسلام تک یہ سنت جاری رہی آج بھی حاجیوں کی پذیرائی کا جو سلسلہ جاری و ساری ہے وہ جناب قصی کی سنت ہے، [۱]

متولی کیسے؟

خانہ خدا کی تولیت اور حجاج کی خدمت کی ذمہ داری قبیلہ خزاعہ پر تھی ، لیکن یہ ذمہ داری قریش کی فرد قصی تک کیسے منتقل ہوئی اس میں تین قول ہیں،

۱ ـــ قبیلہ خزاعہ جناب قصی کی عظمت و منزلت کا قائل تھا لہٰذا انہوں نے انھیں خانہ خدا کا متولی بنا دیا

---

[۱] سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۱۵ ـ ۹، طبری ج ۲ ص ۱۸۵،

ب ـــ قبیلہ خزاعہ کی فرد حلیل اگرچہ متولی تھے لیکن ان کے بعد ان کی لڑکی تک یہ وراثت منتقل ہوئی لڑکی ہونے کی وجہ سے یہ بار اٹھا نہیں سکتی تھیں لہٰذا اپنے شوہر جناب قصی کو سپرد کر دیا،

ج ـــ شاید وجہ یہ رہی ہو کہ جناب حلیل کے وصی "ابا غبشان خزاعی" تھے انہوں نے کچھ اونٹ اور لباس وغیرہ لیکر خانہ کعبہ کی تولیت ان کے حوالے کر دی،

حرف آخر

ان ہی اسباب کو جناب قصی کے متولی ہونے کا سبب قرار دیا جا سکتا ہے، عقل اس کو تسلیم نہیں کرتی کہ جناب قصی نے تولیت خانہ کعبہ کے حصول کیلئے شراب یا اس جیسی حرام چیزوں کو عوض قرار دیا ہو یہ جد مرسل اعظمؐ سے بعید ہے کہ وہ شراب کو عوض قرار دیں جو ہر دین میں حرام رہی ہو اور جسکا استعمال شریعت حضرت ابراہیمی میں مذموم سمجھا جاتا رہا ہو،

یہ کیونکر ممکن ہے کہ خود جناب قصی شراب کو عوض قرار دیں درانحالیکہ وہ خود شراب کی مذمت میں اپنی اولاد کو نصیحت کرتے ہیں،

شراب کو استعمال نہ کرنا، چونکہ بدن کو کمزور اور عقل کو برباد کرتی ہے، ایسی تاکید و نصیحت کے بعد کیونکر وہ انسان شراب کی خرید و فروش اور اس کا معاوضہ و معاملہ کرے گا اور اپنے مقصد کے حصول کیلئے شراب کو کام میں لائے،

جناب قصی کا یہ بھی بیان ہے :

جو کسی بری چیز کو اچھا خیال کرے وہ اسی برائی میں مبتلا ہوگا اور جو پست کا اکرام وہ اسی پستی میں شریک قرار پائیگا ۔
اگر کرامت و شرافت سے کسی کی اصلاح نہ ہو سکے تو پھر ذلت و رسوائی سے اس کی تادیب ہوتی ہے، جو اپنی اوقات سے زیادہ کا خواہاں ہوتا ہے محروم رہتا ہے حاسد چھپا دشمن ہے [1]

---

[1] سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۹،

عبد مناف

جناب قصی کے جلیل القدر و عظیم المرتبت فرزند تھے ان کو عوام میں خاصی اہمیت تھی وہ اپنی بے پناہ خوبصورتی کی وجہ سے " ماہ بطحا " کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے اور وہ اپنی سخاوت میں بھی شہرہ آفاق تھے لہٰذا کبھی کسی سوالی کو محروم نہیں رکھا اور اپنی سخاوت کی وجہ سے " فیاض " کا لقب بھی پایا،

مناف : کے معنی بلند و مکرم کے ہیں چونکہ آپ کو عربوں میں بے پناہ مقبولیت و عظمت حاصل تھی لہٰذا اس مناسبت سے آپ کو " مناف " کہا جانے لگا،

بے بنیاد

السیرۃ النبویہ کے مؤلف ابن دحلان نے لکھا ہے کہ جناب عبد مناف کی والدہ آپ کو " مناف نامی " بت کے پاس لے گئی تھیں اس وجہ سے عبد مناف کہا جانے لگا،

دحلان کا یہ بیان بالکل حقیقت سے دور اور غلط ہے کیونکہ حضرت مرسل اعظمؐ کے اجداد مادری و پدری ہر زمانہ میں بت پرستی سے مبرّا تھے اس طرح کی بات اجداد آنحضرتؐ کے لئے کہنا مسلمات مذہب و تاریخ کے خلاف ہے معروف شاعر بوصیری کہتا ہے،

لَمْ تَزَلْ فِی ضَمَائِرِ الْکَوْنِ تُخْتَا ـــ رُلَکَ الْاُمَّـهَاتُ وَالآبَاءُ

عالم وجود میں ہمیشہ آپ کے اجداد پدری و مادری برگزیدہ خدا رہے، اس سے قطع نظر بتوں کے جھرمٹ میں کوئی بت بنام " مناف " نہیں تھا اس وزن پر صرف ایک بت تھا جس کا نام مناف تھا اس ضمن میں ابن کلبی کا بیان ہے،

نہیں معلوم " مناف " کن لوگوں کا بت تھا کس نے بنایا اور کہاں سے آیا تھا[1]

---

[1] الاصنام، ص ۲۲،

برقی وزبیر کا خیال ہے کہ مادر مناف ان کو " مناات " بت کے پاس لے گئی تھیں اسی وجہ سے ان کا نام عبدمنات قرار پایا لیکن جناب قصی نے اسی لئے ان کا نام عبد مناف رکھا، عبدمناف بن کنانہ سے اشتباہ نہ ہونے پائے،

یہ قول بھی " ابن دحلان " کے قول کی طرح باطل ہے ؎

خاندان جناب عبدمناف قبیلہ قریش کے معزز گھرانوں میں سے تھا اسی لئے میراث میں حضرت اسمٰعیل کی کمان اور جناب نزار کا پرچم جناب عبد مناف تک پہونچا، بعض پتھروں پر ان کی وصیت کے جو فقرات کندہ تھے اس میں خدا پرستی، اقرباء پرستی تقوی اور پرہیزگاری کی وصیت تھی،

ہاشم

جناب عبدمناف کے نور نظر اور عرب وقریش کی وجیہہ ومعزز فرد تھے اپنے والد ماجد کی طرح دنیائے عرب میں با فضیلت تھے زمانہ حج میں اپنے والد کی سنت پر عمل کرتے ہوئے حاجیوں کی پذیرائی فرماتے تھے جس سال قحط کی وجہ سے پیداوار نہ ہوسکی اور قریش پر اپنی ہی معاش سخت تھی تو جناب ہاشم نے شام کا سفر کیا وہاں سے گندم شیرمالیں اور روٹیاں خریدیں اور حاجیوں کی میزبانی کی اور اپنے باپ دادا کی سنت وسیرت کو جاری رکھا،

عسرت وعشرت کی قید کے بغیر آپ کا دسترخوان مہانوں کیلئے بچھا رہتا، مسافروں، لاوارثوں اور غریبوں کی دستگیری فرماتے، ذی الحجہ کی پہلی کو خانہ کعبہ پر تکیہ لگاتے اور حاضرین کو ان الفاظ میں مخاطب فرماتے،

> اے گروہ قریش! تم عرب کے سید وسردار ہو تمہاری حیثیت نمایاں تمہاری عقلیں پختہ، تمہارا نسب معروف، تم خانہ خدا کے ہمسایہ ہو خدا نے تمہیں اپنی ولایت ومحبت سے سرشار فرمایا ہے اور اولاد اسماعیلؑ میں تم کو اپنے

؎ الروض الانف ج ا ص ۶،

گھر کا پڑوسی ہونے کا شرف بخشا ہے،

خدا شناس حاجی مکّہ معظّمہ کی طرف آرہے ہیں یہ سب تمہارے مہمان ہیں تمہارا فریضہ ہے کہ گرد و غبار میں اٹے ان مہمانوں کی ضیافت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لو

خدا کی قسم! اگر میرے پاس سب کی پذیرائی کے لئے مال ہوتا تو تنہا سب کی میزبانی کا شرف حاصل کرتا اور تم سے کچھ نہ کہتا،

میں نے اپنا بہترین مال ان کی میزبانی کے لئے مخصوص کیا ہے اس مال کی فراہمی میں غصب، ظلم اور قطع رحم کا کہیں سے کوئی شائبہ نہیں ہے تم بھی اس ضیافت میں حصّہ لو، اسی گھر کی عظمت کا واسطہ مہمانوں کی ضیافت میں صرف پاک و پاکیزہ و حلال مال صرف کرنا،

لوگوں نے جناب ہاشم کی تقریر پر عمل کرتے ہوئے مہمان نوازی میں کوئی کمی نہیں کی ہر آدمی دارالندوہ میں اپنے اپنے مال کو جمع کرتا رہا،

جناب ہاشم کی مہمان نوازی صرف مکہ مکرمہ تک محدود نہیں تھی بلکہ عرفات منی اور مشعر تک اس مہمان نوازی کا سلسلہ جاری رہا،

جناب ہاشم پہلی فرد ہیں جنہوں نے یمن و شام کی راہ قریش کیلئے باز کی اور سفر میں ان کی سلامتی کے لئے بادشاہ روم و غسّان سے مذاکرات کئے، چونکہ قریش کی تجارت معمولاً اطراف مکہ مکرمہ تک محدود تھی، بہت زیادہ اگر خرید و فروخت آگے بڑھی تو عجم کے تجّار جو گاہ گاہ مکہ مکرمہ آتے ان سے ہوا کرتی اس سلسلہ میں جناب ہاشم شام کے بادشاہ قیصر کے پاس پہونچے، قیصر جناب ہاشم کے جمال و ہیبت حسن اخلاق سے بہت متاثر ہوا اور تجارتی قافلوں کی شام میں آمد کی اجازت دیتے ہوئے ان کی سلامتی و عافیت کیلئے دستاویز لکھی،،

جناب ہاشم کے اقدام نے لوگوں میں ان کی قدر و منزلت کو اور بڑھا دیا آپ کا معمول تھا سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام کا سفر کرتے ان ملکوں کے بادشاہ اور عرب قبائل آپ کی تجارت میں شریک ہوتے اور دوسروں کی بہ نسبت آپ کے ساتھ تجارت کو ترجیح دیتے،

بادشاہوں اور عربی قبیلوں سے تجارتی قافلوں کی حفاظت کا وعدہ لیکر جناب ہاشم نے طرفین کے لیئے برکتوں کے دروازے کھول دیئے اس قرار داد کا فائدہ مقیم و مسافر دونوں کو ہوا اور قریش کے لیئے اقتصادی اعتبار سے بہتری فراہم ہوگئی، اور مختلف شہروں سے نعمتیں مکّہ مکرمہ پہونچنے لگیں یہ وہی " ایلاف " ہے جس کی طرف قرآن کریم نے سورۂ قریش میں اشارہ کیا ہے [۱]

جناب ہاشم نے اپنے خطبہ میں فرمایا:

لوگو! ہم آل ابراہیمؑ و ذریت اسماعیل اور فرزندان نضر بن کنانہ و قصّی بن کلاب ہیں،

ہم سروران مکہ مکرمہ اور ساکنین حرم ہیں،

ہم فضیلتوں اور بزرگیوں کا مخزن ہیں،

ہم صاحبان حسب کے اخلاف ہیں،

اگر تم میں سے کسی نے کسی کے ساتھ حلف دوستی اٹھایا ہے تو اس پر واجب ہے کہ وقت ضرورت قطع رحم اور قطع اقرباء و اعزاء کے علاوہ اس کی مدد و نصرت کرے،

اے فرزندان قصّی! تم ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہو اگر ایک شاخ ٹوٹ گئی تو دوسری شاخ کو خطرہ ہے، اعزہ نیام کے مانند ہیں جس سے تلوار کی دھار سے محفوظ رہتی ہے، جس کسی نے اپنے اعزہ کے ساتھ بدی کی اس نے خود اپنا برا کیا، جس کسی نے سرکشی کی وہ سرکوب کیا جائیگا،

لوگو! حلم میں شرف و آبرو ہے، اور صبر میں کامیابی و کامرانی، نیکی کی حیثیت خزانہ کی ہے، اور فیاضی، سرداری و بزرگی کا سبب ہے،

جہالت و نادانی، حماقت ہے، دنیا رہ گذر ہے اور ہستی میں بے ثباتی ہر شخص اپنے افعال کا اسیر ہے اچھائیوں کے عادی بنو، نیکیوں کو حاصل کرو، زیادہ روی سے بچو تاکہ بے وقوف نہ کہے جاؤ، ہم نشین کی عزت و توقیر کرو تاکہ بستی آباد

---

[۱] ابی الحدید ج ۳، ص ۴۵۸، ۴۵۴،

رہے ، ملنے جلنے والوں کی حمایت کرو تاکہ تمہاری ہمسائیگی کا شوق باقی رہے۔

انصاف کرتے رہو تاکہ لوگ اعتماد کریں ، انسان کی عظمت کا انحصار انسانی

فضائل ومناقب سے آراستگی میں ہے ، پست عادتوں سے بچو چونکہ یہ قدر و

منزلت کو گھٹا دیتی ہے ، جاہلوں کی روک تھام کرو تاکہ جسارت نہ کریں کیونکہ

یہ جسارتیں رئیس قبیلہ کیلئے باعث درد سر ہے ،

حلیم وبردبار ان لوگوں کیلئے نصیحت ہے جو اس سے استفادہ کرے ،

صلب جناب ہاشم میں نور رسالت کی موجودگی سے ان کی پیشانی اندھیری رات میں ماہ کامل کی طرح روشن رہتی لہٰذا آپ جس گلی وکوچہ سے گذرتے شجر وحجر باآواز بلند کہتے :

ہاشم مبارک ہو عنقریب تمہاری ذریت میں وہ پیدا ہونے والا ہے جو خدا کی

عظیم مخلوق اور پیغمبر آخر الزماں ہے جس کا نام محمد مصطفےٰ ہوگا ،

جناب عبد مناف نے اپنے والد جناب قصیؑ کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے جناب ہاشم سے وصیت کی کہ زوجہ کے انتخاب میں ہمیشہ مومنہ صالحہ خاتون کو مدنظر رکھیں تاکہ نور رسالت ناشائستہ رحم تک منتقل نہ ہوسکے ،

حضرت آدمؑ سے نور رسالت کے امانت داروں نے اس بات کی رعایت رکھی لہٰذا جب یہ نور جناب ہاشم تک پہونچا تو اس وقت کے شریف ومعزز خاندان کے لوگوں نے جناب ہاشم کو عقد کے پیغام دیئے لیکن آپ نے قبول نہیں کیا بلکہ شادی کی بنا ، اس خواب پر رکھی جس میں آپ کو بشارت ہوئی تھی کہ قبیلہ بنی نجار کی خاتون سلمیٰ دختر عمرو سے شایان شان مہر پر عقد فرمائیں چونکہ سلمیٰ دوسری عورتوں کی بہ نسبت پاک وپاکیزہ ہیں ، ان معظمہؑ سے جو فرزند پیدا ہوگا وہ نبی آخر الزماں کا جد قرار پائے گا ،

جشن خواستگاری

خواب کے بعد جناب ہاشم اپنے بھائی اور بھتیجوں کے ہمراہ جناب سلمیٰ کی خواستگاری کیلئے ان کے

گھر پہونچے آپ کے ہاتھ میں پرچم "نزار" تھا قیمتی زرہ ولباس سے آراستہ تھے،
جناب ہاشم کے بھائی مطلب نے اس طرح گفتگو شروع کی:
ہم وہ لوگ ہیں جن تک خانۂ خدا اور مقامات مقدسہ کے زائرین پہنچتے رہتے ہیں، آپ لوگ ہماری شرافت وبزرگی سے باخبر ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اس نور درخشاں رسالت کی بھی آپ لوگوں کو خبر ہے جسکو خدا نے ہملوگوں کو عنایت فرمایا ہے، ہملوگ لوئی بن غالب کی اولاد ہیں اور حضرت آدمؑ سے جو نور منتقل ہو رہا تھا وہ جناب عبد مناف تک پہونچا اور ان کے بعد ہمارے بھائی ہاشم تک منتقل ہوا خدا نے ہاشم کی آپ لوگوں تک رہنمائی فرمائی ہے ہم لوگ آپ کی لڑکی سے رشتہ کا پیغام دینے آئے ہیں،

جناب مطلب کی تقریر کے خاتمہ پر جناب سلمٰی کے والد عمرو نے بھی مختصر سی تقریر کی اور رشتہ کی منظوری کا اعلان کردیا مہر طے پایا اور شادی انجام پاگئی،

جناب سلمٰی، جناب عبدالمطلب کی والدہ قرار پائیں انھیں اس کی خبر نہ تھی کہ وہ حامل نور رسالت ہیں لہٰذا جب زمانہ حمل میں انھیں اس کی بشارت ہوئی، تو ڈریں اور پریشان ہو کر اس کی خبر جناب ہاشم کو دن جس پر انہوں نے فرمایا کہ ڈرو، نہیں ہماری نسل میں عنقریب رسول آخرؐ مبعوث ہونا والا ہے[۱]

عبدالمطلب

حضرت عبدالمطلب کی ولادت سے مادرِ گیتی کی آغوش کو چار چاند لگ گئے "شیبۃ الحمد" آپ کا لقب تھا قریش پریشانیوں اور مشکلات میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ ان کی مشکلات حل فرماتے،

آپ کا شمار رئیس قوم اور سردار مکہ میں ہوتا ہے قبیلہ قریش آپ کو حلیم وبردبار اور

---

[۱] بحار ج ۶، ص ۱۴۱،

دانشمند سمجھتے تھے،

- جناب عبد المطلب کچھ چیزوں کے موجد ہیں جس کی اسلام نے بعد میں تائید فرمائی،
- سوتیلی ماؤں سے عقد کو حرام قرار دیا،
- اگر کسی کو خزانہ ملے اس میں خمس واجب ہے جو فقراء کا حق ہے،
- خونبہا میں سو اونٹ معین فرمائے،
- آپ کے زمانہ تک طواف کی عدد معین نہ تھی آپ نے سات کی عدد معین فرمائی،
- چوری پر چور کے ہاتھ کاٹنے اور زنا و شراب کی حرمت کا حکم بھی آپ نے دیا،
- برہنہ خانہ کعبہ کے طواف پر پابندی عاید کی،
- بتوں کے سامنے قربانی اور جوئے کو حرام قرار دیا[۱]

یہ تجویز بھی آپ ہی کی ہے،

- ظالم کے مرنے سے پہلے اسے سزا ملنی چاہیے، دنیا کے بعد بھی ایک عالم ہے جہاں نیکوکاروں کو نیکی اور بدکاروں کو بدی کی جزا ملے گی اگر ظالم کو اس دنیا میں ظلم کی پاداش نہ ملے تو آخرت میں ضرور ملے گی[۲]

جناب عبد المطلب کے القاب میں ایک لقب " فیاض " بھی ہے آپ کی سخاوت اس قدر وسیع تھی کہ وحوش و طیور تک آپ کے خوان نعمت سے بہرہ مند ہوتے تھے[۳]

خانہ کعبہ کے سامنے آپ کے لئے مسند لگائی جاتی تھی جس پر آپ فروکش ہوتے آپ سے پہلے یا انداز کسی اور کا نہ تھا اور نہ پیغمبرؐ کے علاوہ کسی کو اس پر بیٹھنے کا حق تھا،

اگر پیغمبر اسلامؐ کے کوئی چچا، بیٹھنے سے روکنا چاہتے تو جناب عبد المطلب تیز لب و لہجہ میں بھائیوں سے فرماتے:

۱؎ خصال صدوق، سیرۃ حلبیہ، ج ا ص ۵،

۲؎ سیرہ حلبیہ ج ا ص ۱۲،

۳؎ سیرۃ حلبیہ ج ا ص ۱۲،

بیٹھنے دو یہ پیغمبر خدا اور نبی عظیم المرتبت ہے ؎۱

جناب عبد المطلب اوصیاء ابراہیمؑ ہونے کی وجہ سے آسمانی و الٰہی کتابوں کے عالم تھے لہٰذا ان کے لئے آنحضرتؐ کی ایسی تکریم کرنا قابل تعجب نہ تھا علم جناب عبد المطلب کا تذکرہ جناب ابو طالبؑ اس طرح فرماتے ہیں!

ہمارے والد حضرت عبد المطلب تمام آسمانی کتابوں کے عالم تھے اور برابر فرماتے تھے کہ ہماری نسل میں ایک پیغمبر مبعوث ہوگا میری خواہش ہے کہ اس وقت تک زندہ رہوں اور اس پر ایمان لاؤں اپنی اولادوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اگر اس وقت موجود رہیں تو ان پر ایمان لائیں۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے تھے:

خدا کی قسم میرے والد ماجد ابو طالبؑ دادا جان عبد المطلب اور پردادا ہاشم نے کبھی بت پرستی نہیں کی یہ حضرات دین ابراہیمی پر رہتے ہوئے خدا کی عبادت کرتے تھے اور خانہ خدا میں نماز پڑھتے تھے ؎۲

ابو طالبؑ

حضرت ابو طالبؑ بھی مکہ معظمہ میں سید و سردار شمار کئے جاتے تھے اور اپنے والد ماجد کی طرح عوام کا مرجع و ماویٰ رہے انبیاء گذشتہ کے وصی ہونے کی وجہ سے انھیں بھی آنے والے زمانے کے حالات اور حوادثات کا علم تھا اور ایک امین کی حیثیت سے ان سارے تبرکات انبیاء کو جناب پیغمبر اسلامؐ کے سپرد فرمایا،

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے "درست نامی" شخص سوال کرتا ہے،

؎۱ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۱، خمیس ج ۱ ص ۲۷۰،

؎۲ کمال صدوق، ص ۱۰۴،

کیا ابو طالبؑ آنحضرتؐ کے لئے حجت تھے؟

فرمایا: نہیں، بلکہ گذشتہ انبیاء کی وصیتیں آپ کے پاس امانت تھیں جنہیں جناب ابو طالبؑ نے آنحضرتؐ کے سپرد فرمایا تھا،

سائل نے پھر پوچھا: کیا وصیتوں کو اس لئے آنحضرتؐ کے سپرد کیا کہ وہ آنحضرت کیلئے حجت تھیں

حضرتؑ نے جواب دیا! اگر ایسا ہوتا تو ابو طالب ان وصیتوں کو آنحضرتؐ کے سپرد نہ کرتے

سائل کہتا ہے:

پھر میں نے سوال کیا کہ آنحضرتؐ اور ابو طالبؑ کے درمیان ربط کیسا تھا،

حضرت نے جواب میں فرمایا! پیغمبرؐ اسلام کو اللہ کا نبیؐ مانتے تھے اور جو بھی ان کی موت تک آنحضرتؐ پر نازل ہو چکا تھا اس پر ایمان رکھتے تھے[1]

○ علامہ مجلسی کہتے ہیں:

شیعوں کا اجماع و اتفاق ہے کہ حضرت ابو طالبؑ حضرت ابراہیم کے وصی تھے اور کبھی بت کی پرستش نہیں کی،

○ مرحوم طبرسی لکھتے ہیں،

حضرات ائمہ طاہرین کا اجماع بھی یہی ہے کہ حضرت ابو طالبؑ نے کبھی بت پرستی نہیں کی رسول خداؐ اور ان کی موت تک جس قدر کلام خدا و احکام خدا نازل ہو چکا تھا اس پر عقیدہ رکھتے تھے،

ابن بطریق نے اپنی کتاب "مستدرک" میں اسی حقیقت کا ذکر کیا ہے،

○ مرحوم صدوق لکھتے ہیں،

حضرت عبد المطلبؑ و ابو طالبؑ جناب مرسل اعظمؐ کی شخصیت و حیثیت سے واقف تھے اور کافروں اور نادانوں سے اس موضوع کو چھپائے رکھتے تھے[2]

---

[1] بحار ج ۹، ص ۲۹، [2] کمال الدین، ص ۱۰۲،

جناب ابو طالبؑ کی خدا پرستی اور دین ابراہیمی سے وابستگی کی ایک دلیل تو یہی ہے کہ جس وقت امیر المومنینؑ کی ولادت کی شب قریش نے عجیب و غریب معجزے دیکھے تو اطمینان و سکون کی خاطر اپنے بتوں کو کوہ ابو قبیس پر لے گئے لیکن پہاڑ میں اسقدر لرزش پیدا ہوئی کہ سارے بت گر گئے اس منظر کو دیکھ کر قریش نے ہمیشہ کی طرح جناب ابو طالبؑ سے مدد مانگی جناب ابو طالبؑ نے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا اور کہا :

بارالہا : تجھے محمدیت محمودۂ محمدؐ مصطفی علویۂ عالیہ علی مرتضیٰؑ اور فاطمیت بیضاء حضرت فاطمہ زہراؑ کا واسطہ مکہ معظمہ پر اپنی رحمت رأفت نازل فرما :

دعا کے فوراً ہی بعد حالات معمول پر آگئے قریش ان ذوات مقدسہ کے وجود ظاہری سے پہلے ان کے اسماء سے واقف تھے اور ان کی حقیقت سے آشنا ہوئے بغیر مشکلات میں ان کے توسل سے دعائیں کرتے تھے،

یہی وجہ ہے کہ جناب عبد المطلب نے اپنے بیٹوں میں جناب ابو طالبؑ کو انحضرتؐ کی سرپرستی و کفالت کیلئے منتخب کرتے ہوئے کہا تھا،

وَصَّيْتُ مَنْ كَنَّيْتُهُ بِطَالِبِ ... عَبْدَ مَنَافٍ وَهُوَ ذُوتَجَارِبِ
يَا ابْنَ الْحَبِيبِ أَكْرَمِ الْأَقَارِبِ ... بِابْنِ الَّذِى قَدْ غَابَ غَيْرَ آئِبِ

کار آزمودہ و تجربہ کار فرد، عبد مناف جن کی کنیت ابو طالبؑ ہے اے عزیز خاندان وانے نور نظر تم سے یتیم عبد اللہ کے لئے وصیت کرتا ہوں جناب ابو طالب نے آپ کے جواب میں فرمایا :

لَا تُوصِنِي بِلَازِمٍ وَوَاجِبِ ... إِنِّى سَمِعْتُ أَعْجَبَ الْعَجَائِبِ
مِنْ كُلِّ حِبْرٍ عَالِمٍ وَكَاتِبِ ... بِأَنَّ بِحَمْدِ اللهِ قَوْلُ الرَّاهِبِ

۱؎ روضۃ الواعظین، ۲؎ شہر آشوب ج ۱ ص ۲۵،

یہ امر مجھ پر لازم وواجب ہے وصیت کی ضرورت نہیں میں نے عالم ودانشمند اور اہل قلم حضرات سے عجیب وغریب باتیں سنی ہیں خدا کا شکر کہ راہب کا بیان واضح ہو گیا،

حضرت عبدالمطلب نے مزید کہا:

اے ابو طالبؑ! تم اس نور نظر کی پرورش وپرستاری میں جس نے شفقت مادری اور مہر ومحبت پدری کا مزہ نہیں چکھا کوشش کرتے رہنا، اسے اپنا جگر کا ٹکڑا سمجھنا میں نے اپنی تمام اولادوں میں تم کو اس کی سرپرستی کیلئے اس وجہ سے منتخب کیا ہے کہ تم اس کے حقیقی چچا ہو جہاں تک ہو سکے دامے درمے قدمے سخنے اس کی حمایت کرتے رہنا،

بخدا عنقریب یہ اس درجہ تک پہنچے گا جس پر تمہارے آباؤ اجداد میں ابھی تک کوئی نہیں پہنچا ہے،

کیا تم نے میری وصیت کو قبول کیا؟

حضرت ابو طالبؑ کا جواب تھا:

خدا شاہد ہے میں نے قبول کیا،

حضرت عبدالمطلب نے فرمایا،

ابو طالبؑ اپنا ہاتھ بڑھاؤ پھر اپنے ہاتھ میں ان کا ہاتھ لیتے ہوئے فرمایا، میری وصیت مستحکم ہو گئی اور اب موت بھی آسان ہو گئی،

حضرت عبدالمطلب ہمیشہ حضرت رسول اکرمؐ کا بوسہ لیتے وقت فرماتے اپنی اولادوں میں تم سے زیادہ خوبصورت وپاکیزہ کسی اور کو نہیں پایا،

حضرت ابو طالبؑ جناب ختمی مرتبت کی سرپرستی پر نازاں اور حضرت عبدالمطلب کی نظر میں آپ کی جو قدر ومنزلت تھی اس پر حد درجہ مسرور تھے، تاریخ متفق ہے کہ آنحضرتؐ کی کفالت میں ابو طالبؑ نے ذرہ برابر کوئی فرد گذاشت نہیں کی،

حضرت مرسل اعظمؐ جناب ابو طالبؑ کی نظر میں گھر کی فرد فرد سے زیادہ عزیز ومحترم تھے

لوگوں نے نوسال کی عمر سے آنحضرت ص میں آثار نبوت مشاہدہ کئے جناب ابوطالب ع بھی ان آثار کا مشاہدہ کر رہے تھے اور نبی آخرالزمان سمجھتے ہوئے ان کی پرورش کر رہے تھے،

آنحضرت ص میں بے حد متانت ذوق پایا جاتا تھا، آپ کی ہنسی کی انتہا تبسم و مسکراہٹ سے زیادہ نہ تھی، تنہائی سے انس تھا، جس وقت غذا سامنے رکھی جاتی بسم اللہ کہے بغیر شروع نہ فرماتے اور خاتمہ پر خدا کا شکر کرتے اور وقت استراحت آپ کے سرہانے سے ایک نور بلند ہوکر آسمان کی فضاؤں کو چھوتا رہتا [۱]

تشنہ کام ابوطالب ع

ایک روز منزل ذی المجاز پر حضرت ابوطالب ع آنحضرت ص کے ہمراہ تھے ذخیرۂ آب ختم ہوگیا پانی تک رسائی ممکن نہ تھی آنحضرت ص ایک بڑی چٹان کے قریب پہونچے اور اسے ٹھوکر مار کر پلٹ دیا، اس کے نیچے سے جوش مارتا ہوا میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا [۲]

یہی نہیں اگر حضرت ابوطالب ع کے دسترخوان پر کبھی غذا کم ہوجاتی تو حضرت کی برکت سے اسکے باوجود سب سیر ہوکر کھالیتے [۳]

اس طرح کے واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ حضرت ابوطالب ع اپنے بھتیجے حضرت محمد مصطفےٰ ص کی نبوت و رسالت کے معتقد تھے، اس تقریر سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے جو جناب ابوطالب ع نے حضرت خدیجہ کی شادی کے موقع پر فرمائی تھی، جسکے الفاظ تھے،

وَهُوَ وَاللهِ بَعْدَ هٰذا لَهُ نَبأٌ عَظِيمٌ وَخَطَرٌ جَلِيلٌ.

۱۔ مرآۃ العقول ج ا ص ۳۶۸،

۲۔ مناقب شہر آشوب،

۳۔ سیرۃ حلبیہ ج ا ص ۱۳۹، ۴۔ سیرۃ حلبیہ ج ا ص ۱۶۵،

خدا کی قسم حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے ذریعہ ایک اہم خبر اور ایک عظیم واقعہ رونما ہونے والا ہے،

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی قریش کے نام یہ وصیت تھی:

اِنی اُوصیکُم بِمُحَمَّدٍ خَیراً، فَاِنَّهُ الْاَمینُ فی قُرَیْشٍ، وَالصِّدیقُ فی الْعَرَبِ، وَهُوَ الْجامِعُ لِکُلِّ ما اَوْصاکُم بِهِ، وَقَدْ جاءَ بِاَمْرٍ قَبِلَهُ الْجَنانُ.

میں تمہیں وصیت و تاکید کرتا ہوں کہ محمد مصطفےٰ صلعم سے حسن سلوک کرنا کیونکہ وہ امین قریش اور صادق عرب ہیں اور ان میں وہ ساری خوبیاں موجود ہیں جس کی طرف تمہیں بلا رہے ہیں اور جو چیز وہ لیکر آئے ہیں اسے عقل و خرد قبول کرتی ہے۔[۲]

جس وقت آنحضرت صلعم کے چچا عباس بن عبد المطلب نے قریش کی ان عداوتوں سے باخبر کیا جو وہ آنحضرت صلعم سے متعلق رکھتے تھے تو جناب ابوطالب علیہ السلام نے فرمایا:

والد ماجد نے مجھ سے فرمایا تھا کہ آنحضرت صلعم رسول برحق ہیں لہٰذا قریش کی دشمنی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی ہے، والد ماجد آسمانی کتابوں کے عالم تھے انھیں اسی وجہ سے اسکا علم تھا کہ ان کی نسل میں ایک نبی مبعوث ہوگا انھیں اس کی بھی خواہش تھی کہ اس نبی کے زمانہ میں ہوتے اور اس پر ایمان لاتے، اور ان کی یہ بھی تاکید تھی کہ جو ان کے زمانہ میں ہو وہ ان پر ایمان لائے،

اگرچہ جناب ابوطالب علیہ السلام خود آسمانی کتابوں کے عالم تھے لیکن اس کے باوجود ان کا یہ کہنا کہ: والد ماجد آسمانی کتابوں کے عالم تھے صرف تفنن کلام اور صنعت تنسیق قیاس کو مدنظر رکھتے ہوئے

۱؎ خمیس ج ۱ ص ۳۳۹، طراز المجالس خفاجی ص ۲۱۷، ثمرات الاوراق ابن حجہ حموی در حاشیہ مستطرف ج ۲ ص ۱۰، بلوغ الارب ج ۱ ص ۳۲۷، اسنی المطالب زینی دحلان، ص ۵،

۲؎ الحجۃ علی الذاہب ص ۶۵،

آنحضرت صلعم کی رسالت حقہ پر دلیل قائم کرنا تھا،

حضرت ابوطالب ؑ کو اس پر یقین تھا کہ ان کا بھتیجا نبی آخرالزمان ہے لہٰذا اعلان نبوت سے قبل بھی آپ ان کی وہی توقیر و تکریم فرماتے جو ایک نبی کے شایان شان تھی چونکہ صفات نبوی کا آپ کو علم تھا لہٰذا جس وقت ایک یہودی عالم نے آپ سے کہا کہ آپ کے بھتیجے میں وہ پیامبرانہ روح دیکھ رہا ہوں جس کی توریت وانجیل میں خبر دی گئی ہے، لہٰذا اس بچہ کو اغیار سے بچائے رہیگا جسکے جواب میں جناب ابوطالب ؑ نے فرمایا:

والد ماجد نے بھی مجھے بتایا تھا کہ یہ نبی آخرالزمان ہے اور حکم دیا تھا کہ ہمیشہ ان کی حفاظت کرتا رہوں تاکہ دشمنوں کو پتہ نہ چلنے پائے کہ یہ وہی بچہ ہے،

جناب ابوطالب ؑ کو آپ صلعم کی رسالت کا علم تھا اس کی شہادت اس سے بھی ہوتی ہے کہ جس وقت آپ کے بھائی حمزہ نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تو ان سے فرمایا:

فَصَبْراً أَبا يَعْلى عَلىٰ دينِ أَحْمَدٍ   وَكُنْ مُظْهِراً لِلدّينِ وُفِّقْتَ صابِرا

وَحُطْ مَنْ أَتىٰ بِالدّينِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ   بِصِدْقٍ وَحَقٍّ، لاتَكُنْ حَمْزُ كافِرا

فَقَدْ سَرَّنى إِذْ قُلْتَ إِنَّكَ مُؤْمِنٌ   فَكُنْ لِرَسُولِ اللهِ فِى اللهِ ناصِرا

وَنادِ قُرَيْشاً بِالَّذى قَدْ أَتَيْتَهُ   جِهاراً وَقُلْ ما كانَ أَحْمَدُ ساحِرا

اے ابو علی دین احمد صلعم پر صبر و ہمت سے ڈٹے رہنا اور صابر اسی وقت ہو گے جب اس کو ظاہر کرتے رہو گے،

جو خدا کے پاس سے دین برحق و صادق لیکر آیا ہے اس کے مطیع و فرمانبردار رہنا اس کی اطاعت کا انکار نہ کر دینا،

تمہاری اس خبر سے خوش ہوں کہ تم ایمان لائے لہٰذا ہمیشہ راہ خدا میں رسول خدا صلعم کی نصرت و مدد کرتے رہنا،

قریش کو علی الاعلان اپنے ایمان سے آگاہ کر دو اور ان پر واضح کرو کہ احمد مجتبیٰ صلعم ساحر نہیں ہیں،

جناب ابوطالب ؑ نے قریش کے جواب میں یہ شعر کہا تھا،

أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنّا وَجَدْنا مُحَمَّداً   نَبِيّاً كَمُوسىٰ خُطَّ فى أَوَّلِ الْكُتُبِ

کیا تم کو خبر نہیں! میں محمد مصطفےٰ ﷺ کو بھی مثل موسیٰ کلیم ؑ نبی مرسل مانتا ہوں جس کا تذکرہ آسمانی کتابوں میں تھا[۱]

یہ شعر بھی حضرت ابو طالب ؑ کا ہے،

وَأَمْسَى ابْنُ عَبْدِ اللهِ فِينَا مُصَدَّقاً ‏ عَلىٰ سُخْطٍ مِنْ قَوْمِنَا غَيْرَ مُعْتَبِ

فرزند عبداللہ ہمارے درمیان رسول برحق ہیں مگر ہماری قوم اس سے برہم ہے[۲]

یہ اشعار بھی حضرت ابو طالب ؑ کے ہیں:

أَمِينٌ حَبِيبٌ فِي الْعِبَادِ مُسَوَّمٌ ‏ بِخَاتَمِ رَبٍّ قَاهِرٍ لِلْخَوَاتِمِ
يَرَى النَّاسُ بُرْهَاناً عَلَيْهِ وَهَيْبَةً ‏ وَمَا جَاهِلٌ فِي فِعْلِهِ مِثْلُ عَالِمِ
نَبِيٌّ أَتَاهُ الْوَحْيُ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ ‏ فَمَنْ قَالَ: لَا، يَقْرَعْ بِهَا سِنَّ نَادِمِ

محمد ﷺ امین و محبوب خلائق ہیں اور رب قہار نے ان کے شانوں پر ختم رسالت کی مہر لگائی ہے لوگ ان میں نبوی ہیبت و جلالت مشاہدہ کر رہے ہیں اور کوئی ان کے حرکات و سکنات سے بے خبر نہیں ہے،

وہ ایسے نبی ہیں جن کے پاس خدا کی طرف سے وحی آتی ہے اور جس نے ان کی دعوت سے انکار کیا شرمندہ و پشیمان ہوگا[۳]

جناب ابو طالب ؑ نے نجاشی کے جواب میں فرمایا:

تَعَلَّمْ خِيَارُ النَّاسِ أَنَّ مُحَمَّداً ‏ وَزِيرٌ لِمُوسىٰ وَالْمَسِيحِ بْنِ مَرْيَمِ
أَتىٰ بِالْهُدىٰ مِثْلِ الَّذِي أَتَيَا بِهِ ‏ فَكُلٌّ بِأَمْرِ اللهِ يَهْدِي وَيَعْصِمِ
وَإِنَّكُمْ تَتْلُونَهُ فِي كِتَابِكُمْ ‏ بِصِدْقِ حَدِيثٍ لَا حَدِيثِ الْمُتَرْجَمِ
فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ نِدّاً وَأَسْلِمُوا ‏ فَإِنَّ طَرِيقَ الْحَقِّ لَيْسَ بِمُظْلِمِ

۱۔ خزینۃ الادب بغدادی، ج ا ص ۲۶۱،

۲۔ الحجہ علی الذاہب، ص ۴۵

۳۔ ابی الحدید ج ۳ ص ۳۱۳،

اچھے افراد جانتے ہیں کہ محمد مصطفےٰ ص رسالت موسیٰ ع و مسیح کے بھی مبلغ و متحمل ہیں آپ بھی اسی طرح رسالت الٰہیہ لیکر آئے ہیں جس طرح موسیٰ ع و مسیح لیکر آئے تھے،

انبیاء کرام امر الٰہی کی رہنمائی کرتے ہیں اور عبد و معبود کے رشتہ کو مستحکم بناتے ہیں،

تم لوگوں نے اپنی کتاب میں حالات نبی آخر الزمان پڑھے ہیں جس کی صداقت و حقانیت میں کوئی شک و شبہ نہیں،

خدا کا شریک قرار نہ دو، مسلمان ہو جاؤ چونکہ حق کا راستہ تیرہ و تاریک نہیں ہے،

یہ اشعار بھی حضرت ابو طالب ع ہی کے ہیں جو ان کے افکار کے ترجمان ہیں،

اِذْهَبْ بُنَيَّ فَماَ عَلَيْكَ غَضاضَةٌ   اِذْهَبْ وَقَرَّ بِذاكَ مِنْكَ عُيُونا

وَاللهِ لَنْ يَصِلُوا إلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ   حَتّٰى أُوَسَّدَ فِى التُّرابِ دَفِينا

وَدَعَوْتَنى وَعَلِمْتُ أنَّكَ ناصِحى   وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَكُنْتَ قَبْلُ أمِينا

وَذَكَرْتَ ديناً لامَحالَةَ، اِنَّهُ   مِنْ خَيْرِ أدْيانِ الْبَرِيَّةِ دينا

میرے نورِ نظر پیغام الٰہی پہنچانے کیلئے اٹھ کھڑے ہو کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کرسکتا ہے تمہارے وجود سے آنکھیں روشن ہیں،

خدا کی قسم تمہارے مخالفین اگر سب متحد ہو کر تمہارا مقابلہ کرنا چاہیں تو کچھ نہیں کر سکتے مگر یہ کہ میں گوشہ قبر میں چلا جاؤں،

تم نے مجھے دعوت حق دی میں جانتا ہوں کہ تم میرے خیر خواہ ہو تم سچے ہو اور پہلے بھی امین تھے

تم نے جس دین کو پیش کیا ہے وہ بلاشبہ ادیان میں بہترین دین ہے،

○ کیا اتنے واضح کلام اور روشن عقائد کے بعد کوئی عقل سلیم قبول کر سکتی ہے کہ حضرت ابو طالب ع ایمان نہیں لائے تھے ــــــــــ؟

○ کیا حضرت ابو طالب ع کا یہ کہنا کہ محمد مصطفےٰ ص سلسلہ موسیٰ و مسیح کی ایک کڑی ہیں اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ نبوت حضرت ختمی مرتبت کے معتقد تھے ــــــــــ؟

۱؎ الحجۃ علی الذاہب،

○ کیا حضرت ابو طالبؑ کا یہ کہنا کہ فرزند عبداللہ اپنی رسالت و نبوت میں سچا ہے ان کے ایمان کی واضح دلیل نہیں ہے؟

○ کیا کلمہ شہادت اشہد ان لا الہ الا اللہ اور ابو طالبؑ کے اس ارشاد محمد مصطفٰےؐ صداقت و راستی کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں ان کے دعوی نبوت میں کہیں سے جھوٹ کا گذر نہیں ہے ـــــــ کوئی فرق ہے ؟

○ کیا اس شخص کو کافر کہا جا سکتا ہے جس کا عقیدہ ہو کہ آنحضرتؐ بھی موسیٰ و مسیح کی طرح ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں ؟

○ حضرت ابو طالبؑ کا یہ شعر ـــــــ اے نور نظر آپؐ جس دین کو لائے ہیں وہ تمام آسمانی دینوں میں برتر و بہتر ہے ان کے اسلام کا ترجمان نہیں ،

○ کیا آپ کے اسلام کیلئے اس سے واضح کوئی سند چاہیے ؟

ہرگز نہیں !

○ مزید برآں حضرت ابو طالبؑ نے قریش کے مجمع میں آپ کی نبوت کی حقانیت کو واضح کرنے کیلئے خود حضرت سے فرمایا ،

○ میرے بھتیجے کیا خدا نے تمکو رسول بنایا ہے ؟

آنحضرتؐ نے فرمایا ـــــــ ہاں ،

حضرت ابو طالبؑ نے فرمایا ،

انبیاء و مرسلین اپنی رسالت کی حقانیت میں معجزہ پیش کرتے ہیں آپؐ بھی اپنی نبوت کے ثبوت میں معجزہ پیش کیجئے ،

حضرتؐ نے فرمایا :

چچا جان : اس درخت سے فرمائیں محمد بن عبداللہ نے کہا ہے کہ حکم خدا سے اپنی جگہ سے حرکت کرے حضرت ابو طالبؑ نے اپنی جگہ سے آواز دی ، درخت اپنی جگہ سے چلا اور خدمت رسول اکرمؐ میں

۱؎ ابی الحدید ج ۳ ص ۳۰۹ ،

سجدہ ریز ہوگیا، پھر حکم دیا اپنی جگہ واپس چلا جا درخت واپس ہوگیا،

جس پر حضرت ابوطالب ؑ نے فرمایا:

میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ ؐ اپنے دعوے میں سچے ہیں، پھر جناب ابوطالب ؑ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت علی ؑ سے فرمایا ہمیشہ آنحضرت ؐ کے ہمراہ رہو [۱]

ایک دن حضرت ابوطالب ؑ نے امیر المومنین حضرت علی ؑ سے ان کے حالات دریافت کئے جس کے جواب میں حضرت علی ؑ نے فرمایا:

بابا جان! خدا و رسول ؐ پر ایمان لایا ہوں اور جو بھی رسول گرامی لائے ہیں اسکا بھی معتقد اور پیرو ہوں،

جواب میں حضرت ابوطالب ؑ نے فرمایا:

آنحضرت ؐ کے ہمراہ رہو وہ تم کو ہمیشہ نیکی و فلاح کی طرف دعوت دیتے رہیں گے [۲]

ان شواہد کے بعد کسی صاحب عقل وسلیم کیلئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت ابوطالب ؑ دین حنیف اسلام کے پیرو نہ تھے، حضرت ختمی مرتبت ؐ کی حمایت میں کفار قریش سے انہوں نے جو ٹکر لی وہ ان کے اسلام کیلئے کافی ہے،

اگرچہ بعض مورخین نے حضرت علی ؑ کی دشمنی کی وجہ سے آپ ؑ کے والد ماجد کے فضائل ومناقب کو عمداً چھپانے کی کوشش کی ہے تاکہ ان کی شخصیت و کردار داغدار ہوسکے، لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جناب ابوطالب ؑ آنحضرت ؐ کے پیرو تھے اور آپ ؐ کی اقتداء میں نماز ادا کی تھی،

یہ سب صرف اس لئے ہوا چونکہ رسول خدا ؐ اور امیر المومنین ؑ کے مخالفین آپ حضرات کے دامن عصمت کو باوجود کوشش کے داغدار نہ کرسکے تو تنگ آکر آپ کے والدین کی شان میں گستاخیاں کیں اور ان کی طرف ناروا باتیں منسوب کیں ان کے فضائل ومناقب کو چھپانے کی بھرپور

۱۔ الحجۃ علی الذاہب ص ۲۵،

۲۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۴، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۳۰۶،

کوشش کی، مثال کے طور پر ایک مورخ جب جنگ بدر کے اسیروں کا تذکرہ کرتا ہے تو لکھتا ہے،

اسیروں میں پیغمبر اسلام ص کے چچا اور چچا زاد بھائی عقیل بھی تھے "جو حضرت علی ع کے بھائی ہیں"[1]

کیا مورخ بریکٹ میں علی ع کا بھائی لکھ کر عقیل کو پہچنوانا چاہتا ہے ———— ؟

قطعاً نہیں، چونکہ اگر یہ مقصد ہوتا تو جس طرح چچا کا تذکرہ کیا اور عباس کا نام نہیں لکھا اسی طرح عقیل کے بعد "برادر علی ع" بریکٹ میں لکھنے کی ضرورت نہیں تھی،

یہ وضاحت مورخ کی باطنی خیانت کا پتہ دیتی ہے اگرچہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا،

اندھی تقلید

کچھ ایسے مورخین ہیں جنہوں نے ان لوگوں کی کتابوں کو اپنی تحریر کا مصدر و مآخذ قرار دیا جنہوں نے اپنے ناپاک مقاصد کے پیش نظر ایسی کتابیں لکھیں جو حقائق سے دور اور خرافات سے بھری پڑی تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سطحی ذہن کے افراد نے ان تہمتوں کو حق سمجھ لیا،

تعجب ہے حضرت ابو طالب ع کی طرف یہ نسبت دی ہے کہ انہوں نے کہا:

میں پسند نہیں کرتا کہ میرا چھوٹا مجھ سے برتر ہو جائے[2]

حضرت ابو طالب ع کے لئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ص سے یہ کہا:

یہ کیا دین ہے ———— ؟

جسکے جواب میں آنحضرت ص نے فرمایا:

یہ دین خدا اسکے ملائکہ مرسلین اور ہمارے دادا حضرت ابراہیم ع کا دین ہے خدا نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے تاکہ لوگوں کو اس دین کی دعوت دوں آپ دوسروں کی بہ نسبت اس دین کے قبول کرنے کے زیادہ مستحق ہیں،

1۔ تاریخ الدمہ العربیہ ص ۸۴، چاپ بغداد ۱۹۳۹ء، 2۔ سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۳۰۶،

جس کے جواب میں حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا :
مطمئن رہو میں اپنے بزرگوں کا دین قطعاً چھوڑنے والا نہیں ، لیکن جب تک میں زندہ ہوں تمہیں قریش کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے ہیں ،

کم علمی

بعض نے جناب ابو طالبؑ کے اس جواب کو ان کے کفر کی دلیل قرار دیا ہے درانحالیکہ ان کے موحد و مومن ہونے پر اس سے زیادہ واضح کوئی دلیل نہیں ہو سکتی جناب ابو طالبؑ کے جواب میں بہترین توریہ بھی تھا اور کامل خدا و رسولؐ کا اقرار و اعتقاد بھی ،

چونکہ پیغمبر اسلامؐ نے بھی یہی کہا تھا کہ یہ دین خدا ، ملائکہ ، اور ہمارے دادا ابراہیمؑ کا دین ہے لہذا ابو طالبؑ کا یہ جواب کہ میں اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑنے والا نہیں ہوں اس سے بھرپور پیغمبر اسلامؐ کی تائید و تصدیق تھی اس گفتگو کی جان ابو طالبؑ کا یہ وعدہ ہے ،

میری زندگی تک قریش تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں ،

یقیناً جو لوگ فن بلاغت اور خصوصیات توریہ سے بے خبر ہیں انھیں تو حضرت ابو طالبؑ کے اس جواب " میں اپنے اور باپ دادا کے دین کو چھوڑنے والا نہیں ہوں " سے یہی سمجھ میں آئے گا کہ وہ بت پرستی کو نہیں چھوڑنا چاہتے تھے لیکن اہل علم و نظر کو اس کلام کی بلاغت و لطافت معلوم ہے ، ایک مورخ نے جناب ابو طالبؑ کے جواب کی یہ توجیہ کی ہے کہ ابو طالبؑ کا مقصد اس توریہ سے یہ تھا کہ ظاہری طور پر قریش کی حمایت کئے جاؤ اور اس طرح پیغمبر اسلامؐ کے مشن کو کوئی گزند نہ پہنچ سکے ،

مجھے اس سے انکار نہیں کہ ابو طالبؑ آنحضرتؐ کے سرسخت و شدید حامی تھے لیکن یہ ماننے کیلئے تیار نہیں کہ حضرت دین حنیف ابراہیمی یعنی مومن و مسلم نہیں تھے ،

مورخین نے اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی خاطر کردار ابو طالبؑ کو تاریخی حقائق کے برخلاف لکھا ہے ، لیکن ابو طالبؑ کی عملی زندگی جس میں وہ پیغمبر اسلامؐ کی اقتدا میں نماز بھی پڑھتے ہیں اور ایمان کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں یہ باتیں ان سطحی فکر کے مورخین کی ذلیل و پست مقاصد کا پردہ فاش کرتی ہیں ،

حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کامل کی وضاحت ان کے اشعار سے ہوتی ہے جسمیں انہوں نے رسالت آنحضرتؐ کی تصدیق کا کھلم کھلا اعلان فرمایا ہے جنکے چند نمونہ گذشتہ صفحات پر نقل کرچکا ہوں، ابی الحدید معتزلی نے بھی ابوطالبؑ کی خوب مدح سرائی کی ہے،

وَلَوْلَا أَبُوطَالِبٍ وَابْنُهُ — لَمَا مَثُلَ الدِّينُ شَخْصاً فَقَامَا
فَذَاكَ بِمَكَّةَ آوَىٰ وَحَامَىٰ — وَهٰذَا بِيَثْرِبَ جَسَّ الْحَمَامَا
تَكَفَّلَ عَبْدُ مَنَافٍ بِأَمْرٍ — وَأَوْدَىٰ فَكَانَ عَلِيٌّ تَمَامَا
فَلِلّٰهِ ذَا فَاتِحٌ لِلْهُدَىٰ — وَلِلّٰهِ ذَا لِلْمَعَالِي خِتَامَا
وَمَا ضَرَّ مَجْدَ أَبِي طَالِبٍ — عَدُوٌّ لَغَىٰ أَوْ جَهُولٌ تَعَامَىٰ

اگر ابوطالبؑ اور آپ کے فرزند حضرت علی نہ ہوتے تو ہرگز دین اسلام کو خلعت وجود نہ ملتا،
ابوطالبؑ تھے جنہوں نے مکہ معظمہ میں آنحضرتؐ کی حمایت ونصرت کی اور یہ علیؑ ہیں جو مدینہ منورہ میں آخری نفس تک دفاع کرتے رہے،
عبد مناف " ابوطالب " نے آنحضرتؐ سے جس امر کا وعدہ کیا تھا حضرت علیؑ نے اس کی تکمیل فرمائی،
پروردگار عالم دونوں کو جزائے خیر مرحمت فرمائے ایک ہدایت کی ابتداء تھا اور دوسرا مظہر کامل ہدایت،
جاہلوں کی کور باطنی اور دشمنوں کی بیہودہ گوئی حضرت ابوطالب کی بزرگی وعظمت کو متاثر نہ کرسکی،

امیرالمومنینؑ

آپؑ کی مدح وتوصیف سے ثناخوانوں کی زبانیں قاصر ہیں اور قلمکاروں کی طبع جولاں حیران ہے اس شخص کے لئے کیا کہا جاسکتا ہے جس کی ولادت کی شب جب قریش نے ایسے عجیب

وعزیب معجزے دیکھے جس کو اس شب سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا ــــــ تو حضرت ابوطالبؑ کے پاس حیران و پریشان آئے اور ان سے ان حیرت انگیز امور سے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا :

اے لوگو! آج کی شب خدا کے دوستوں میں سے ایک دوست اور اس کے ولیوں میں سے ایک ولی پیدا ہوا ہے جو نیکیوں کا حامل ہے اور سلسلہ اوصیاء کی آخری فرد ہے، وہ متقین کا پیشوا، دین کا ناصر، مشرکین کا قلع قمع کرنے والا، منافقین کی آنکھ کا کانٹا، عبادت گذاروں کی زینت، رسول اکرمؐ کا وصی ہدایتوں کا امیر و امام ہے، اس کی نورانیت عام ہے وہ اندھیروں کا چراغ اور شرک و شک کا زائل کرنے والا ہے بلکہ وہ عین الیقین ہے،

حضرت ابوطالبؑ ان کلمات کو حضرت علیؑ کی ولادت کے وقت مکہ مکرمہ کی گلی کوچوں اور بازاروں سے گذرتے وقت بار بار کہتے جارہے تھے یہاں تک کہ صبح ہوگئی [1]

علیؑ ــــــــــ وہ عظیم شخصیت ہے جسکے لئے حضرت ختمی مرتبت نے فرمایا :

علیؑ کی وہ ضربت جو عمرو بن عبدود کے سر پر لگی تھی ثقلین کی عبادت "جن و انس" کے برابر ہے،

خیبر کے دن آنحضرتؐ نے فرمایا :

کل علم اس کو دوں گا جو خدا و رسولؐ کا محبوب ہوگا اور خدا و رسولؐ اس کے محبوب ہوں گے جب تک فتح نہ ہو جائیگی واپس نہیں آئے گا،

یہ فرماتے ہوئے رسول اکرمؐ نے علم آپؑ کے سپرد فرمایا اور آپ نے فتح و کامرانی کے ساتھ جنگ خیبر کا خاتمہ فرمایا [2]

مناسب ہے اس جگہ اختصار کے ساتھ حضرت علیؑ کی ان خصوصیات کا تذکرہ کرتا چلوں جنکا اسلام مرہون منت ہے جس کی طرف محدثین مولفین اور مورخین نے سیر حاصل بحث کی ہے وہ ہے حضرت علیؑ کا اسلام،

---

[1] روضۃ الواعظین،   [2] طبری ج ۳ ص ۹۳، ابن اثیر ج ۲ ص ۸۳"

اسلام علیؑ

کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کمسنی میں اسلام لائے اس جگہ کچھ لوگوں نے مناقشہ کیا ہے لیکن اس طولانی بحث سے گریز کرتے ہوئے چند باتیں وہ ہیں جن کی طرف اشارہ کر رہا ہوں،

(۱) ——— میں یہ نہیں کہتا کہ حضرت علیؑ وہ پہلی فرد ہیں جو آنحضرتؐ پر اسلام لائے ہاں یہ ضرور ہے کہ حضرت علیؑ پیغام توحید و رسالت کی ابتداء سے آنحضرتؐ کے ہمقدم و ہمسفر رہے

سوال یہ ہے کہ علیؑ کافر کب تھے کہ اسلام لائے بلکہ حضرت علیؑ و حضرت محمد مصطفےٰؐ دونوں دینی تعلیمات کے عالم و عارف تھے،

یہ حضرات عالم انوار سے ہی فیض الٰہی کا سرچشمہ تھے، جب نہ زمین تھی نہ زمان اسی فیض کی ایک چھوٹ اس عالم میں ظاہر تھی،

یہ حضرات اس وقت نبی و وصی تھے جب آدمؑ آب و گل کے درمیان تھے،

(۲) ——— آنحضرتؐ احکام الٰہی لانے والے اور ہماری مذہبی ذمہ داریوں کے خد و خال معین کرنے والے ہیں جب انہوں نے کمسنی میں حضرت کے اسلام کو قبول فرمایا تو پھر کسی کیلئے چون و چرا کی گنجائش نہیں رہی،

آغاز توحید

جس وقت آیۃ شریفہ " انذر عشیرتک الاقربین " نازل ہوئی اور خداوند کریم نے اس آیت کے ذریعہ پیغام اسلام کا حکم دیا تو سارے اقرباء نے انکار کر دیا صرف ایک امام علیؑ تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کی آواز پر لبیک کہی، آنحضرتؐ نے اس موقع پر حضرت علیؑ کو اپنے وصی بھائی اور جانشین کی حیثیت سے پیش فرمایا اور آخر میں اس کو پورا بھی کیا[۱]

---

[۱] طبری ج ۲ ص ۲۱۶، ابن اثیر ج ۲ ص ۲۲، المختصر ابو الفداء ج ۱ ص ۱۱۶، ابی الحدید ج ۳ ص ۲۵۴، تاریخ تمدن اسلام ج ۱ ص ۳۱، حیاۃ محمد ص ۱۰۴ ط اول،

کیا کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی شریعت میں بچپنے کا اسلام قابل قبول نہیں وہ بھی علیؑ جیسی شخصیت کا، ــــــــ؟

ہرگز نہیں! چونکہ عملی طور پر پیغمبر اسلامؐ نے آپ کے اس اقدام کی تعریف و توصیف فرمائی اور صلے میں وہ چیزیں عنایت فرمائیں جو کسی اور کو نہیں عطا کیں،

یہ انداز خود اس کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علیؑ کا اسلام بالکل صحیح تھا، آپ کی لبیک، قلب آگاہ اور عقل کامل کے نتیجے میں تھی تب ہی تو آنحضرتؐ نے آپ کو اپنا یاور و ناصر قرار دیا،

حضرت علیؑ اور آپ کے والد ماجد حضرت ابو طالبؑ کی حمایت آنحضرتؐ کیلئے تبلیغ کے آئندہ مراحل میں ایک نعمت الٰہی رہی،

چونکہ آنحضرتؐ کی شخصیت اس سے بالاتر ہے کہ وہ کسی کی بے جا تعریف فرمائیں یا گفتگو میں مبالغہ آرائی کریں لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ کے نزدیک حضرت علیؑ کا اسلام بھرپور بصیرت کی بنیاد پر تھا اور خدا و رسولؐ نے اس کمسنی نے اسلام کو پسند فرمایا، یہی نہیں حضرت علیؑ خود بھی مثل پیغمبر اسلامؐ احکام الٰہیہ کے عالم تھے لہٰذا اس شرف پر ان الفاظ میں افتخار فرماتے ہیں،

أَنَا الصِّدِّيقُ الأَكْبَرُ، لاَيَقُولُها بَعْدِي إِلاّ كَاذِبٌ مُفْتَرٍ؛ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ قَبْلَ النَّاسِ بِسَبْعِ سِنِينَ.

میں صدیق اکبر ہوں اگر کسی نے میرے بعد صدیق ہونے کا دعویٰ کیا تو جھوٹا و افترا پرداز ہے، میں نے لوگوں سے سات سال قبل پیغمبر اسلامؐ کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے[1]

اسی لئے آنحضرتؐ نے بھی تصدیق فرمائی،

أَنْتَ أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَاناً وَإِسْلاماً.

آنحضرتؐ کے اصحاب نے بھی اس شرف پر حضرت علیؑ کی تعریف کی کہ آپ نے دین کے مرکز اصلی اور اسلام کے منبع حقیقی، یعنی پیغمبر اسلامؐ کے وجود اقدس سے کسب فیض فرمایا ہے اس شرف

---

[1] طبری ج ۲ ص ۲۱۲،

میں آپ کے علاوہ کوئی دوسرا شریک نہیں،

یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء شعراء، مولفین، بلکہ اسلام کے ہر طبقہ و طائفہ نے حضرت علیؑ کی اس فضیلت کی دل کھول کر تعریف و توصیف کی ہے، اس کے برخلاف کچھ ایسے افراد ہیں، جنہوں نے اپنے خیال خام میں حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے اور آپ کے اسلام کو بچپنے کے اسلام سے تعبیر کرتے ہوئے اپنے دانست میں آپ کی عظمت و شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ واضح ہے کہ ع مہ نور می نشاند سگ بانگ می زند،

(۳) ——— اگر ان ساری باتوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے پھر بھی یہ سوال ان لوگوں سے ہوگا جنہوں نے حضرت علیؑ کے اسلام کو عنوان بحث قرار دیا کہ کیا ابتداء بعثت میں احکام الٰہیہ کو قبول کرنے کیلئے بلوغ کی شرط تھی، ہوسکتا ہے یہ شرط بھی اسلام کے بقیہ اور احکام کی طرح تدریجاً آئی ہو جیسا کہ خفاجی نے ایک بچہ کے سلسلہ میں پیغمبر اسلامؐ کی دعا کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

جنگ احد کے بعد احکام اسلام کیلئے بلوغ کی شرط آئی ہے [۱]

سیرہ حلبیہ میں آیا ہے کہ:

ابتداء ظہور اسلام میں بچے احکام الٰہیہ کے مکلف تھے جنگ خیبر سے یہ حکم اٹھالیا گیا،

تاریخ بیہقی نے بھی نقل کیا ہے،

احکام اسلام کیلئے بلوغ کی شرط یا جنگ خندق کے ابتدائی سال سے عاید ہوئی ہے یا صلح حدیبیہ والے سال میں لگائی گئی ہے [۲] ورنہ اس سے پہلے بچے کے اسلام کا معیار " خوب و بد کے درمیان تشخیص دینا تھا،

حرف آخر

ہم اثنا عشری شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے ائمہ علیہم السلام کے دوش مبارک پر انسانوں کی ہدایت

---

[۱] شرح شفاج ۳ ص ۱۲۵، بحوالہ برہان حلبی و کتاب سبکی، [۲] ج ۱ ص ۳۰۴،

کی ذمہ داری ہے، یہ حضرات اپنی خلقت کے دن ہی سے خواہ وہ خلقت ظاہری ہو یا باطنی ہر فضیلت وکمال سے آراستہ ہوتے ہیں اسی طرح جیسا کہ جناب عیسیٰ و یحییٰ کو گہوارے و بچپنے میں نبوت وحکم الٰہی عطا ہوا تھا،

یہ ائمہ طاہرینؑ بھی امامت کے اعلان سے قبل تک خاموش ہوتے ہیں صرف اجازت خدا سے وقت ضرورت کلام فرماتے ہیں، ان کی خلقت اسلام وآئین اسلام پر ہوئی لہٰذا نہ ان کے اسلام کو موضوع گفتگو قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان کا عوام سے تقابل کیا جاسکتا ہے،

یہ وہ نورانی سلسلہ اور پاک وپاکیزہ شجرۂ طیبہ ہے جس کی ایک فرد "حضرت ابوالفضل العباسؑ ہیں" اس سلسلہ کی ہر فرد دریائے فضیلت کا در بے بہا ہے اگر کوئی صاحب شرف وفضیلت ہے تو اس نے اسی گھرانے سے شرف وفضل وبزرگی کی خیرات پائی ہے،

یہ وہ گھرانہ ہے جس میں خاندانی عظمت وعوامی امامت ورہبری ہمیشہ ساتھ رہی، طینت وسرشت کی پاکیزگی ایمان کی طہارت ونورانیت کے دوش بدوش رہی اسی لئے اس گھرانے کی کوئی ایسی فرد نہیں جو چراغ ہدایت وچشمۂ فضل وکرم، پیکر پارسائی وتقوی، رہنمائے توحید، نمونہ شجاعت وجوانمردی نہ رہی ہو حضرت عباس اسی گھرانے کی فرد ہیں لہٰذا انھیں شرف وعظمت بزرگوں سے میراث میں ملی اگرچہ حضرت علیؑ جن کے آغوش میں حضرت عباسؑ پروان چڑھے ان کے فضائل ومناقب کے اظہار کیلئے قلم عاجز وحیران ہے، قمر بنی ہاشم عباسؑ، اسی علیؑ کے صفات ملکوتی کے وارث ہیں،

باب دوم

اعمام

آئیے ذرا حضرت عباسؑ کے چچاؤں کی تابناک زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالتے چلیں چونکہ یہ حضرات بھی اسی شجرہ مبارکہ سے تعلق رکھتے ہیں جسکے لئے قرآن کہتا ہے اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء روایات کی روشنی میں چچا کی خوبیاں اور خصلیتیں بھی بچوں میں اسی طرح منتقل ہوتی ہیں جسطرح ماموں کے طور طریقہ اثر چھوڑتے ہیں، حضرت عباسؑ کے تذکرہ سے قبل چاہتا ہوں کہ سرورِ کائناتؐ کے چچا حضرت حمزہ سید الشہداءؑ کے حالات کی طرف اشارہ کرتا چلوں، چونکہ حضرت ختمی مرتبتؐ نے آپ کی ذات والا صفات پر بارہا فخر فرمایا ہے،

حمزہ

سید الشہداء لقب تھا آپ کے بارے میں کیا کہوں آپ کی توصیف میں کہاں سے گفتگو کا آغاز کروں، بس اتنا کہتا چلوں کہ آپ کی شان میں آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

اَسَدُ اللهِ وَاَسَدُ رَسُولِهِ.

یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا اس ارشاد سے حضرتؐ کا مقصد جناب حمزہ کی شجاعت و بہادری دلاوری و دلیری کو ظاہر کرنا تھا ———— ؟

ہرگز نہیں! چونکہ یہ بات اپنی جگہ مسلم و طے شدہ ہے کہ آپؐ کا کلام ہر فصیح کے کلام سے فصیح تر اور آپؐ کی بلاغت ہر صاحب فن کی بلاغت سے اعلیٰ و ارفع تھی لہٰذا اس اعتراف کے بعد

اگر حضرت کی مراد جناب حمزہؑ کی شجاعت کو اظہار عقیدت سے پیش کرنا ہوتا تو صرف " اسد " کی لفظ کا استعمال کافی تھا اس کو " اللہ اور رسولؐ " کی طرف نسبت دینے کی ضرورت نہیں تھی ،

لہٰذا ماننا پڑے گا اللہ و رسولؐ کی طرف نسبت سے آنحضرتؐ کا مقصد جناب حمزہ کی اس شجاعت و سرفروشی کے جذبہ کو ظاہر کرنا تھا جسکا مظاہرہ انہوں نے ترویج دین اور نشر اسلام میں کیا تھا ،

چونکہ پیغمبر اکرمؐ کی ذات گرامی رکن ہدایت وستون دین کی تھی لہٰذا حق شناس پیغمبرؐ نے اپنا فریضۂ منصبی سمجھا کہ جناب حمزہ کی ان عظمتوں اور فضیلتوں کو منظر عام پر لائیں جس میں وہ منفرد تھے اس مرتبہ منزلت میں کوئی دوسرا شہید ان کا شریک نہیں تھا ، بلاشبہ حضرت حمزہ کی یہ فضیلت مذہب حقّہ کے نزدیک ان کے کمال ایمان کی روشن دلیل ہے ،

اس کی شہادت جناب سید ابن طاؤس[1] کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ختمی مرتبتؐ نے اس شب جس کی صبح کو جناب حمزہ شہید ہونے والے تھے ان سے کہا :

آپ کی ایک طولانی غیبت ہونے والی ہے آپ سے اگر حضرت احدیت نے شرائط ایمان اور قوانین اسلام سے متعلق سوال کیا تو آپ کیا جواب دیں گے ؟

حضرت حمزہ نے گریہ کرتے ہوئے کہا : حضورؐ آپ میری راہنمائی فرمائیں ؟ حضرتؐ نے اس وقت فرمایا :

آپ گواہی دیں " اللہ کا کوئی شریک نہیں اور محمدؐ اسکے رسولؐ ہیں ،
آپ اقرار فرمائیں " علیؑ اور ان کی اولاد طاہرین اللہ کے اولیاء ہیں ،
آپ معتقد رہیں " فاطمہؑ عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں ، آپ کے بھتیجے جعفر ملائکہ کے ہمراہ جنت میں پرواز کریں گے ،
آپ شہادت دیں " محمدؐ و آل محمدؐ بہترین مخلوق ہیں ،

جناب حمزہ نے فرمایا : میں آپ کے ارشاد پر ایمان بھی لایا اور اس کی تصدیق بھی کی جسکے جواب

---

[1] الطرف ،

میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ سید الشہداء اور اللہ و رسولؐ کے شیر ہیں،

جس وقت حضرت حمزہ نے اپنے لئے زبان رسالت سے یہ سنا تو ہوش اڑ گئے اور زمین پر گر پڑے، پھر سنبھل کر اٹھے اور چشم رسالت کا بوسہ لیا اور پھر کہا:

آپ کے بیان کی تصدیق کرتا ہوں اور خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں خدا بہترین گواہ ہے،

اگر کوئی آنحضرتؐ کے ارشاد میں غور وخوض کرے تو حضرت حمزہ کی بلندی ایمان و اسلام اس پر واضح ہو جائے گی اور یہ راز بھی آشکار ہو جائیگا کہ جب جناب حمزہ نے مکہ مکرمہ میں توحید و رسالت کا اقرار لیا تھا تو پھر اسکے تکرار کی ضرورت کیا تھی؟

حضرت کا مقصد صرف یہ تھا کہ حمزہ جیسی جلیل القدر شخصیت ولایت علیؑ و ائمہ طاہرینؑ کے اقرار سے اپنے ایمان کو مرحلہ کمال تک پہنچا دے کیونکہ یہ ائمہ اطہارؑ آنحضرتؐ کے حقیقی امین وجانشین تھے،

اس گفتگو کا ایک اہم رخ یہ بھی ہے کہ خود جناب حمزہ پر واضح ہو گیا کہ وہ اسد اللہ اور سید الشہداء کے مرتبے پر فائز ہیں اور ان کے بھتیجے جعفر ملائکہ کے ہمراہ محو پرواز ہیں درانحالیکہ وہ اس وقت تک زندہ تھے،

اس طرح کی غیبی خبریں ہر کس و ناکس کو نہیں دی جاتیں بلکہ اس سے ان لوگوں کو باخبر کیا جاتا ہے جو محبت آل محمد علیہم السلام کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوتے ہیں،

غیب سے متعلق خبریں ان لوگوں کو دی جاتی ہیں جو سیر وسلوک کے مراحل طے کر چکے ہوتے ہیں جن کی پاکیزگی باطن کی وجہ سے مادی پردے نظروں سے اٹھ چکے ہوتے ہیں،

حضرات ائمہ طاہرینؑ انسان کے باطن سے باخبر ہوتے ہیں لہٰذا انھیں جناب حمزہ کے باطن کی پاکیزگی کا پورا پورا علم تھا اور مقام احتجاج میں اس کی تحلیل بھی کی اور تذکرہ بھی فرمایا،

اگرچہ ان کے علاوہ اور بھی سچے اسلام کے فدا کار تھے جنہوں نے نصرت اسلام میں اپنی جانیں قربان کی تھیں،

بہر حال یہ واضح ہے کہ جناب حمزہ حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کے نزدیک خاصی اہمیت رکھتے تھے دوسرے اس عظمت و رفعت کا احساس و ادراک نہیں کر سکتے ،

حضرت امیر المومنین ؑ نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے :

راہ اسلام میں جو بھی شہید ہوا اس کا خدا کے نزدیک مرتبہ ہے لیکن جب ہمارا شہید ہوا تو اس کو سید الشہداء " جناب حمزہ " کہا گیا جسکی نماز جنازہ پر آنحضرت ؐ نے ستر تکبیریں کہیں ،

اسی طرح شوریٰ کے دن بھی حضرت نے فرمایا تھا ،

خدا کے لئے بتاؤ ! کیا تم میں کوئی ہمارے چچا حمزہ جیسا ہے ، جنکو آنحضرت ؐ نے اسد اللہ و اسد رسولہ " فرمایا تھا ،

حضرت امام حسن مجتبیٰ ؑ نے بھی ایک موقع پر فرمایا :

جن لوگوں نے آنحضرت ؐ کی دعوت پر لبیک کہا انمیں آپ کے چچا حمزہ اور بھتیجے جعفر تھے ، اصحاب پیغمبر اسلام ؐ میں سے کچھ اور لوگ بھی شہید ہوئے لیکن سید الشہداء کا لقب صرف حمزہ کو ملا ،

حضرت امام حسین ؑ نے بھی روز عاشورا فرمایا :

کیا حمزہ سید الشہداء ! والد ماجد کے چچا نہیں تھے ؟

حضرات ائمہ طاہرین ؑ کا مقصد ان بیانات سے جناب حمزہ کی شخصیت و منزلت کو اجاگر کرنا تھا ،

ایک دو بار نہیں بلکہ بارہا آنحضرت ؐ نے جناب حمزہ کی عظمت و منزلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے تاکہ " اسد اللہ " کا جو لقب انھیں ملا ہے اس سے مہاجر و انصار پورے طور سے واقف و مطمئن ہو جائیں کوئی دل ان کی عظمت کا انکار نہ کر سکے ،

ایک موقع پر آنحضرت ؐ نے فرمایا !

اے گروہ انصار ! اے فرزندان ہاشم و عبد المطلب میں محمد ؐ اللہ کا رسول ہوں میں اس جوہر سے پیدا ہوا ہوں جو اللہ کی نظر خاص کا مرکز رہا اسی جوہر سے

اللہ نے علیؑ و حمزہ و جعفر کو بھی خلق فرمایا ۱؎

پیغمبر اسلامؐ کا مقصد اس بیان سے اپنے چچا حمزہ اور علیؑ و جعفر چچا زاد بھائی کے مراتب کی طرف اشارہ کرنا تھا، اسی لئے ائمہ اطہارؑ اور آپ کی فاضل طینت سے بنے شیعوں کا تذکرہ نہیں فرمایا اساس اسلام ہونے کی وجہ سے اپنا اور علی مرتضیٰؑ کا تذکرہ بھی فرما دیا، اسی طرح کی ایک حدیث امیر المومنینؑ سے مروی ہے جسے آپ نے فتح بصرہ کے وقت بیان فرمایا تھا:

فرزندان ابو طالبؑ کی سات فرد ہیں وہ ہیں جن کی عظمت و منزلت کا منکر کافر ہے ان سات فردوں سے مراد پیغمبر اسلامؐ، امیر المومنینؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ، امام مہدیؑ اور حمزہ و جعفر، سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں،

یہ حدیث بھی جناب حمزہ و جعفر علیہم السلام کی فضیلت کو آشکار کرتی ہے چونکہ یہ دونوں بزرگوار وہ ہیں جنہوں نے دعوت پیغمبر اسلامؐ پر بلا جھجک لبیک کہی اور اپنی عزیز جان کو نثار و قربان کر کے ستون مذہب و اسلام کو محکم و مضبوط بنا دیا،

جناب حمزہ و جعفر طیار علیہما السلام کا دعوت مرسل اعظمؐ پر لبیک کہنا ہی ان کی فضیلت و شرف کیلئے کافی تھا مزید کسی فضیلت کو ان کے لئے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں تھی،

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

جب قیامت ہوگی خدا کے بندے جمع کئے جائیں گے سب سے پہلے حضرت نوحؑ سے سوال ہوگا کیا آپ نے تبلیغ رسالت فرمائی؟

حضرت نوحؑ فرمائیں گے: ہاں،

ندائے الٰہی آئے گی! آپ کی تبلیغ کا گواہ کون ہے؟

محمدؐ بن عبد اللہ، یہ کہتے ہوئے نوح علیہ السلام محشر میں عوام کو چیرتے ہوئے آنحضرتؐ کے پاس پہنچیں گے حضرت کوہ مشک و عنبر پر تکیہ کئے بیٹھے ہوں گے حضرت علیؑ آپؐ کے پہلو میں ہوں گے حضرت نوحؑ عرض کریں گے

۱؎ مجالس شیخ صدوق،

یا رسول اللہ میری تبلیغ کی شہادت فرما دیں اس وقت حضرت محمدؐ جناب حمزہ وجعفر سے فرمائیں گے جاکر شہادت دے دو کہ نوح نے تبلیغ کی ہے،

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

جناب حمزہ وجعفر طیار انبیاء کرام کی رسالتوں کے شاہد ہیں،
راوی نے پوچھا کیا حضرت علیؑ شہادت نہیں دیں گے؟

حضرت نے فرمایا:

ان کا مرتبہ اس سے بلند ہے ۱؎

اہم نکتہ ا ——— جناب حمزہ وجعفر طیار کی گواہی کا مقصد یہ ہوا کہ یہ حضرات جن انبیاءؑ کی تبلیغ کی گواہی دیں گے ان کے دین کے اصولوں سے باخبر ہوں گے اور ساتھ ہی ساتھ ان دونوں حضرات کا عینی شاہد ہونا بھی ضروری ہے ورنہ شہادت معتبر نہیں ہوسکتی،

ب ——— اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ شہادت عینی نہیں ہے بلکہ علمی ہے یعنی یہ دونوں حضرات انبیاء کرام کی عصمت کو مدنظر رکھتے ہوئے گواہی دیں گے کہ ان انبیاء نے فرائض تبلیغ ادا کیا ——— تو صحیح نہیں چونکہ جس نے عصمت کی نعمت بخشی ہے وہ خدا جانتا ہے کہ ان انبیاء نے ادائے تبلیغ کر دی، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ ان حضرات کی شہادت، شہادت عینی ہوگی جیسی عدالت کے کٹہرے کے لئے ضروری ہوتی ہے،

ج ——— یہ فرض بھی صحیح نہیں کہ جناب حمزہ وجعفر طیار کی شہادت پیغمبر خداؐ کی نیابت میں تھی چونکہ شہادت میں نیابت نہیں ہوا کرتی،

ان تمام شقوں کے بعد تسلیم کرنا پڑے گا جناب حمزہ وجعفر طیار تمام ادیان الٰہی کے اصولوں سے واقف وآگاہ تھے، یہ آگاہی کیونکر ہوئی اس کی تین راہیں ہوسکتی ہیں،

اس علم وآگاہی کا ذریعہ حق الیقین تھا یا عالم انوار میں ان بزرگوار نے ادیان الٰہی کا

۱؎ سفینۃ البحار ج ا ص ۱۵۸، از کافی،

معائنہ کیا تھا یا عالم ذر میں ادیان کا مشاہدہ کیا تھا،

بہر حال جب ادیان الٰہی سے باخبر تھے خواہ کسی ذریعہ سے تو ان کے لئے عالم ظہور و شہود یعنی روز قیامت میں گواہی دینا صحیح ہوگا،

جب جناب حمزہ و جعفر گذشتہ آسمانی ادیان سے باخبر تھے تو ان کے لئے دستورات اسلامی سے بے خبر ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،

طالب

حضرت عباسؑ کے چچا میں ارباب تحقیق کے نزدیک مسلّم ہے کہ پیغمبر اسلام صؐ کی پہلی ہی دعوت پر اسلام لائے تھے،

اگر کوئی محقق تحقیق کی نظر سے آپ کی سوانح حیات کا جائزہ لے تو اس کو ملے گا کہ جناب طالب اپنی اولادوں کے ساتھ شمع رسالت کے گرداگرد پروانہ وار پھرتے اور کسی وقت بھی آنحضرت صؐ کی حمایت سے دریغ نہیں کرے، آنحضرت صؐ کی محبت و ہمراہی میں جناب طالبؑ نے جو معجزات دیکھے تھے اس کے بعد تو پھر کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں، جناب طالب کے یہ اشعار ان کے باطن کے ترجمان ہیں،

إذا قيلَ: مَنْ خَيْرُ هٰذَا الْوَرىٰ ... قَبِيلاً وَأَكْرَمُهُمْ أُسْرَةِ

أنافَ بِعَبْدِ مَنافٍ أَبٌ ... وَفَضَّلَهُ هاشِمُ الْغُرَّةِ

لَقَدْ حَلَّ مَجْدُ بَنى هاشِمٍ ... مَكانَ النَّعائِمِ وَالنَّثْرَةِ

وَخَيْرُ بَنى هاشِمٍ أَحْمَدٌ ... رَسُولُ الْإِلٰهِ عَلىٰ فَتْرَةِ

اگر سوال کیا جائے کہ لوگوں میں بہترین قبیلہ اور مکرم خاندان کون سا ہے تو کہا جائیگا کہ عبد مناف "ابو طالب" کا ہے جنکے والد عبدالمطلب اور ان کے صاحب فضل و کمال والد ہاشم نے اس قبیلہ کو بلندی بخشی،

ہاشم کی اولادوں نے وہ عروج پایا کہ نعائم ونشرہ میں اپنا مقام بنالیا[۱]
اور ہاشم کی اولادوں میں سب سے زیادہ با فضیلت احمد مرسل ﷺ ہیں جو زمانہ فترت کے بعد مبعوث ہوئے[۲]

معراج کی رات

جناب طالب کی صرف یہی فضیلت نہیں ہے کہ وہ اسلام لائے بلکہ جناب جابر بن عبداللہ انصاری کی حسب ذیل روایت سے ان کی عظمت و منزلت میں چار چاند لگ جاتے ہیں ،

جابر نے مرسل اعظم ﷺ سے سوال کیا لوگ کہتے ہیں کہ جناب ابو طالبؑ دنیا سے کافر گئے ، حضرت نے فرمایا :

جابر ! اللہ کو علم غیب ہے ، لیکن شب معراج کا واقعہ سنو میں جب عرش الٰہی پر پہنچا تو وہاں چار نور دیکھے حضرت احدیت سے سوال کیا یہ انوار کس کے ہیں ؟

ندائے الٰہی آئی :

عبدالمطلب ، ابو طالب ، آپ ﷺ کے والد عبداللہ اور چچا زاد بھائی طالب کے ہیں ،

میں نے عرض کیا خدایا وہ کون سی نیکیاں تھیں جسکے عوض میں یہ حضرات ان مرتبوں تک پہنچے ، جواب رب العزت تھا :

مرتے دم تک ان لوگوں نے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے رہے[۳]

---

[۱] نعائم ونشرۃ چاند کی دو منزلیں ہیں ، [۲] بحار ج ۹ ص ۳۹ ، سید علی خان نے الدرجات الرفیعہ میں صرف دو آخر شعر لکھے ہیں ، [۳] روضۃ الواعظین ص ۷۱ ،

مرحوم کلینیؒ نے امام جعفر صادق ؑ کی حدیث نقل فرمائی ہے ،

طالب جنگ بدر سے قبل مسلمان تھے قریش زبردستی انھیں اپنے ہمراہ جنگ میں لے گئے اسی وقت رجز خوانوں کی ایک ٹولی آن پہنچی اور رجز پڑھنے لگی ، جناب طالب بھی ان کے ہمراہ ہو لئے اور یہ اشعار پڑھے۔

يَا رَبِّ إِمَّا يَغْزُوَنَّ بِطَالِبِ   فِي مِقْنَبٍ مِنْ هٰذِهِ الْمَقَانِبِ

فِي مِقْنَبِ الْمُحَارِبِ الْمُغَالِبِ   بِجَعْلِهِ الْمَسْلُوبَ غَيْرَ السَّالِبِ

خدایا ! اگرچہ قریش اس لشکر انبوہ میں طالب کو جنگ کیلئے لائے ہیں اور اپنی کامیابی کی آرزو رکھتے ہیں انھیں مغلوب فرما نہ غالب ،

اسی مفہوم کی ایک اور حدیث ہے ، محمد بن مثنی حضرمی کا بیان ہے کہ مرسل اعظم ؐ کی جنگ بدر کے دن عباس بن عبد المطلب کے غلام ابو رافع سے ملاقات ہوئی تو حضرت ؐ نے اس سے اپنی قوم کے حالات دریافت کئے اس نے جواب میں کہا ، قریش آپ ؐ کے قبیلہ کو زبردستی اپنے ہمراہ لائے ہیں ،

ابن جریر طبری کا بیان بھی ہمارے بیان کا مؤید ہے ،

آن حضرت ؐ نے بدر کے دن فرمایا :

میں بنی ہاشم اور کچھ دوسرے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جنہیں قریش زبردستی اپنے ہمراہ لائے ہیں لہٰذا ایسے افراد کو قتل نہ کیا جائے ، اگر تم میں سے کسی کو عباس بن عبد المطلب مل جائیں تو انھیں قتل نہ کرنا چونکہ وہ زبردستی لائے گئے ہیں [۱]

وفات

طالب کی وفات میں اختلاف ہے ، کچھ کا خیال ہے کہ جب جنگ بدر کیلئے نکلے اسی وقت غائب ہو گئے ، بعضوں کا خیال ہے کہ راہوار دریا میں لیکر اتر گیا اور غرق ہو گئے ، کچھ نے یہ شبہ

---

[۱] طبری ج ۲ ص ۲۸۲ ،

ظاہر کیا ہے کہ جب قریش کو ان کے اشعار سے انکے اسلام کا پتہ چلا تو طالب کے اشعار کو بدشگونی تصور کرتے ہوئے انھیں قتل کر دیا،

بہر حال طالب کی سرگذشت سعد بن عبادہ سے ملتی جلتی ہے انھیں بھی قتل کر کے یہ کہہ دیا کہ جناتوں نے اپنے تیروں سے مار ڈالا،

حضرت عقیل

آپ بھی شجرہ طیبہ نبوت کی وہ نمایاں فرد ہیں جنہیں نگاہ مرسل اعظمؐ میں خاصی اہمیت تھی آپ کے اسلام کے لئے بھی تاریخ کا حتمی فیصلہ ہے کہ آغاز اسلام ہی کے وقت مسلمان ہو چکے تھے،

راہ اسلام میں جناب عقیل نے اپنی سچائی اور زبان دل اور اعضاء و جوارح کے ذریعہ اسلامی اصولوں پر عمل کر کے قلب رسالت کو جیت لیا تھا انھیں سارے پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے آنحضرتؐ نے فرمایا تھا، إني أحبك حبين، حباً لك، وحباً لحب أبي طالب إياك:

میں آپ کو دو وجہ سے دوست رکھتا ہوں ایک تو خود آپ کی خوبیوں کیوجہ سے دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ حضرت ابو طالب کے عزیز تھے [1]

حضرتؐ کا یہ ارشاد جناب عقیل کی باطنی خوبیوں کی وجہ سے تھا ورنہ مرسل اعظمؐ جیسی شخصیت مادی و ذاتی اغراض کے لئے کسی کو دوست نہیں رکھ سکتی تھی،

ایک سوال

مرحوم صدوق اپنی کتاب المجالس کی ستائیسویں مجلس میں لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے جناب ختمی مرتبتؐ سے پوچھا کیا آپ عقیل سے محبت فرماتے ہیں؟

---

[1] سیرۃ حلبی ج ۱ ص ۳۰۴، تذکرۃ الخواص ص ۷، خصال صدوق ج ۱ ص ۳۸،

آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا :
خدا کی قسم انھیں دو وجہوں سے دوست رکھتا ہوں ایک تو خود ان کی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے دوسرے حضرت ابو طالبؑ چونکہ ان سے محبت کرتے ہیں لہٰذا میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں ،
اے علیؑ ! عقیل کے فرزند مسلمؑ تمہارے نور نظر حسینؑ کی محبت میں شہید ہوں گے جن کی مظلومیت پر مومنین کی آنکھیں روئیں گی اور فرشتگان الٰہی جن پر درود و صلوٰۃ بھیجیں گے ،
حضرت یہ فرما کر اسقدر روئے کہ آپ کے آنسو آپ کے سینے مبارک پر ٹپک رہے تھے پھر حضرت نے سر کو جھکایا اور حضرت احدیت سے عرض کی خدایا ! تجھ سے شکوہ ہے کہ مرے بعد میری عترت بلاؤں سے دوچار ہوگی ،

ارشادات مرسل اعظمؐ کی روشنی میں جناب عقیل کی قد آور شخصیت سامنے آجاتی ہے ، انہوں نے اپنے راسخ ایمان ہی کی وجہ سے اپنے بھائی امام علیؑ کے دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے تھے اور اپنی بے پناہ حاضر جوابی سے ان کے دشمنوں کو بر سر عام رسوا و ذلیل کر دیا ،

حضرت ابو طالب جناب عقیل سے اس وجہ سے محبت نہیں کرتے تھے کہ وہ خاندان رسالتؐ کی فرد اور شجاع و بزرگ تھے کیونکہ اگر یہ وجہ ہوتی تو مرکز محبت حضرت علیؑ اور جعفر طیار کو ہونا چاہیے تھا چونکہ جعفر سن کے اعتبار سے بڑے تھے اور علیؑ فضائل و مناقب میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے ،

جناب جعفر طیار و علی ابن ابی طالبؑ کی موجودگی کے باوجود سید البطحا حضرت ابو طالبؑ نے اس لئے محبت کی چونکہ ان میں ذاتی خوبیوں کے علاوہ خاندانی صفات بھی ورثہ میں منتقل ہوئے تھے ،

اس نکتہ کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ جناب ابو طالبؑ اوصیاء انبیاء مرسلین میں تھے اور وصی بنی ہر خطا و گناہ سے مبرا ہوتا ہے اگر وہ اپنی اولادوں میں کسی کو بہت عزیز رکھتا ہوگا تو اس کی کوئی وجہ ہوگی ، واضح وجہ یہی ہے کہ جناب عقیل ایک انسان کامل تھے شریعت برحق

ایسوں سے دوستی کا حکم دیتی ہے ،

بلاشک وشبہ جناب عقیل اسی راہ مستقیم پر تھے جس پر ان کا خاندان تھا شمع توحید اسی طرح انمیں بھی جلوہ گیر تھی جسطرح ان کے خاندان کی دوسری فردوں میں ضوبار تھی ،

عقیل خاندان کی روش سے علحدہ ہو بھی نہیں سکتے تھے چونکہ سب کے کفیل حضرت ابو طالبؑ تھے اور آپ نے نہ عقیل کی پرورش میں کوتاہی کی اور نہ کبھی جناب عقیل کے طریقہ زندگی سے کبیدہ خاطر ہوئے لہٰذا جناب ابو طالبؑ عقیل سے بے پناہ محبت رکھتے تھے ، اسکی شہادت پیغمبر اسلامؐ کے گذشتہ بیان میں آچکی ہے ،

جناب عقیل بھی ابتدائے بعثت سے پیغمبر اسلامؐ کے مصدق تھے لیکن اپنے والد ماجد اور بھائی طالب کی طرح اسلام کو ظاہر نہیں کیا لہٰذا عقیل و جعفر طیار کے ایمان میں کوئی فرق نہیں ہے

بہرحال جناب عقیل اس گھر کے رموز واسرار سے بیگانہ نہیں تھے جو گھر قصر اسلام کی اساس و بنیاد تھا ، جس وقت حضرت ختمی مرتبتؐ نے دعوت اسلام دی آپ نے فوراً لبیک کہا اور آنحضرتؐ کی تصدیق فرمائی ،

جناب عقیل ہی کی طرف آپ کی ہمشیر ام ہانی نے بھی اوروں سے پہلے پیغمبر اسلامؐ کی تصدیق فرمائی تھی ، آنحضرتؐ معراج کی واپسی پر ام ہانی ہی کے بیت الشرف پر اترے تھے ،

بعثت کا تیسرا سال تھا تبلیغ عمومی کا حکم ابھی آنحضرتؐ کو نہیں ملا ، حضرتؐ نے ام ہانی کو اپنی رسالت سے روشناس کرایا آپ نے پیغمبر اسلامؐ کی رسالت کو قبول کر لیا اور ایمان لے آئیں لیکن ظاہر نہیں کیا ، لہٰذا جن لوگوں نے ۸ھ فتح مکہ کے موقع پر آپ کے اسلام کا تذکرہ کیا ہے بالکل بے بنیاد ہے ،

○ ابن شہر آشوب ——— لکھتے ہیں کہ جناب ام ہانی نے حیات مرسل اعظمؐ میں وفات پائی ، لیکن ابن حجر نے اپنی کتاب تقریب التہذیب میں لکھا ہے کہ وفات زمانہ خلافت معاویہ میں میں ہوئی اس بیان کی روشنی میں یہ واضح نہیں ہے کہ آپ وہی ام ہانی ہیں جن کا تذکرہ کامل الزیارۃ میں ان الفاظ کے ساتھ ہے ،

امام حسینؑ کی پھوپھیوں میں سے ایک پھوپھی نے حضرت سے کہا :

اے حسینؑ! گواہ رہو میں نے ہاتف غیبی کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ دشت کربلا کا شہید اولاد جناب ہاشم میں سے ہوگا جو قریش کے بزرگوں کی گردنوں کو ذلت وخواری سے جھکا دے گا،

فاطمہ بنت اسد

ہاشمی خاندان کی باشرف خاتون ہیں آپ حضرت ابو طالبؑ کی زوجہ اور ——— عقیل وحضرت علیؑ کی ماں ہیں آپ کی طہارت وپاکیزگی اور ایمان کی شہادت بھی آنحضرتؐ دے چکے تھے حیرت ہے ان لوگوں پر جو کج فکر قلمکاروں کی آراستہ وپیراستہ عبارتوں سے دھوکہ کھا کر اسکے قائل ہیں کہ: جناب فاطمہ بنت اسد زمانہ حمل میں ہبل بت کے سامنے جھکنا چاہتی تو حضرت علیؑ شکم سے فرماتے کہ سجدہ نہ کریں،

اس واقعہ کو حضرت علیؑ کی کرامت کے طور پر نقل کیا ہے درآنحالیکہ افترا پرداز مورخین اس نکتہ کو بھول گئے کہ یہ فرضی کرامت صاحب تطہیر علیؑ کی شخصیت کو مجروح کرتی ہے کیونکہ جو ذات بعد ختمی مرسلؐ افضل مخلوق ہے اور جس کی تخلیق نور الٰہی سے ہوئی ہے اس کے والدین کو کفر وشرک کی آلودگی سے نسبت کیونکر دی جاسکتی ہے،

جناب فاطمہ بنت اسد پر یہ بھی بہتان ہے کہ جناب ختمی مرتبتؐ ہر صبح وشام انھیں احکام اسلامی تعلیم دیتے لیکن آپ اس سے انکار کر دیتیں جبکہ فاطمہ بنت اسد واجب التعظیم علیؑ کی ماں ہیں،

حضرت علیؑ کی ایک نمایاں فضیلت یہ بھی ہے کہ لفظ امیر المومنینؑ آپ کے علاوہ کسی امام معصومؑ کیلئے استعمال کرنا روا نہیں،

اسی لئے ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو امیر المومنین کہہ کر مخاطب کیا تو حضرت پر بار خاطر ہوا اور فرمایا کہ یہ لقب میرے جد امیر المومنینؑ کے علاوہ کسی کیلئے زیبا نہیں، درآنحالیکہ سارے ائمہ طاہرینؑ ایک ہی نور اور ایک ہی طینت سے خلق ہوئے ہیں،

جناب فاطمہ بنت اسد کی توہین کیلئے ایک چال اور چلی گئی وہ یہ کہ پیغمبر اسلامؐ نے دفن کے بعد قبر پر با آواز بلند کہا ،

علی ! نہ جعفر نہ عقیل ،

اصحاب نے جب سوال کیا تو فرمایا کہ جب فرشتے نے سوال کیا کہ نبی کے بعد کس کی ولایت کا اقرار کرتی ہو تو شرم سے خاموش ہوگئیں اور علیؑ نہ کہا ،

کیا یہ فرضی روایت عقل کی کسوٹی پر صحیح ہے کیا یہ ممکن ہے بعد از نبیؐ سب سے برتر وافضل مخلوق یعنی علیؑ کی ماں ہونے کے باوجود انھیں احکام اسلامی کی خبر نہ تھی کیا حکم الٰہی کے اظہار میں حیا کرنی چاہیے ؟

ان حضرات نے یہ چاہا تھا کہ اس عظیم خاتون کو اسلامی احکام سے بے بہرہ ثابت کریں لیکن یہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے اور تیر نشانہ پر نہ لگا ، چونکہ آنحضرتؐ کی حدیث صحیح موجود ہے کہ جب حضرت نے فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا کو قبر میں اتارا تو بلند آواز سے یہ تلقین فرمائی

> اے فاطمہ میں محمد سید اولاد آدمؑ ہوں لیکن یہ کوئی فخر کی جگہ نہیں ، جب آپ سے منکر ونکیر سوال کریں ، تمہارا رب کون ہے ؟ تو آپ جواب میں فرمادیں ، اللہ میرا رب ہے ، محمدؐ میرے نبی ہیں اسلام میرا دین ہے قرآن میری کتاب ہے اور میرا بیٹا علیؑ میرا ولی وامام ہے [۱]

اس تلقین کے بعد حضرت قبر سے باہر تشریف لائے اور قبر بند کر دی گئی

بنوت کی تلقین کے بعد امامت کی تلقین اس وقت تک رائج نہ تھی ممکن ہے کہ یہ امر فاطمہ بنت اسد یا ان جیسی پاکیزہ کردار خواتین سے مخصوص رہا ہو جس طرح جناب حمزہ کے جنازے پر ستر تکبیریں آنحضرت نے بلند کی تھیں درآنحالیکہ نماز میں صرف پانچ تکبیریں ہیں ،

دشمنوں کی کوشش کے باوجود مادر امیر المومنینؑ کی عظمت وبلندی ایمان مجروح نہ ہو سکی چونکہ پیغمبر اسلامؐ کے عمل نے آپ کی عظمت ومنزلت کو اجاگر کر دیا تھا ، مثلاً آپ نے محشر کی

---

[۱] مجالس شیخ صدوق ۵۱ ص ۱۸۹ ،

عریانی سے بچانے کیلئے اپنا فنا ناپذیر پیراہن عطا فرمایا، قبر کی تنہائی واذیت سے بچانے کیلئے قبر میں لیٹے،

یہ سارے واقعات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ کا گھرانہ مرکز توحید وایمان اور ہدایت تھا لیکن فرق صرف یہ ہے کہ اس گھرانے کے مردوں اور عورتوں میں سے کچھ نے اپنے ایمان کو آشکار کیا اور کچھ نے مصلحت کی وجہ سے چھپائے رکھا،

دربار معاویہ

ایک اخلاقی بحث یہ بھی ہے کہ آیا حضرت عقیل نے حیات حضرت امیرالمومنینؑ میں شام کا سفر کیا تھا یا بعد شہادت؟

ابن ابی الحدید نے صراحت کی ہے کہ حضرت کی شہادت کے بعد تھا اور علامہ جلیل القدر سید علی خان نے اپنی کتاب الدرجات الرفیعہ میں روایات و بیانات کی چھان بین کے بعد ابی الحدید کے نظریہ کی تائید کی ہے،

لہذا جناب عقیل کا معاویہ کے دربار میں جانا نہ آپ کی شخصیت کو مجروح کرتا ہے اور نہ آپکی اس عظمت و بزرگی کو گھٹاتا ہے جو جناب عقیل کو اہلبیت عصمت و طہارتؑ کے نزدیک حاصل تھی کیونکہ بہت سے اہلبیتؑ کے چاہنے والے تھے جو اضطرار و مجبوری اور بقائے حیات کی خاطر وہاں گئے تھے یہ حضرات تقیہ کے اسرار سے بھی واقف تھے لہذا تقیہ بھی کیا اور تقیہ انسان کے دامن کو داغ دار نہیں کرتا ہے، یہی نہیں اضطرار و مجبوری کی حالت کا اقدام خود بھی قابل سرزنش نہیں ہوتا،

حیرت کی جگہ ہے جس نے بھی دربار معاویہ میں جناب عقیل کے پہنچنے کو لکھا ہے یہی لکھا ہے کہ نہ وہ معاویہ کے دارو دربار سے مرعوب ہوئے نہ اس کی قیادت و سرداری کا اقرار کیا اور نہ ہی عاجزانہ لب و لہجہ اختیار کیا بلکہ انہوں نے معاویہ سے تیز و تند لہجہ میں گفتگو کی اس کے حسب و نسب کا مذاق اڑایا، اسکے پست و ذلیل کردار کی تحقیر کی اور اپنے مانجائے امیرالمومنین علیؑ کی فضیلت و برتری کا قصیدہ پڑھا،

معاویہ نے ان سے کہا :

ہمارے اور علیؑ کے لشکر کو کیسا پایا ؟

حضرت عقیل نے کہا :

میں ماجائے کے لشکر سے گذرا تو ان کے ساتھیوں کو اسی شان و انداز سے مصروف نماز و تلاوت قرآن پایا جیسے رسول اللہؐ کے ہمرکاب ہوں درآنحالیکہ آنحضرتؐ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اس کے برخلاف جب تیرے لشکر کے قریب سے گذرا تو منافقین کا ایک ایسا جتھا پایا جس نے شب عقبہ آنحضرتؐ کو شہید کرنے کی خاطر راہوار رسولؐ کو بھڑکایا تھا۔[1]

جناب عقیل کے سوال کے باوجود حضرت امیر المومنینؑ نے جناب عقیل کے وثیقہ میں اضافہ نہیں فرمایا تھا، اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے معاویہ نے کہا : علیؑ نے آپ کی قربت کا لحاظ نہیں کیا :

جناب عقیل نے جواب دیا :

خدا کی قسم ماجائے نے وافر مقدار میں عطا و بخشش فرمائی اور قرابت کا خوب پاس و لحاظ کیا اور جب تیرے جیسے لوگ خدا سے بدظن تھے تو علیؑ خدا سے لو لگائے ہوئے، اس کی امانتوں کو ادا کر رہے تھے اور اس کی مخلوق کی اصلاح میں کوشاں تھے درآنحالیکہ تم اور تمہارے جیسے لوگ خیانت بدامنی اور فساد کے مرتکب ہو رہے تھے ،

او بے پدر ! خاموش ! جو تو کہہ رہا ہے علیؑ اس سے مبرّا ہیں ،

پھر با آواز بلند جناب عقیل نے کہا :

اے اہل شام ! میرا ماجایا وہ تھا جس نے دنیا کو اپنے دین کے سانچے میں ڈھال دیا تھا ، خدا سے ڈرنے والا تھا، خدا کی خوشنودی کے حصول کی خاطر

---

[1] الدرجات الرفیعہ،

کسی کی طنز و تشنیع کی پرواہ نہیں کی ،

لیکن یہ معاویہ وہ ہے جس نے دین کو دنیا کا اسیر بنا دیا ہے گمراہی کے مرکب پر سوار ہے اور خواہش نفسانی اس کو مہمیز کر رہی ہے لہٰذا اس نے جو کچھ بخشش کی ہے یہ اس کی خون کے پسینے کی کمائی نہیں ہے ، یہ خدا کی عنایت کردہ روزی ہے جو اس نے مجھے دی ہے کل جسکا اس کو حساب دینا ہوگا لہٰذا یہ اپنی داد و دہش میں کسی شکریہ کا مستحق نہیں ہے ،

پھر معاویہ سے مخاطب ہوئے :

او پسر ہند ! ہوشیار ! خدا کی قسم کوئی کار خیر تجھ سے سرزد نہیں ہو سکتا کیونکہ تو بد قولی و بد کرداری کے دلدل میں پھنسا ہوا ہے جو تیری ہلاکت کا پیش خیمہ ہے ،

معاویہ نے سر کو اٹھایا اور کہا :

بنی ہاشم کے ساتھ کون سا سلوک کروں کہ وہ مجھ سے راضی رہیں پھر چند اشعار پڑھے :

أزيدُ هُمُ الإكرامَ كَيْ يَشْعَبُوا العَصا — فَيَأبُوا الَّذى الإكرامِ أنْ لا يُكَرِّمُوا

وَذا عَطَفَتْنى رِقَّتانِ عَلَيْهِمُ — نَأَوْا حَسَداً عَنّى فَكانُوا هُمْ هُمُ

وَأُعْطيهِمْ صَفْوَ الإخا فَكَأنَّنى — مَعاً وَعَطاياىَ الْمُباحَةَ عَلْقَمُ

وَأُغْضى عَنِ الذَّنْبِ الَّذى لا يُقيلُهُ — مِنَ الْقَوْمِ إلَّا الْهِزَبْرِىُّ الْمُقَمَّمُ

حِباً وَاضْطِباراً وَانْعِطافاً وَرِقَّةً — وَأَكْظِمُ غَيْظَ الْقَلْبِ إذْ لَيْسَ يَكْظِمُ [1]

اگرچہ برابر اکرام و احترام میں اضافہ کرتا رہتا ہوں تا کہ ہماری مخالفت سے باز آ جائیں لیکن اس بخشش کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آتا ،

میں از راہ ہمدردی یہ حسن سلوک کرتا ہوں لیکن یہ لوگ اپنے حسد پر جمے رہتے ہیں ،

میں دوستی کی حلاوت و مٹھاس ان لوگوں کے ذہن میں ڈالتا ہوں جو

---

[1] اصل شعر معاویہ ،

انھیں تلخ معلوم ہوتی ہے،
میں ان لوگوں کی جسارتیں درگذر کرتا ہوں،
محبت و مہربانی اور لطف و نرمی کا مظاہرہ کرتا ہوں اور ناپسندیدگی کے باوجود غصّہ کو پی جاتا ہوں،
اے فرزند ابو طالب! خدا کی قسم اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ معاویہ چونکہ لاجواب ہوگیا ہے، لہٰذا بر ہمی کا مظاہرہ کیا تو اس وقت تمہارا سر جلاد کے ہاتھوں میں ہوتا جس کی حنظل سے زیادہ قیمت نہ ہوتی،
جناب عقیل نے شعر ہی میں جواب دیا:

عَذيرَكَ مِنهُمْ مَنْ يَلومُ عَلَيهِمُ ، وَمَنْ هُوَ مِنهُمْ فِي الْمَقالَةِ أظْلَمُ
لَعَمْرُكَ ما أعْطَيتَهُمْ مِنكَ رَأفَةً ، وَلٰكِنْ لِأسْبابٍ وَحَوْلَكَ عَلْقَمُ
أبىٰ لَهُمْ أنْ يَنزِلَ الذُّلُّ دارَهُمْ ، بَنُو حُرَّةٍ، زُهْرٌ وَعَقْلٌ مُسَلَّمُ
وَإنَّهُمْ لَمْ يَقبَلُوا الذُّلَّ عَنوَةً ، إذا ما طَغَا الْجَبّارُ كانُوا هُمْ هُمُ
فَدُونَكَ ما أسْدَيتَ فَاشْدُدْ يَداً بِهِ ، وَخَيرُكُمُ الْمَبْسُوطُ وَالشَّرَّ فَالْزَمُوا

کس چیز نے تجھ کو بنی ہاشم کی ملامت و مذمت سے روکا ہے تجھے تیری قسم تو نے ان لوگوں کو جو چیز بھی دی وہ محبت سے نہیں دی بلکہ اپنے باطل مقاصد کی تکمیل کی خاطر دی،
خاندان بنی ہاشم کبھی بھی ذلت و رسوائی کو قبول نہیں کر سکتا کیونکہ یہ لوگ آزاد ضمیر لوگوں میں مقبول اور صاحبان عقل و دانش ہیں،
یہ خاندان ذلت کو قطعاً برداشت نہیں کرسکتا اور ہر جابر و جبار کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گا،
اپنی اس حقیر بخشش کو اپنے پاس رکھ مجھے اس کی ضرورت نہیں کیونکہ تیری یہ عطا فقط عطا نہیں اس میں شر بھی ہے،
جناب عقیل یہ کہتے ہوئے ایک لاکھ دینار کی تھیلی پھینک دی اور دربار سے نکل آئے۔
معاویہ نے معذرت نامہ لکھا:

اے فرزند عبد المطلب خدا کی قسم آپ لوگ قصی بن کلاب کی اولادیں ہیں ،
عبد مناف کے نور نظر ہیں ، ہاشم کی منتخب ذریت ہیں آپ لوگوں کی فکر و دانش مسلم ، نظریات بلند ، احکام الٰہی کے پابند ، لوگوں کے دلوں میں آپ لوگوں کی محبت اور قبیلوں میں آپ لوگوں کا احترام باقی ہے ،

آپ کا گھرانہ نبوت و رسالت کی عزت و شرف کے ساتھ ساتھ عفو و درگذر کا عادی ہے
خدا کی قسم جو واقعہ پیش آیا اس کا افسوس ہے میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا ایسا پھر کبھی نہیں ہوگا ،

جناب عقیل نے جواب میں لکھا :

اگرچہ تو نے سب کچھ حق لکھا لیکن میں مائل نہیں ہوں کہ تجھے دیکھوں ، اور تو مجھے دیکھے ،

معاویہ نے دوسرے خط سے آپ کی مزید دلجوئی کرتے ہوئے عاجزانہ انداز سے معذرت کراتے ہوئے راضی کرنا چاہا لہٰذا جناب عقیلؑ دوبارہ کی عذر خواہی پر دربار میں پہونچے جس پر معاویہ نے کہا :

عقیل آپ ! مجھ سے بہت ناراض ہوئے ،

جناب عقیل نے کہا :

جب مد مقابل میں ذلت و رسوائی چھپی ہو ، تو کرامت و بزرگی میری خود عادت ہے ،

آپ نے مزید کہا :

او معاویہ ! اگر دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تیری حکومت ہو جائے اسکے باوجود ہم لوگ نہ تیری طرف مائل ہوں گے اور نہ خوف سے جھکنے والے ہیں ،

معاویہ نے کہا :

آپ نے دنیا کی ایسی تعریف کردی کہ دل اس کی طرف کھچنے لگا پھر کہا اے عقیل مجھے آپ کی طرف سے قطعاً کوئی بدگمانی نہیں ہے آپ نہایت مکرم و محترم ہیں ،

تھی وہ حقیقت جسکو میں نے پیش کیا اس واقعہ کو دیکھنے کے بعد آیا جناب عقیل کا دامن داغدار ہوتا ہے اور کیا وہ قابل سرزنش قرار پا سکتے ہیں ،؟

ایک اور تہمت جو سہل انگاری برتتے ہوئے مورخین نے جناب عقیل پر لگائی وہ یہ ہے کہ جناب عقیل جنگ صفین میں معاویہ کے طرفدار تھے درآنحالیکہ ایسا کوئی تاریخی ثبوت نہیں جس سے اس تہمت کو صحیح سمجھا جا سکے بلکہ میری تلاش کے مطابق قضیہ بالکل برعکس ہے ،

جس وقت جنگ صفین کے بعد ضحاکؔ شہر حیرہ اور اس کے نواح میں لوٹ مار مچائی ، جناب عقیل اس وقت مکہؔ مکرمہ میں تشریف فرما تھے ، ایک خط اسی جگہ سے جناب امیر المومنینؑ کے نام لکھا ہے جس سے اس اتہام کی پول کھل جاتی ہے ،

عقیل کا مکتوب

بندہ خدا امیر المومنینؑ کے نام ، آپ پر اللہ کی سلامتی ہو میں آپ کے حضور میں وحدہ لاشریک کی نعمتوں کا شکر گذار ہوں میں عمرہ کیلئے مکہ مکرمہ جارہا تھا مقام قُدَیدُ پر میری مڈبھیڑ عبداللہ بن ضحاکؔ سے ہوئی جو طلقاء[۱] مکہ مکرمہ کے چالیس جوانوں کے ہمراہ رواں دواں تھا میں نے اس کے آثار سے سمجھ لیا کہ ارادے اچھے نہیں ہیں لہٰذا کہا اے پیغمبر اسلامؐ کے دشمنوں کی اولاد وہ جو آنحضرتؐ کو ابتر کا طعنہ دیتی تھی کہاں جارہے ہو کیا معاویہ سے جا ملنے کا ارادہ ہے خدا کی دشمنی کی خاطر تم سے بعید نہیں ہے کیا نور خدا کو بجھانے اور دین اسلام میں رد و بدل کرنے کا قصد رکھتے ہو ،

میرے اور ان کے درمیان سخت لب و لہجہ میں گفتگو ہوئی لیکن جب مکہ مکرمہ پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ ضحاک نے حیرہ پر حملہ کر دیا اور جہاں تک ہو سکا وہاں

---

[۱] وہ لوگ جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور آنحضرتؐ نے ان پر احسان کیا ،

لوٹ مار کی اور صحیح وسالم وہاں سے واپس لوٹ گیا،
آپ پر ضحاک کی اس جسارت نے زندگی کو بے لطف کر دیا اگرچہ ضحاک کی حیثیت ایک اوباش سے زیادہ نہیں ہے جب مجھ کو اس کی خبر ملی تو میں یہ سمجھا کہ آپ کے دوستوں اور چاہنے والوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے، اے ماں جائے اگر موت " جہاد " کی خواہش ہے تو بھائیوں اور بھتیجوں کے ساتھ آپ تک پہونچوں، آپ کی زندگی تک آپ کے قدموں میں زندگی گذاروں جب آپ دنیا سے جائیں تو ہم بھی آپ کے ہمراہ راہی ملک عدم ہو جاؤں،
خدا کی قسم آپ کے بعد لحہ بھر کیلئے زندہ رہنا نہیں چاہتا آپؑ کے بعد زندگی بے مزہ ہے،

والسلام،
عقیل

جواب امامؑ

بندہ خدا امیرالمومنینؑ کا خط عقیل کے نام،
خدا کی قسم تم پر سلامتی ہو، وحدہ لاشریک کا شکر گذار ہوں، اما بعد! خدا اپنی عنایات خاصہ سے ہم دونوں کی حفاظت فرمائے وہ حمید و مجید ہے،
عبید الرحمٰن بن آزدی کے ذریعہ تمہارا خط ملا اس میں تم نے عبداللہ ابن ابی سرح کی اچانک ملاقات کا تذکرہ کیا جو فرزندان طلقاء کے چالیس جوانوں کے ہمراہ مغرب کی طرف روانہ تھا، وہ خدا، رسولؐ اور قرآن کا دیرینہ دشمن ہے ایک مدت سے گمراہی میں بسر کر رہا ہے، اسکو اور قریش دونوں کو گمراہی کی بھاگ دوڑ اور عناد و دشمنی کی کشمکش میں پڑا رہنے دو،
تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آج عرب تمہارے ماں جائے علیؑ سے جنگ کیلئے اسی طرح متحد ہیں جس طرح کل انہوں نے مرسل اعظمؐ کے حق کو نظرانداز کر کے صف آرائی کی تھی اور سارے قبیلے ہم خیال ہو کر ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے

تھے، بارالہا! قریش کو ان کے کئے کی سزا عنایت فرما: کیونکہ وہ ہمارے خلاف مل بیٹھے ہیں اور انہوں نے ہماری خاندانی قرابت کا پاس و لحاظ نہیں رکھا،

ہمیں ہمارے حق سے محروم کیا اور اس حکومت کو جو آنحضرتؐ نے ہمیں دی تھی اسے ہم سے چھین کر اسکو دے دیا جو ہم سے زیادہ آنحضرتؐ سے قریب نہ تھا اور نہ ہی اسلام میں اسکو ہم پر سبقت حاصل تھی اگر کوئی ہمارے مقابلہ میں اس طرح کے امتیازات کا دعوی کرے تو ہمیں اس کی قرابت و قربت کی اطلاع نہیں اور خدا کو بھی نہیں ہوگی، بہر حال خدا کی حمد و ثنا ہر حال میں ہے،

تم نے یہ جو تذکرہ کیا ہے کہ ضحاک نے اہل حیرۃ پر چڑھائی کی اور لوٹ کھسوٹ مچائی یاد رکھو وہ نہایت ذلیل شخص ہے اس کے بس کی بات نہیں کہ ان لوگوں پر غلبہ پاسکے یا اس علاقہ کے قریب جاسکے اس نے صرف سماوہ پر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حملہ کیا وہاں سے واقصہ، شراف، قطقطانہ، کے قریب ہوا تھا کہ میں نے مسلمانوں کا ایک بڑا لشکر اسکے تعاقب میں روانہ کیا جب اسے اس کی خبر ہوئی تو فرار کو قرار پر ترجیح دی غروب آفتاب کے وقت ہمارے لشکر نے انھیں پالیا جھڑپ ہوئی فوراً ہی ان لوگوں پر شکست کے آثار واضح ہوگئے تلواروں نے انھیں گھیر رکھا تھا، ابھی ان کے دس ہی ساتھی قتل ہوئے تھے کہ ان کے قدم اکھڑ گئے بھاگنا ہی چاہتے تھے کہ مسلمانوں نے اسیر کرلیا ہمارا لشکر ان کا صفایا ہی کر دیتا لیکن زخموں کی وجہ سے بچ گئے اور یہی زخم ان کی زندگی کا سبب بن گئے،

تم نے جہاد سے متعلق میرا نظریہ معلوم کیا ہے، سنو! جب تک زندہ ہوں انلوگوں سے جہاد پر جما ہوا ہوں جنہوں نے عہد شکنی کی ہے اس راہ میں نہ افراد کی کثرت میری عزت کے اضافہ کا سبب ہوگی اور نہ مددگاروں کی قلت میرے لئے حیرت و وحشت کا باعث، کیونکہ میں حق پر ہوں اور خدا حق والوں کیساتھ ہے،

خدا شاہد ہے اس کی راہ میں موت سے گریزاں نہیں ہوں، ساری خوبیاں مرنے کے بعد ظاہر ہوتی ہیں،

ہاں تم نے جو یہ تذکرہ کیا ہے کہ اگر اجازت فرمائیں تو اپنے بچوں اور بھائیوں کو آپ کی مدد کیلئے روانہ کر دوں تو اس کی ضرورت نہیں ہے جوار حرم الٰہی میں سعادت و رشد اوت کے ساتھ ٹھہرے رہو، خدا کی قسم مجھے قطعاً یہ گوارہ نہیں کہ ہماری موت کے ساتھ تم بھی مرجاؤ یہ کبھی خیال نہ کرنا کہ تمہارا ماں جایا لوگوں کی بے وفائی سے خائف و پریشان ہو جائیگا میری مثال ایسی ہی ہے جیسا بنی سلیم کا شاعر کہتا ہے،

فَإِنْ تَسْأَلِنِي كَيْفَ أَنْتَ فَإِنَّنِي صَبُورٌ عَلَى رَيْبِ الزَّمَانِ صَلِيبُ
يَعِزُّ عَلَيَّ أَنْ تُرَى بِي كَآبَةٌ فَيَشْمَتَ بَاغٍ أَوْ يُسَاءَ حَبِيبُ

اگر تم میری احوال پرسی کرتے ہو تو سنو میں نیرنگی زمانہ پر ثابت و صابر ہوں میں قطعاً گوارہ نہیں کرتا کہ میرے چہرے سے پریشانی نمایاں ہو کیونکہ اس سے دوستوں کو ملال ہوگا اور دشمنوں کو خوشی ہوگی،

جناب عقیل کے خط کو مختلف لوگوں نے نقل کیا ہے [۱] جس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ایک آن کیلئے بھی اپنے ماں جائے حضرت امیر المومنین عؑ کو نہیں چھوڑا اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت کی آخری عمر تھی جب ضحاک نے آپؑ کے حدود حکومت پر چڑھائی کی تھی یہ خط اسکے بعد کا ہے لہٰذا ان دونوں بہتان کی حقیقت واضح ہوگئی، لہٰذا نہ ہی جناب عقیل اس کی طرفدار بن کر صفین میں شریک ہوئے اور نہ ہی آپ کی حیات میں شام گئے،

---

[۱] اغانی ابوالفرج، ج ۱۵، ص ۴۴، ابی الحدید شرح نہج ج ۱ ص ۱۵۵، ابن قتیبہ الامامہ والسیاسہ ج ۱ ص ۴۵، سید علی خان الدرجات الرفیعہ شرح حال عقیل، جمہرۃ رسائل العرب ج ۱ ص ۵۹۶،

سلاخ گرم

ایک دن حضرت علیؑ سے جناب عقیل نے اپنے وثیقہ میں اضافہ کی خواہش کی جسکے جواب میں حضرت نے گرم سلاخ ان کی طرف بڑھائی تھی، حضرت کا یہ اقدام اس بات کی حکایت نہیں کرتا کہ جناب عقیل نے کوئی نافرمانی کی تھی بلکہ اس سے مربی ایمان امیرالمومنینؑ کا مقصد یہ تھا کہ عقیل جیسی عظیم ہستی کے نفس کو اوروں سے زیادہ بلندی و پاکیزگی سے آشنا کرائیں لہٰذا حضرتؑ نے انھیں اس کی طرف متوجہ کیا کہ جب دنیا کی آگ سے گرم کی ہوئی سلاخ سے انسان قریب نہیں ہونا چاہتا تو اس آگ کو کیوں کر برداشت کر سکتا ہے، جو قہر الٰہی سے گرم کی گئی ہو

کمال حقیقی کے خواہاں انسان کیلئے ضروری ہے کہ حرص و طمع کا قلع قمع کرتا رہے اور خدا کے قہر و غضب سے بچنے کیلئے خواہش نفسانی سے گریز کرتا رہے تاکہ خدا کی رضا و خوشنودی و مغفرت سے دور نہ ہونے پائے،

ایک عام انسان اگرچہ حرام سے اجتناب کر کے اپنے کو جہنم سے بچا لیتا ہے لیکن عقیلؑ جیسی اعلیٰ و ارفع ذات کیلئے فقط محرمات سے اجتناب کافی نہ تھا بلکہ ان کے لئے مکروہات و مباحات جیسے موارد سے بھی پرہیز ضروری تھا، تاکہ ان کی اس ریاضت نفس کی وجہ سے معاشرہ کی نادار و فقیر فردیں ان کی اقتدار بھی کر سکیں اور انھیں تسلی و تشفی بھی ہو سکے کہ جب عقیل جیسی پروردۂ خاندان عصمت و طہارتؑ ذات اس عسرت و تنگ دستی میں گذار سکتی ہے تو ہمیں اپنی غربت و ہلاکت پر اسقدر شکستہ دل اور کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیئے اسی موقع کیلئے کہا گیا ہے،

حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ۔ نیکوکاروں کی نیکیاں مقربین کیلئے گناہ ہیں

سلاخ گرم سے حضرت کا مقصد جناب عقیل کے اس جذبہ تہذیب نفس کو بیدار کرنا تھا جسے عقیل اس لمحہ فراموش کر چکے تھے،

جھوٹ

صفدی کا بیان ہے — عقیل کو عرب کے نسب کی شناخت تھی وہ ان کے اچھے برے خاندانوں کو پہچانتے تھے، اپنی حاضر جوابی کی بنا پر عربوں کو ان کی رکیک حرکتوں پر ٹوک دیتے تھے اسی وجہ سے لوگ انھیں اچھا نہیں سمجھتے تھے لہٰذا ان کے حق میں ناروا باتیں کہتے تھے بلکہ بعض افراد نے انھیں احمق تک کہا ہے۔

یہی وہ سبب تھا جس کی وجہ سے جناب عقیل کیلئے ایسی ایسی باتیں گھڑی گئیں جو ان کی عظمت و منزلت کے خلاف تھیں حتیٰ کہ ایک جعل حدیث امیرالمومنین ؑ کی طرف بھی منسوب کی گئی ہے تاکہ ان کی شخصیت مجروح ہو اور ان کی کرامت و بزرگی داغدار ہو جائے تاکہ اس طرح عقیل مومن تو درکنار مسلمان بھی نہ رہ سکیں،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی پہلی کوشش یہ تھی کہ حضرت امیرالمومنین ؑ کی شخصیت و منزلت کو گھٹائیں لیکن جب اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے تو مخالفوں نے آپ کے والد ماجد اور خاندان نبوت کی دوسری ذیشان اور ذیقدر شخصیتوں کو نشانہ بنایا لیکن انھیں اپنی سعی بے جا میں کامیابی نہ ہو سکی کیونکہ چاند پر خاک نہیں پڑتی،

صاحبان عقل و خرد پر اس جعلی و فرضی حدیث کی حقیقت برملا آشکار ہو گئی،

حدیث یہ ہے

ما زِلتُ مَظلُوماً مُنذُ کُنتُ صَغیراً. إنَّ عَقیلَ لَیَرمَدُ فَیَقُولُ: لا تَذرُونی حَتّیٰ تَذرُوا عَلیاً، فَأُضجَعُ وَأُذریٰ وَما بی رَمَدٌ.

امیرالمومنین ؑ نے فرمایا: میں بچپنے ہی سے ظلم و ستم کا نشانہ رہا، عقیل کو آشوب چشم ہوا تھا ان کی آنکھوں میں جب دوا ڈالی جانے لگی تو انھوں نے شرط لگائی کہ جب تک علی ؑ کی آنکھوں میں دوا نہیں ڈالی جائے گی میں نہیں

۱۔ نکہت الھمیان، ص ۲۰۰،

ڈلواؤں گا لہٰذا مری آنکھ میں زبردستی دوا ڈالی گئی، درانحالیکہ میری آنکھیں اچھی تھیں،

میں جب بھی اس حدیث کو پڑھتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ حضرت علیؑ کی طرف اس جعلی حدیث کی نسبت دینا کیسے صحیح ہے کیونکہ جناب امیرالمومنینؑ کی ولادت کے وقت جناب عقیل کی عمر بیس سال کی تھی،

کیا اس سن وسال میں کوئی عقلمند دوا کی ضرورت کے باوجود دوا کے استعمال سے پرہیز کریگا کیا عقل اس کو تسلیم کرتی ہے کہ بیس سالہ جوان اصرار کرے گا کہ جو دوا اس کو استعمال کرائی جارہی ہے وہی دوا ایک سالہ بچے کو استعمال کرائی جائے ؟

واضح رہے کہ ایسا اقدام ایک معمولی عقل والا انسان نہیں کرسکتا چہ جائیکہ جو ابوطالب کی آغوش دانش ومعرفت میں پروان چڑھا ہو اور ان کے چشمۂ فکر وشعور سے سیراب ہوا ہو اور جس نے اپنے ماںجائے علیؑ کی ولادت کے وقت معجزات دیکھے ہوں ——— کیا وہ ایسی ضد کرسکتا ہے ؟ ہرگز نہیں،

اس طرح کی جھوٹی حدیثیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ عناد ودشمنی ان لوگوں کا حصہ ہے جو تاریکی وگمراہی میں سرگرداں رہتے ہیں اور ضلالت حیرانی میں غوطہ لگاتے رہتے ہیں افتراء واتہام سے قبل سوچتے ہی نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں،

ارشاد باری ہے،

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللهِ أُولٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ، أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ.[۱۸]

شیطان نے ان لوگوں پر احاطہ کر کے خدا کی یاد سے غافل کردیا یہ شیطان کے گروہ ہیں بلاشبہ شیطان کا گروہ گھاٹا اٹھانے والوں میں ہے،، مجادلہ / ۱۹،

تحقیق

حضرت امیرالمومنینؑ کا یہ ارشاد مَا زِلْتُ مَظْلُوماً. میں ہمیشہ سے ظلم وستم کا نشانہ بنا رہا یہ ارشاد حضرت نے متعدد بار فرمایا لیکن اس کا یہ محل نہیں ہے جیسا کہ ان جھوٹوں نے بیان کیا ہے بلکہ حضرتؑ

کا مقصد اس فقرے سے اس حق کی طرف اشارہ کرنا ہے جس کو گوں نے غصب کرلیا تھا امت اسلامیہ کا فریضہ تھا کہ حضرت کے اس حق کی رعایت کرتی اور دوسروں تک اس حق کو پہنچنے نہ دیتی اس ناانصافی کا نتیجہ یہ ہوا کہ احکام خدا معطل ہوکر رہ گئے اور لوگوں نے ان نااہلوں سے احکام لئے جن کی معاشرہ میں نہ کوعزت واہمیت تھی اور نہ صاحب شریعت پیغمبرؐ نے ان کی امارت وخلافت کی تائید کی تھی اور نہ ہی ان میں ذاتی صلاحیت واستعداد تھی جو ایک رہبر وقائد میں ہونی چاہیئے اور نہ ان لوگوں نے اسلامی جنگوں میں کوئی کارنمایاں انجام دیئے تھے جس سے حضرت علیؑ پر فوقیت رکھتے،

چونکہ حضرتؑ کا یہ فقرہ ان لوگوں کے خلاف تھا جنہوں نے حضرت کے حق کو ضائع کیا تھا لہٰذا خلافت کے طرفداروں نے حضرت کے ارشاد کے رخ کو اس سید ذی قدر عقیل کی طرف موڑدیا لیکن ان غافلوں کو اس کی خبر نہ تھی یہ سہم اگیں تیر خود انھیں کی طرف پلٹ جائیگا گویا ع

خود آپ اپنی دام میں صیاد آگیا،

اخلاف

صالح اولادیں اپنے بزرگوں کے ذکر کو ہمیشہ کیلئے زندہ کردیتی ہیں ان کے ذریعہ مرنے والوں کو دوسری زندگی مل جایا کرتی ہے اور یہ اولادیں اپنے اسلاف کی تعریف وتوصیف ان کی ترحیم اور بخشش کے مواقع فراہم کیا کرتی رہتی ہیں، حدیث شریف میں بھی ہے کہ آدمی کے مرنے کے بعد اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے لیکن تین مورد ایسے ہیں جن سے مرنے کے بعد بھی دفتر عمل کھلا رہتا ہے اس میں سے ایک یہی اولاد صالح کی موجودگی ہے،

لیکن یہ بھی واضح ہے کہ بزرگوں کے فضائل ومحاسن اولاد کے کمالات کے اعتبار سے گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں اگر اولاد نے زیادہ کسب کمال کیا تو جیسے جیسے اس کی شہرت بڑھتی جائے گی اس کے ماں باپ کے فضائل وکمالات کا چرچا بھی عمومی ہوتا جائے گا اور اگر بزرگوں کے کمالات کا دائرہ پہلے سے وسیع ہے تو صالح اولاد کے ذریعہ ان کے فضائل کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے،

اس تمہید کی روشنی میں عقیل جیسی عظیم المرتبت ذات کے فضائل ومحامد میں کسی چوں چرا کی ضرورت نہیں چونکہ ان میں ذاتی ونسبی دونوں شرف موجود تھے آپ کے فرزند مسلم کوفہ میں

شہید ہوئے اور دوسری اولادیں کربلا میں امام حسین ؑ کے ہمراہ شہید ہوئیں،

صاحب کامل الزیارات لکھتے ہیں!

حضرت امام زین العابدین ؑ کی نگاہ کرم اولاد عقیل پر بہت زیادہ تھی لوگوں نے حضرت سے عرض کیا اولاد جعفر سے زیادہ آپ کی توجہ اولاد عقیل پر کیوں ہے؟ تو حضرت ؑ نے جواب دیا:

اولاد عقیل باباجان کے ہمراہ کربلا میں تھی لہٰذا میری دلجوی ان سے زیادہ ہے،

اگر بہ فرض محال تسلیم بھی کرلیا جائے کہ جناب عقیل میں خود کوئی شرافت و بزرگی نہیں تھی توکم ازکم اپنی سرفروش اولادوں ہی کی وجہ سے عظمت و منزلت پر فائز ہو گئے، کیا اچھا شاعر نے کہا:

وَكَمْ أَبٍ قَدْ عَلَا بِابْنٍ ذُرىٰ شَرَفٍ كَمَا عَلَا بِرَسُولِ اللهِ عَدْنَانُ

بسا اوقات ذی شرف اولاد کیوجہ سے والدین بھی باعظمت ہو جاتے ہیں، جس طرح رسول اللہ صؐ کے جد اعلیٰ عدنان تھے،

جناب عقیل اولاد کی شرافت و کرامت سے قطع نظر روئے زمین پر اپنی ذاتی کرامت و شرافت میں فرد فرید تھے ہاں آپ ساری دنیا میں اپنی جلیل القدر اولادوں کی وجہ سے زندۂ جاوید ہوگئے جس میں جلیل القدر علماء، یکتائے روزگار فقہا، متدین شعراء، نابغہ دہر محدثین، صالح امراء اور دانشمند نسّاب گذرے ہیں جس کا سلسلہ مصر نصیبین، یمن، حلب، بیروت، مدینہ، کوفہ، حلّہ، طبرستان خراسان، جرجان، کرمان، قم اور اصفہان تک میں پھیلا ہوا ہے،

چنانچہ جناب قاسم، جناب عقیل کے پرپوتے ہیں آپ کے والد کا نام محمد تھا، صف اول کے علماء میں تھے، علم و تقویٰ میں بھی نمایاں شہرت رکھتے تھے،

سلسلہ روایت میں آپ کو موثق و محترم مانا جاتا ہے، اسی طرح اپ کے ایک حقیقی بھائی جنکا نام بھی عقیل تھا ان کو بھی احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے،

جناب عقیل کے پوتے جناب عبداللہ کے فرزندان کا نام بھی عقیل تھا اپنے وقت کے مشہور و معروف نساب اور سوانح شناس تھے، انھیں کے نواسے جعفر بن عبداللہ اصفہانی تھے جو شبل بن تکوین متوفی ۳۴۴ھ کے استاد اور نسب شناسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے،

حاکم مدینہ محمد بن مسلم جنہیں ابن مزینہ کہا جاتا تھا جناب عقیل کی پانچویں پشت میں تھے جنہیں ابن ابی ساج نے قتل کیا تھا، انھیں محمد کے ایک فرزند ابوالقاسم احمد تھے جنکا ادبی دنیا میں شہرہ تھا جنہوں نے ۳۳۲ھ میں وفات پائی،

عباس بن عیسیٰ اوقصی بھی حضرت عقیل کی اولاد میں ہیں جنہوں نے حسن بن زید کے حکم سے جرجان میں منصب قضا سنبھالا تھا،

جناب عقیل کے پوتوں میں جناب سید اسماعیل بن احمد نوری طبرسی ہیں جنہوں نے صاحب جواہر کی کتاب نجاۃ العباد کی شرح کی ہے جناب سید اسماعیل کی ایک دوسری گرانقدر تالیف کفایۃ الموحدین ہے،

کچھ دنوں قبل تک کربلائے معلی میں عقیلین کے نام سے ایک مشہور و محترم قبیلہ پایا جاتا تھا لیکن اس کتاب کی تالیف کے وقت صرف ایک فرد باقی رہ گئی ہے،

جعفر طیارؑ

جناب جعفر طیار کی عظمت و منزلت کیلئے حضرت ختمی مرتبتؐ کا یہ ارشاد کافی ہے،

تم صورت و سیرت میں ہمارے جیسے ہو،

آنحضرتؐ کیلئے قرآن کا ارشاد ہے وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ. آپ خلق عظیم پر فائز ہیں،

چونکہ آنحضرتؐ نے مشابہت کو کسی خاص چیز سے مخصوص نہیں فرمایا ہے لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ جناب جعفر ہر چیز میں پیغمبر اسلامؐ کے مشابہ تھے جس طرح آنحضرتؐ ہر قسم کی آلودگی سے پاک و پاکیزہ تھے اسی طرح جناب جعفر بھی مبرّا تھے، خلق عظیم پر فائز ہونا اور کفر و شرکت کی آلودگی سے پاک و پاکیزہ ہونا آنحضرتؐ کی سب سے بڑی خصوصیت وصفت تھی، لہٰذا کم از کم جناب جعفر میں "ان" دو صفت کا پایا جانا تو بہر حال ضروری تھا حضرت نے یہ بات اسوقت فرمائی جب جناب حمزہ کی صاحبزادی کی کفالت و پرورش کے لئے بیک وقت حضرت علیؑ جناب جعفر اور زید بن حارثہ متمنی تھے،

۱؎ قلم،۴/،

داستان

واقعہ یوں ہے ۷ھ میں جب کفّار سے کیئے گئے معاہدہ کی مدت تمام ہوئی اور آنحضرتؐ مکہ سے نکلنے لگے تو دختر جناب حمزہ نے خواہش کی کہ اسے بھی اپنے ہمراہ لیتے چلیں امیرالمومنینؑ نے بچّی کو ہمراہ لیا اور مدینہ میں جناب فاطمہ زہراؑ کے حوالہ کیا مدینہ میں جعفر و زید اور حضرت علیؑ میں ہر شخص اس کا آرزو مند تھا کہ دختر جناب حمزہ کی پرورش کرے فیصلہ آنحضرتؐ کو کرنا تھا لہٰذا جناب زید سے کہا:

أنتَ أخُوها وَمَوْلانا. تم اسکے بھائی اور ہمارے دوست ہو،

اور حضرت علیؑ سے فرمایا:

أنتَ مِنّی وَأنَا مِنكَ. آپ مجھ سے ہیں اور میں آپ سے ہوں،

اس کے بعد اس بچی کو اس کی خالہ جناب اسماء بنت عمیس کے حوالہ فرما دیا[1]

ایسا کیوں

حضرتؐ کا یہ ارشاد حدیث کی کتابوں میں موجود ہے سوال یہ ہے کہ حضرت نے ہر شخص کو علیحدہ علیحدہ جواب کیوں دیئے، درانحالیکہ جعفرؑ و امیرالمومنین دونوں نے دل وجان سے دعوت رسالت پر لبیک کہی تھی اور تبلیغ اسلام کی راہ میں دونوں نے بھرپور جذبہ فداکاری کا مظاہرہ کیا تھا اور یہ بھی اپنی جگہ طے ہے کہ آنحضرتؐ فصاحت وبلاغت کے مرد میدان تھے اور خواہش نفسانی سے کلام بھی نہیں کرتے تھے، لہٰذا ان ساری باتوں کے بعد صرف یہی ایک وجہ سامنے آتی ہے کہ آنحضرتؐ کو یہ ظاہر کرنا تھا کہ ـ علیؑ ـ خصائص رسالت کے علمبردار و مرتبہ نبوت کے حامل ہیں، علیؑ ـ شہر علم کا در اور فقہ و دانش کے متلاطم دریا کا ساحل ہیں، علیؑ اس بار رسالتؐ کے اٹھانے والے ہیں جس سے عامۃ البشر عاجز ہیں،

---

[1] صحیح بخاری ج ۳، ص ۵۰، بحث قضاء عمرہ، مستدرک حاکم ج ۳، ص ۲۲۰، سیرۃ حلبی ج ۳ ص ۲۶۱،

یہ وہ منزلت ہے جو حضرت کے ارشاد أنتَ مِنّی وَأنَا مِنکَ. سے سامنے آتی ہے،
چونکہ رسالت کا کلام وحی الٰہی کے پرتو میں ہوتا ہے لہٰذا الگ الگ جواب سے حضرتؐ کا مقصد یہ اظہار کرنا تھا کہ اپنے دینی خدمات کے باوجود جعفر اس مرتبہ و منزلت پر فائز نہیں جس پر حضرت علیؑ فائز تھے،

دوسری طرف حضرتؐ کو ایک فقہی مسئلہ سے لوگوں کو آشنا کرانا تھا کہ جب ماں دوسری شادی کرے تو بچے کی کفالت و پرورش کی ذمہ داری ماں سے ساقط ہوجاتی ہے اور پھوپھی و خالہ کی موجودگی میں خالہ کو پھوپھی پر سبقت ہوتی ہے، چونکہ جس وقت یہ واقعہ رونما ہوا جناب صفیہ موجود تھیں،
اس داستان سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ جب لوح محفوظ سے حضرت علیؑ کا رشتۂ علمی استوار ہے تو کیونکر انھوں نے کفالت کی آرزو کی نیز کیونکی،

حضرت امیر المومنینؑ کا اس ادعا کے ذریعہ ارشاد گہربار رسالت کو آشکار کرانا تھا چونکہ ہادی و رہبر کی حیثیت سے آپ کا فریضہ تھا کہ مختلف راہوں، طریقوں اور تدبیروں سے حق کو واضح اور اور ہدایت کی ڈگر کو آشکار فرماتے رہیں،

جناب جعفر سایہ کی طرح ہمیشہ مرسل اعظمؐ کیساتھ رہے آپ کے شب و روز کو آنکھوں سے دیکھا اور آپ کی تعلیمات و ارشادات و مواعظ و حکم سے استفادہ کیا اور جب جناب خدیجہؑ و امیر المومنینؑ صحن کعبہ میں آنحضرتؐ کی اقتداء میں نماز پڑھتے تو جناب جعفر بھی انھیں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتے،

جن دنوں قریش کی مخالفت عروج پر تھی، جناب جعفر نے اس بحرانی دور میں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اسلامی پیغامات کی دل کھول کر ترویج و تبلیغ کی،

جناب پیغمبر اسلامؐ سے انہوں نے جو پاکیزگی نفس و طہارت حاصل کی اس کی بدولت راہ اسلام میں اسقدر راسخ ہو چکے تھے کہ انھیں کفر و شرک کی تیز و تند آندھیاں اپنی طرف نہ جھکا سکیں جناب جعفر کی یہی پختگی ایمان تھی جس کی وجہ سے آنحضرتؐ نے ۵ھ میں انھیں حکم توحید کی نشر و اشاعت کے لئے کمزور و مستضعف مسلمانوں کا قائد بنا کر حبشہ کی طرف روانہ کیا،
تاریخ شاہد ہے کہ جناب جعفرؑ نے حبشہ میں بنحو اکمل و احسن اسلام کا تعارف کرایا جسکے نتیجہ میں

وہاں کے بادشاہ نجاشی نے اسلام کو قبول کیا لیکن قضا نے مہلت نہیں دی کہ یہ منصف و عادل حکمران اپنے قلمرو حکومت میں اپنی خواہش کے مطابق اسلام کے فروغ کیلئے کچھ کرسکے،

جناب جعفر کی یہی خوبیاں تھیں جس کی وجہ حضرات ائمہ طاہرینؑ نے بہت سے موقعوں پر جب اپنی خاندانی شرافت وکرامت کا تذکرہ کیا تو جناب حمزہ کے ساتھ ساتھ جناب جعفر کے کارناموں کو بھی مقام فخر میں پیش کیا خود حضرت علیؑ نے اپنے مخالفین سے احتجاج کرتے ہوئے فرمایا:

...أنَّ قَوْماً قُطِّعَتْ أيْدِيهِمْ فِى سَبِيلِ اللهِ - وَلِكُلٍّ فَضْلٌ - حتّىٰ إذا فُعِلَ بِواحِدِنا ما فُعِلَ بِواحِدِهِمْ، قيلَ لَهُ: الطَّيّارُ فِى الْجَنَّةِ وَذُوالْجَناحَيْنِ.[۲۵]

اصحاب رسولؐ میں بہت سے لوگوں نے راہ خدا میں اپنے ہاتھ قطع کرائے انمیں سے ہر ایک کا مرتبہ ہے لیکن جس وقت ہمارے خاندان کی کوئی فرد اس صفت سے متصف ہوئی تو اسکو طیّار کا لقب ملا،[۱]

اگر جناب جعفر کی اسلامی فداکاری بصیرت ویقین کامل کی بنیاد پر نہ ہوتی تو دلوں کے اسرار سے واقف ائمہ طاہرین علیہم السلام کبھی ان پر فخر نہ کرتے اور نہ ہی ان کی زندگی کو اپنے حق کے اظہار و اثبات کے مواقعوں پر بطور مثال پیش کرتے،

جناب جعفر کی ذاتی لیاقت و ہوشمندی اور انکے درخشاں ماضی کی وجہ سے آنحضرتؐ نے انھیں جنگ موتہ میں مسلمانوں کا امیر مقرر فرمایا تھا،

حضرت کے الفاظ تھے،

اگر جعفر شہید ہو جائیں تو زید بن حارثہ سربراہ لشکر ہوں گے ان کی شہادت کے بعد عبداللہ بن رواحہ،

بعض مورخین نے عبداللہ و زید کو جناب جعفر پر مقدم کیا ہے لیکن معتبر قول یہی ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب جعفر کو ان دونوں پر مقدم فرمایا تھا،

---

[۱] نہج البلاغہ خط نمبر ۲۸،

مدینہ آمد

فتح خیبر کا دن تھا جب جناب جعفر حبشہ سے وطن پہونچے آنحضرتؐ نے آپکی آمد کے وقت فرمایا: ما أدري بأيهما أسرُّ: بقدوم جعفرٍ أم بفتح خيبر؟ خیبر کی فتح پر زیادہ خوشی مناؤں یا حبشہ سے جعفر کی واپسی پر،

حضرت کا یہ ارشاد بھی جناب جعفر کی عظمت و جلالت کے اظہار کا ترجمان ہے حضرتؐ نے جناب جعفر سے فرمایا:

کیا آج مجھ سے کوئی تحفہ لینا چاہتے ہو؟

جعفر نے فرمایا:

ضرور،

حاضرین کا یہ گمان تھا کہ خیبر کی غنیمت میں سے سونا چاندی وغیرہ حضرت ان کو پیش فرمائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ آنحضرتؐ نے جعفر کو تحفہ میں نماز تعلیم فرمائی، جو آج بھی بنام نماز جعفر طیارؑ مشہور ہے،

حضرت کا یہ ارشاد شیعہ وسنی دونوں کے یہاں تواتر سے پایا جاتا ہے اور جناب مجلسیؒ نے بحار میں اس تواتر کی تصدیق بھی فرمائی ہے،

چونکہ جناب ختمی مرتبتؐ جعفر طیار کے تقدس و پاکیزگی باطن سے باخبر تھے لہٰذا نماز جیسی چیز کو تحفہ پر پیش فرمایا تاکہ جعفر طیار جیسا بندہ خالص عروج بشریت تک پہنچ سکے،

لیکن کچھ خاندان اہلبیتؑ کے مخالفین کو یہ گوارہ نہ تھا کہ علیؑ کے بھائی جعفر تک آنحضرتؐ کا یہ تحفہ پہنچے لہٰذا انھوں نے حدیث کا مخاطب عباس بن عبد المطلب یعنی پیغمبر اسلامؐ کے چچا کو قرار دیا،

جن لوگوں نے یہ مذموم قدم اٹھایا ہے ان میں سید جعفر کتانی ہے جس نے اپنی کتاب شفاء السقام میں اس حقیقت پر پردہ ڈالنا چاہا ہے، اور روایت کو عباس بن عبد المطلب کے غلام عکرمہ سے نقل کیا ہے جب کہ اس غلام

کی دروغ گوئی اہل تحقیق پر واضح ہے ،

ذہبی کی میزان الاعتدال ، یاقوت حموی کی معجم البلدان ، ابن خلکان کی وفیات الاعیان » نے اس غلام کے جھوٹے ہونے کو ثابت کیا ہے ،

باب ۳

علمبردارؑ کے بھائیؑ

حضرت ابوالفضل العباسؑ کی سیرت کی تدوین کرتے وقت ضرورت ہے کہ آپ کے بھائیوں کے قدرے حالات بھی لکھتا چلوں کیونکہ ان بھائیوں میں حضرات حسنین علیہم السلام کی ذات والاصفات بھی ہے جس نے حیات حضرت ابوالفضلؑ پر نمایاں اثر ڈالا ہے ،

حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کیلئے حضرت ختمی مرتبتؐ کا ارشاد ہے :

حسنؑ و حسینؑ صلح و جنگ دونوں صورت میں امام ہیں ،

حضرت امیرالمومنینؑ اپنے بے شمار ذاتی فضائل کے باوجود حضرات حسنینؑ کے وجود کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے تھے لہٰذا شوریٰ کے دن اپنے مخالفین سے فرمایا :

أنشِدُكُمْ بِاللهِ هَلْ فيكُمْ أحَدٌ لَهُ مِثْلُ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ ابْنَيْ رَسُولِ اللهِ وَسَيِّدَيْ شَبابِ أهْلِ الْجَنَّةِ غَيْرِي؟ قالُوا: لا [۲]

تمہیں خدا کا واسطہ کیا مرے علاوہ کوئی اور ہے جسکے بیٹے حسنؑ و حسینؑ فرزند رسولؐ کہلاتے ہوں جنھیں رسولؐ نے سردار جوانان جنت بنایا ہو ، ؟

حاضرین نے کہا نہیں !

جب معاویہ نے فخر کرتے ہوئے لکھا !

میں فضیلتوں کا مالک ہوں میرا باپ زمانہ جاہلیت میں معزز تھا میں زمانہ اسلام میں صاحب سطوت و شوکت بادشاہ ہوں ،

میں رسولؐ کی زوجہ کا بھائی، مومنین کا ماموں اور کاتب وحی ہوں ،

حضرت امیرالمومنینؑ نے معاویہ کے جواب میں سات شعر روانہ فرمائے جیس اپنی ، دامادی

لفظ سید الشہداء سے حمزہ کے ملقب ہونے، جعفر کی ملائکہ کے ساتھ پرواز، اور حضرات حسنینؑ کے فرزند رسولؐ ہونے کا تذکرہ کیا،

جناب ابوالفضل العباسؑ کی حیات طیبہ پر حضرات حسنینؑ کے عصمتی کردار کا بہت زیادہ اثر پڑا یہی معصوم کردار تھے جس سے حضرت ابوالفضلؑ درس معارف تحصیل فرما رہے تھے،

حضرت امیر المومنینؑ کی نسل پانچ فرزندوں سے چلی،

امام حسنؑ امام حسینؑ، محمد حنفیہ، عمر اطرف اور حضرت ابا الفضلؑ، ان میں سے کچھ کی اولادیں واقعہ کربلا میں کام آئیں،

حضرت امیر المومنینؑ کے کل سولہ بیٹے تھے ان میں سے کچھ حضرت ابوالفضلؑ کے حقیقی بھائی تھے اور کچھ پدری،

① ـــــــــ حضرت فاطمہ زہراؐ سے، امام حسنؑ امام حسینؑ،

② ـــــــــ جناب خولہ سے، جناب محمد حنفیہ،

③ ـــــــــ جناب ام البنین سے عبداللہ، جعفر، عثمان، اور عباسؑ،

④ ـــــــــ جناب صہباء سے، عمر اطرف، عباس اصغر،

⑤ ـــــــــ جناب امامہ سے، محمد اصغر،

⑥ ـــــــــ جناب اسماء بنت عمیس سے، یحیی اور عون،

⑦ ـــــــــ جناب لیلی سے، عبداللہ و ابوبکر،

⑧ ـــــــــ ام ولد سے محمد اوسط ـــــــــ پیدا ہوئے،،

حضرت ابوالفضل العباسؑ کے دو بھائی حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے فضائل و مناقب اگر بیان کرنا چاہوں تو زبان عاجز اور قلم ناتواں ہے ان دونوں امام معصوم کو خداوند عالم کی بارگاہ میں جو مقام و منزلت و مقام حاصل تھا اور آپؑ حضرات کا علم الہٰی سے جو واسطہ تھا اسکے ادراک سے عقل بشر قاصر ہے، لہٰذا حضرات حسنینؑ کے ذکر کے بجائے آپ کے برادر شہید جناب محسن سے گفتگو کا آغاز کرتا ہوں،

جناب محسن ابھی آغوش زہراؐ کی زینت قرار نہیں پائے تھے کہ حکومت وقت

کے ظلم سے شہید ہوئے، سید ابن طاؤس اور دوسری کتابوں میں اس ظلم کی تفصیلی داستان موجود ہے

محمد حنفیہ

جیسا کہ اشارہ کر چکا ہوں آپ کی والدہ کا اسم گرامی خولہ تھا آپ کے نانا جعفر بن قیس تھے اور نانی عمرو بن ارقم حنفی کی لڑکی تھیں آپ کی والدہ گرامی حرم امیر المومنین ع تک کیسے پہونچی اس میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے،

عمرو بن معدیکرب کی رہبری میں بنی زبید نے قبیلہ بنی حنیفہ پر حملہ کیا تھا اور جناب خولہ کو اسیر کیا تھا آنحضرت ص نے ان مرتدوں کی سرکوبی کیلئے حضرت امیر المومنین ع کو یمن روانہ فرمایا حضرت امیر جناب خولہ کو بنی زبید کے چنگل سے چھڑا کر مدینہ لائے،

دوسرا قول یہ ہے،

زمانہ ابوبکر میں خالد بن ولید نے جناب خولہ کے قبیلہ پر حملہ کیا جناب خولہ انھیں قیدیوں میں تھیں، ابوبکر نے حضرت امیر المومنین ع کو دیا تھا،

تیسرا قول یہ ہے،

زمانہ ابوبکر میں بنی اسد قبیلہ حنفیہ پر حملہ کیا تھا اسیروں میں خولہ تھیں جن کو حضرت علی ع کے ہاتھ فروخت کیا جس وقت قبیلہ حنفیہ کو اس کی خبر ملی امیر المومنین ع کے پاس آیا اور جناب خولہ کے والد کی معرفی کی حضرت امیر ع نے آپ کو آزاد کر دیا اور پھر تزویج فرمائی[1]

چوتھا قول یہ ہے،

ابوبکر کے دور خلافت میں اسیر ہوئیں اسامہ بن زید نے خریدا اور حضرت علی ع کے ہاتھ فروخت کر دیا،

اسماء کی روایت ہے کہ حضرت علی ع نے یمن کی واپسی پر بازار "ذی المجاز" سے خریدا تھا اور فاطمہ زہرا ص کے حوالہ فرمایا آپ نے مکمل غفاری کے ہاتھ فروخت کر دیا جس سے عونہ پیدا ہوئے

---

[1] ابی الحدید ج ا ص ۸۱،

مکمل غفاری سے حضرت علیؑ نے خریدا تھا،

ابن حبیب نساب کے حوالہ سے ابن خلکان نے لکھا ہے کہ خولہ بنی حنیف کی سیاہ رنگ سندھی کنیز تھیں، لیکن مرحوم ابن ادریس نے سرائر میں ابن حبیب کے بیان کو جہالت و لا علمی اور حقیقت کے خلاف قرار دیا ہے،

قطب الدین راوندی کا بیان ہے کہ ابوبکر کے زمانہ میں اسیر ہوئیں، طلحہ و زبیر نے اپنے لباس خولہ پر ڈالے تاکہ اپنی کنیزی میں لائیں لیکن خولہ نے با آواز بلند کہا!

میرا مالک وہ ہو سکتا ہے جو میری والدہ کے خواب کو بیان کرے اور خواب میں جس تختی کو والدہ نے پڑھا تھا اس کے مضمون کو بتائے،

اس بیان کے بعد سب ہی رک گئے لیکن حضرت امیر المومنینؑ آگے بڑھے اور اس خواب کو بیان کیا سارے مسلمان حیرت زدہ رہ گئے، امیر المومنینؑ سے جناب خولہ نے کہا:

میں آپؑ کی محبت میں اسیر ہوئی ہوں اور آپ کو پانے کیلئے اس قدر مصائب و بلا کو برداشت کئے ہیں [1]

جناب سید مرتضیٰ نے اپنی کتاب شافی میں ان تمام اقوال و خیالات کو مسترد کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ حنفیہ درحقیقت اسیر نہیں ہوئی تھیں اور نہ امیر المومنینؑ تک کنیز کی حیثیت سے پہونچی ہیں کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ خود بخود آزاد ہو گئیں تھیں حضرتؑ نے ایک آزاد عورت کی حیثیت سے ان سے عقد کیا،

جناب سید مرتضیٰ کی فرمائش اس لئے صحیح ہے کہ اگر کوئی خلیفہ وقت پر چڑھائی کرے یا زکوات ادا نہ کرے تو اس سے کافر نہیں ہوتا، لہٰذا ایسے افراد غلام و کنیز کا حکم نہیں رکھتے،

ولادت

جناب محمد حنفیہ کی ولادت کے سلسلہ میں بھی مختلف اقوال ہیں،

---

[1] الخراج والجرائح،

(١) ——— ابوبکر کے زمانہ خلافت میں ہوئی،

(٢) ——— عمر کے زمانہ خلافت میں ہوئی،

(٣) ——— ابن خلکان! کا خیال ہے حکومت عمر کے خاتمہ کو ایک سال باقی تھے جب محرم کی پہلی کو آپ کی ولادت ہوئی عمر کی وفات ۲۳ھ میں ہوئی ہے

(۴) ——— ابن کثیر اور ابن جوزی کا خیال ہے ۱۶ھ میں ولادت ہوئی ہے اور ۸۱ھ میں انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر ۶۵ سال تھی [۱]

آرامگاہ

○ جناب محمد دفن کہاں ہیں اس میں بھی اختلاف ہے،

○ ابن قتیبہ ——— طائف میں دفن ہوئے۔

○ ابن جوزی ——— ایلہ، جو شام کے اطراف میں ہے وہاں ہیں،

○ حلیۃ الاولیاء ——— مدفن مدینہ منورہ ہے،

○ ابن کثیر ——— بقیع میں ہے،

○ یاقوت حموی ——— جزیرہ خارک "خلیج فارس" میں ہے، حموی کہتا ہے میں نے اس قبر کی زیارت کی ہے لیکن تاریخی اعتبار سے یہ صحیح نہیں ہے،

○ کیسانیہ فرقے کا نظریہ ہے کہ زندہ ہیں اور کوہ رضوی میں روپوش ہیں، عدل وانصاف کی بحالی کیلئے ظہور کریں گے، لیکن یہ آخری نظریہ بالکل غلط ہے تاریخ ان کی موت کی شہادت دیتی ہے [۲]،

---

[۱] البدایہ والنہایہ، تذکرۃ الخواص،

[۲] معارف ص ۹۵، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵۵، معجم البلدان ج ۳ ص ۳۸۷،

ایک گفتگو

اس جگہ حضرت امام حسن ع اور جناب محمد کے درمیان گفتگو نقل کررہا ہوں جس سے ان کی عظمت و منزلت پر روشنی پڑتی ہے،

حضرت امام حسن ع نے اپنے غلام قنبر سے جناب محمد کو بلوایا جب وہ حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا:

آپ جیسے کیلئے سزاوار نہیں کہ اس کلام سے بے خبر رہیں جس کلام سے مردے زندہ ہوجائیں اور زندے مردہ،

کسب کمال کیجئے اور دوسروں کیلئے تاریکی میں روشنی کی طرح ضوبار رہیئے

سنئے!

خدائے ذوالجلال و جبروت نے ذریت حضرت ابراہیم ع کو لوگوں کا امام قرار دیا ہے اور ایک گروہ کو دوسرے پر تری بخشی، خدا ہی نے داؤد کو زبور دی اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر شئے کا علم عطا کیا،

اے بھائی محمد،

میں جانتا ہوں کہ آپ حسد سے مبرّا ہیں کیونکہ کافروں کی صفت ہے خدا کا ارشاد ہے کُفّاراً حَسَداً مِنْ عِنْدِ أنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ ما تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ. مسلمانوں اہل کتاب میں سے اکثر اپنے دل حسد کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں در آنحالیکہ ان پر حق ظاہر ہوچکا ہے، شیطان کے تسلط سے خدا نے آپ کو دور رکھا ہے،

میں نے بابا جان سے آپ کے متعلق جو سنا ہے اسے سنا رہا ہوں، بابا نے فرمایا جو چاہتا ہے کہ دنیا و آخرت میں مرے ساتھ نیکی کرے وہ محمد سے حسن سلوک کرے حضرت ع کا یہ ارشاد بصرہ کی واپسی پر تھا،

محمد! اگر آپ چاہتے ہوں تو آپ کی پیدائش سے قبل کی آپ کو خبر دوں

سنئے ! میری شہادت کے بعد میرے بھائی حسینؑ وارث پیغمبرؐ اور خدا کے فیصلے کے مطابق زمین پر لوگوں کے امام ہونگے،

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہملوگ بہترین مخلوق ہیں اللہ نے محمد عربیؐ کو منتخب فرمایا ان کے بعد باباجان علیؑ کو، باباجان نے مجھ کو اور میرے بعد حسینؑ لوگوں کے امام قرار پائیں گے،

محمد نے کہا :

آپ میرے امام اور خدا و رسولؐ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں، خدا شاہد ہے یہی تمنّا تھی کہ آپ کے بیان سننے سے پہلے روح پرواز کر چکی ہوتی آپ کی عظمت و بزرگی کا وہ نقش مرے قلب پر جما ہے جس کو نہ کسی پیمانے سے ناپا جا سکتا ہے اور نہ تیز و تند ہوا اس کو متزلزل کر سکتی ہے،

آپ کے فضائل و مناقب مری پیدائش سے قبل سنہری حرفوں سے لکھے جا چکے ہیں میں آپ کے فضائل کا اعتراف بھی اسی طرح سے کرتا ہوں جس طرح کلام خدا اور کلام رسولؐ کا معتقد ہوں،

آپ کے فضائل و مناقب اس قدر پھیلے ہوئے ہیں کہ زبان و قلم اس کے احاطے سے عاجز ہیں، اللہ محسنین کو اسی طرح جزا دیتا ہے لا قوۃ الاّ باللہ،

میں معتقد ہوں، حسینؑ علم و حلم میں سب سے اعلیٰ و ارفع ہیں اور رسولؐ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مقرب ہیں وہ عالم امکان میں آنے سے قبل ہی امام تھے اور بچپنے ہی میں لوح محفوظ کا مطالعہ کر چکے تھے،

اگر ہم لوگوں سے کوئی بہتر ہوتا تو خدا محمد مصطفےٰؐ کو ہم میں سے منتخب نہ فرماتا آنحضرتؐ نے باباعلیؑ کو امام بنایا اور انہوں نے آپ کو اور آپ کے بعد حسینؑ خلق کے امام ہوں گے،

میں آپ کے انتخاب پر راضی اور آپ ہی سے مشکلات کا شکوہ ہے،

حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کی یہ گفتگو اس کا واضح اشارہ ہے کہ جناب محمد بن حنفیہ نگاہ

معصوم میں نمایاں منزلت رکھتے تھے اور ایمان وتقویٰ سے آراستہ تھے ،

کیا جناب محمد کی بلندی کردار کیلئے یہ کافی نہیں کہ امام وقت امام حسن مجتبیٰؑ فرمائیں کہ شیطان آپ پر مسلط نہیں ہے ، آپ حسد سے خالی ہیں حسد ایک مذموم صفت ہے کوئی بھی مدارج کمال کو طے کر ہی نہیں سکتا ہے جب تک حسد اور اس کے جزئیات سے مبرّا نہ ہو ، کیا محمد بن حنفیہ کی عظمت کیلئے حضرت امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد کافی نہیں !

جو شخص دنیا و آخرت میں میرے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہتا ہے میرے بیٹے محمد کے ساتھ حسن سلوک کرے ،

جناب محمد بن حنفیہ کی جلالت و شرف کا اظہار امام حسنؑ کی گفتگو کے اس فقرے سے بھی ہوتا ہے

کیا آپ نہیں جانتے مرے بعد حسینؑ امام وقت ہیں ؟

امام حسنؑ کی اس گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ جناب محمد کے نزدیک امام حسینؑ کی امامت صرف امام حسنؑ کے انتساب کی وجہ سے نہ تھی بلکہ وہ خود خاندان وحی ہونے کی حیثیت سے اسے مشیت الٰہی کا فیصلہ اور لوح محفوظ کا نوشتہ سمجھتے تھے ، اس کی دلیل جناب محمد کے اس جواب میں چھپی ہوئی تھی کہ آپ حضرات کی وہ عظمت و منزلت میرے دل میں ہے جسے دنیا کی کوئی چیز متزلزل نہیں کر سکتی ہے ،

حضرت امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد بھی مزید ان کی وقعت کو اجاگر کرتا ہے ،

تَأبَى الْمَحامِدَةُ أنْ يُعْصَى اللهُ، وَهُمْ مُحَمَّدُ بْنُ حَنَفِيَّةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ الطَّيّارِ وَمُحَمَّدُ بْنُ أبى حُذَيْفَةَ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ رَبيعَةَ، وَهُوَ ابْنُ خالِ مُعاوِيَةَ بْنِ أبى سُفْيانَ.

یہ چند افراد جس کے نام محمد ہیں انکے ضمیر انھیں گناہ کی اجازت نہیں دیتے ان سے مراد محمد بن حنفیہ ، محمد بن جعفر اور محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ ہیں ،

نور کی طرف

مرحوم کشی لکھتے ہیں محمد بن حذیفہ معاویہ کے خالہ زاد بھائی ہونے کے باوجود امیر المومنین ع کے سچے وخالص شیعوں میں تھے حضرت کی شہادت کے بعد معاویہ نے اپنا طرفدار بنانا چاہا لیکن جناب محمد بن حذیفہ نے قبول نہیں کیا اس جرم میں معاویہ نے آپ کو ایک مدت تک قید رکھا، اس طولانی قید سے معاویہ کا خیال یہ تھا کہ محمد بن حذیفہ دوستی حضرت امیر المومنین ع سے دست بردار ہو کر اس کے اور عثمان کے طرفدار ہوں گے،

لیکن محمد بن حذیفہ نے برملا معاویہ سے کہا کہ خون عثمان میں فقط اور فقط تو ملوث ہے کیونکہ اس نے تجھے اس منصب تک پہونچایا اور مسلمانوں کی ناپسندیدگی کے باوجود معزول نہیں کیا جسکے نتیجے میں جان سے ہاتھ دھونا پڑا،

عثمان کی غلطی کی گواہی عائشہ اور طلحہ وزبیر نے بھی دی تھی میں پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں تو اسلام سے ذرہ برابر متاثر نہیں ہوا ابھی تک زمانہ جاہلیت کی بود و باش پر باقی ہے اسکا ثبوت یہی ہے کہ محب علی ع ہونے کی وجہ سے میری ملامت و مذمت کرتا ہے حالانکہ مہاجر وانصار پر مشتمل علی ع کا لشکر دنوں میں روزے رکھتا ہے اور شب عبادتوں میں بسر کرتا ہے،

اس کے برخلاف تیرا لشکر ان لوگوں پر مشتمل ہے جنکے دل نفاق سے بھرے ہوئے ہیں یہ ان لوگوں کی اولادیں ہیں جنہوں نے مسلسل پیغمبر اسلام ص سے جنگیں لڑیں،

اے معاویہ! خدا کی قسم تجھے اپنی کارستانیوں کی خبر ہے اور تیرے طرفداروں کو اپنے کرتوتوں کی، ان لوگوں نے تیری اطاعت میں خدا کے غضب کو مول لیا ہے،

جب تک زندہ ہوں خدا و رسول ص کی خوشنودی کے لئے علی ع سے محبت کرتا رہونگا اور خدا و رسول ص کی رضا کی خاطر تجھ سے بیزار رہوں گا،

محمد بن حذیفہ کے بیان کو سننے کے بعد معاویہ نے دوبارہ قید خانہ میں بھیج دیا جہاں سے آپ کی روح آرام گاہ ابدی کی طرف پرواز کرگئی [۱]

---

[۱] رجال کشی ۷۰،

بہر حال جناب محمد بن حنفیہ سے متعلق حضرت امیر المومنین ؑ کا یہ فرمانا کہ: محمد کے نفس کی عزت وحمیت گناہ کی اجازت نہیں دیتی " ان کے شرف کے اظہار کیلئے کافی ہے،

حضرت کے اس بیان نے ان کے اعتقاد راسخ اور ایمان کامل کی سند فراہم کردی اور اسی ارشاد سے اس جھوٹے پروپگنڈے کی حیثیت بھی واضح ہوگئی جس میں یہ کہا گیا تھا کہ انہوں نے حضرت امام حسین ؑ کے بعد اپنی امامت کا دعوی کیا تھا،

کسی نے بھی نہیں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت امام زین العابدین ؑ کی امامت کو قبول نہیں کیا بلکہ امام زین العابدین ؑ سے حجر اسود کے پاس عرض کیا کہ آپ اپنی امامت کو عوام کیلئے اثبات فرمائیں،

جناب محمد حنفیہ کے لئے ایک سوال یہ سامنے آتا ہے کہ انہوں نے واقعہ کربلا میں شرکت کیوں نہیں کی؟

علامہ حلیؒ نے تو تحریر فرمایا ہے کہ بیماری کی وجہ سے ہمراہ نہیں جاسکے اور محمد بن ابی طالب نے اپنے مقتل میں لکھا ہے کہ حضرت امام حسین ؑ نے انھیں مدینہ منورہ میں روکے رکھا تا کہ حضرت ؑ کی عدم موجودگی میں وہاں کے حالات پر نظارت کرتے رہیں، لہذا ان دونوں توجیہ کے بعد جناب محمد بن حنفیہ کا واقعہ کربلا میں شریک نہ ہونا قابل گرفت نہیں،

بہادری

جناب محمد بن حنفیہ کی شجاعت وبہادری کیلئے صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی ؑ نے آپ کو اپنے " دستِ بازو " سے تعبیر کیا ہے،

جمل میں جناب محمد نے اپنے والد ماجد حضرت امیر المومنین ؑ کے سامنے دشمنوں کے پرے تتر بتر کر دیے تھے اور جس وقت دشمن حضرات حسنین ؑ پر حملے کی تاک میں تھا جناب محمد نے ان کے منہ موڑ دیئے تھے،

اسی موقع پر حضرت علی ؑ نے فرمایا تھا حسنین ؑ میری آنکھیں ہیں اور تم محمد میرے دست وبازو

ممکن نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنی آنکھوں کی حفاظت نہ کروں؟

جناب محمد کی شجاعت و دلیری کا ایک نمونہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب وہ جنگ صفین کے دن دونوں فوجوں کے درمیان کھڑے ہوئے لشکر معاویہ سے کہہ رہے تھے،

اوا گونگے شامیوں، اے دوزخیوں، اے منافقین کی اولادو! اے جہنم کے ایندھنوں ۱؎

جناب محمد بن حنفیہ کے اس لب ولہجہ کے خطاب نے معاویہ کی ٹڈی دل فوج کے اوسان خطا کر دیئے، دوست و دشمن دونوں ان کی برتری کے قائل ہو گئے

عمر اطرف

علمائے نسب کے درمیان اختلاف ہے کہ حضرت عباس علمدار بڑے ہیں یا عمر اطرف ابن شہاب عکبری، ابوالحسن اشنانی، اور ابن جراع عمر اطراف کو بڑا مانتے ہیں، لیکن شیخ شرف عبیدلی، خطیب بغدادی اور ابن غنائم عمری نے حضرت عباسؑ کو بڑا لکھا ہے تاریخ وفات بھی اس قدر مجمل ہے کہ اس سے بھی سال ولادت کی تعین نہیں ہو سکتی ہے، ارباب تاریخ لکھتے ہیں!

زمانہ عبدالملک یا اسکے بیٹے ولیدمیں عمر اطرف نے پچھتر یا اٹھتر سال کی عمر میں وفات پائی،

مورخین نے جب حضرت امیرالمومنینؑ کے بیٹوں کا تذکرہ کیا ہے تو حضرت عباس اور اپکے بھائیوں کو عمر اطرف سے پہلے لکھا ہے اس انداز مورخین سے ذرا سہارا ملتا ہے کہ حضرت عباسؑ عمر اطرف سے بڑے تھے، اس کی تائید ابن داودی کے قول سے ہوتی ہے،

عمر اطرف حضرت علیؑ کے آخری فرزند تھے ۲؎

۱؎ سبط ابن جوزی، ص ۱۶۷، مناقب خوارزمی ص ۱۴۴، ۲؎ عمدۃ الطالب ص ۳۵۰،

اطرف کیوں ؟

عمر اطرف ہی کے زمانہ میں حضرت امام زین العابدین ؑ کے فرزند عمر اشرف بھی تھے جو جناب زید شہید کے حقیقی بھائی تھے، عمر اشرف کی شرافت کرامت حضرت امیر المومنین ؑ اور فاطمہ زہرا ؑ دونوں کی طرف سے تھی لہٰذا انھیں اشرف کہا جانے لگا اور عمر اطرف کو یک طرفہ امیر المومنین ؑ سے انتساب تھا لہٰذا انھیں عمر اطرف سے یاد کیا جانے لگا،

عمر اطرف واقعہ کربلا میں شریک نہ ہوئے لہٰذا جن لوگوں نے شہداء کربلا میں ان کا ذکر کیا ہے اشتباہ ہے،

دینوری نے جناب مختار اور مصعب بن زبیر کے درمیان ہونے والی جنگ میں عمر اطرف کو مصعب کا طرفدار بتایا اور اسی جنگ میں ان کے مارے جانے کو ثابت کیا ہے [۱]

یافعی نے طرفدار جناب مختار میں شمار کرتے ہوئے ان کے مقتولین میں قرار دیا ہے لیکن سارے نظریات بے بنیاد ہیں [۲]

حقیقت یہ ہے کہ یہ شہادت امام حسین ؑ کے بعد بھی زندہ رہے اور حضرت امیر المومنین ؑ کے اوقاف کی تولیت کیلئے حضرت امام زین العابدین ؑ سے اختلاف کیا اور حضرت کی شکایت عبد الملک سے کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا،

اس کے قبل بھی حسن مثنیٰ سے اسی مسئلہ میں اختلاف کیا تھا اور عبد الملک ہی سے شکایت کی تھی جو اس وقت بھی رد کر دی گئی تھی [۳]

سید ابن طاؤس لکھتے ہیں کہ عمر اطرف نے امام حسین ؑ کو یزید کی بیعت کر لینے کا مشورہ دیا تھا لیکن حضرت ؑ نے جواب میں فرمایا :

بابا جان نے نانا جان کی حدیث مجھ سے نقل فرمائی ہے کہ میں اور بابا جان دونوں شہید کئے جائیں گے اور ایک ہی عراق میں ہم دونوں کی لحد ہوگی ،

---

[۱] اخبار الطوال ، ص ۲۹۷،   [۲] مراۃ الجنان ج ۱ ص ۱۴۳،

[۳] بحار الانوار ذکر اولاد امیر المومنین ؑ، عمدۃ الطالب ذکر حسن مثنیٰ ،

تم سمجھتے ہو کہ جسکو تم جانتے ہو اس کو میں نہیں جانتا، خدا کی قسم اپنے کو
ذلت و رسوائی کے حوالے نہیں کر سکتا ہوں،

بہر حال عمر اطرف نے کربلا کے واقعہ میں شرکت نہیں کی، کیوں نہیں کی اس کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے، اور جب تک حضرات ائمہ طاہرین ؑ کی مخالفت کا ٹھوس ثبوت نہ ہو اس وقت تک کسی کو مخالف بھی نہیں کہا جا سکتا ہے لہٰذا ایسے افراد کیلئے سکوت ہی بہتر ہے چونکہ امام جعفر صادق ؑ کا ارشاد بھی ہے لاَیَخْرُجُ أحدُنا مِنَ الدُّنیا حَتّیٰ یُقِرَّ لِکُلِّ ذی فَضلٍ فَضلَهُ وَلَوْ بِفُواقِ ناقةٍ.

ہمارے گھرانے کی فرد اس وقت تک دنیا سے نہیں جاتیں جب تک
اپنے وقت کے امام کی امامت کا اقرار نہ کریں خواہ آخر وقت ہی کیوں نہ ہو،

حضرت امام جعفر صادق ؑ کا یہ ارشاد اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امام زادوں نے اگر اپنے زمانے کے امام کی مخالفت کی بھی ہے تو توبہ کے بعد دنیا سے جائیں گے،

بلاشبہ آیات و روایات کی روشنی میں توبہ گناہوں کا کفارہ ہے لہٰذا غیر یقینی حدیثوں کی بنیاد پر خاندان رسالت کی بعض فردوں کی توہین کرنا شیوۂ اہلبیت ؑ کے خلاف ہے،

عبید اللہ بن نہشلیہ

حضرت ابوالفضل ؑ کے بھائیوں میں سے ہیں جو کربلا میں شریک نہیں ہوئے جب جناب مختار کو حکومت ملی تو یہ ان کے یہاں پہونچے لیکن جناب مختار نے ان کو کچھ نہ دیا جس پر یہ آپ کے دشمن مصعب سے جا ملے، بصرہ کے قریب مقام مذار کے پاس اپنے ہی خیمہ میں سر قلم کئے ہوئے ملے قاتل کا پتہ نہ چل سکا [1]

---

[1] زید شہید، ص ۸۸،

ابوبکر

حضرت ابوالفضلؑ کے بھائی ہیں، آپ کی والدہ کا نام لیلیٰ ہے جو مسعود نہشلیہؓ کی لڑکی ہیں

ابن جریر کا خیال ہے ابوبکر کربلا میں شہید ہوئے ،

ابن اثیر کا نظریہ ہے کہ کربلا میں شہید نہیں ہوئے ،

محدث قمی کہتے ہیں کہ ابوبکر نہر کربلا میں قتل کئے ہوئے پائے گئے ،

شاید قاتل ابوبکر کی شناخت نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت جناب مسلم کے فرزند عبداللہ نے شہادت پائی تو آل ابو طالب نے یکبار دشمن پر حملہ کردیا ابوبکر اسی حملہ میں شہید ہوئے جس کی وجہ سے قاتل کی شناخت نہ ہوسکی ،

امام حسینؑ نے جب حملہ کرتے ہوئے دیکھا تو دادِ شجاعت دیتے ہوئے فرمایا :

صبر و ثبات کے ساتھ لڑتے رہو آج کے بعد ذلت و خواری کا خاتمہ ہے ،

اس حملہ میں عون و محمد ، فرزندان جعفر طیار عبدالرحمٰن وجعفر فرزندان عقیل اور محمد فرزند جناب مسلم شریک تھے ،

محمد اوسط

کربلا میں اپنے بھائی ابوالفضلؑ کے ہمراہ تھے قبیلہ بنی ابان بن دارم کے ایک شخص نے شہید کرکے سر کو جسم سے جدا کردیا [۱]

حقیقی بھائی

عبداللہ جعفر اور عثمان حضرت ابوالفضلؑ کے حقیقی بھائی تھے ،

۱؎ ابن اثیر ج ۴ ص ۱۳۱

جعفر کی ولادت سنہ ۳۲ھ میں ہوئی ،

عبداللہ کی ولادت سنہ ۳۶ھ میں اور ،

عثمان کی ولادت سنہ ۴۰ھ میں ،

عمدار حسینی کے یہ تینوں بھائی کارزار کربلا میں شہید ہوئے ، جناب عبداللہ و جعفر کو ہانی بن ثبیت حضرمی نے شہید کیا اور عثمان کی طرف خولی بن یزید اصبحی نے تیر چلایا جس سے آپ کی شہادت ہوئی ، شہادت کے بعد ابان بن دارم کے ایک شقی نے سر کو قلم کر دیا ،

عباس اصغر

عمر اطرف کے حقیقی بھائی تھے ، ارباب تاریخ میں اختلاف ہے کہ سن میں یہ علمدار حسینی سے بڑے تھے یا چھوٹے ؟ تحقیقی طور سے تو یہی ثابت ہے کہ حضرت ابوالفضل العباس بڑے تھے ،

نساب سید محمد کاظم یمانی لکھتے ہیں ! عباس اصغر عمر اطرف کے حقیقی بھائی ہیں اس بیان سے عباس اصغر سن میں علمدار حسینی سے چھوٹے ہیں چونکہ عمر اطرف حضرت ابوالفضل سے چھوٹے تھے ،

ناسخ التواریخ نے عباس اصغر کا تذکرہ عباس علمدار کے بعد کیا ہے ،

عمری نے المجدی میں

ابن شہر اشوب نے مناقب میں

شبلنجی نے نور الابصار میں ، اور محب طبری نے ذخائر العقبیٰ میں عباس علمدار کو عباس اکبر کے ساتھ لکھا ہے ، عموماً نسب شناسوں کے درمیان اس طرح کی تعبیر اس وقت کی جاتی ہے جب اس نام کا کوئی چھوٹا بھی ہوتا ہے ،

بظاہر عباس اصغر امیر المومنین کی حیات طیبہ میں انتقال کر چکے تھے چونکہ وارثوں کے تذکرۃ میں ان کا نام نہیں آتا ہے ،

باب ۴

خواہران ابوالفضل

علیہ السلام

مورخین نے حضرت ابوالفضلؑ کی اٹھارہ بہنوں کا تذکرہ[1] کیا ہے ان میں سے زینب صغریٰ جمانہ، امامہ، ام سلمہ، اور رملۂ صغریٰ حیات امیرالمومنینؑ میں انتقال کر چکی تھیں[2]

خواہران حضرت ابوالفضل میں بعض وہ ہیں جنکے لئے مورخین کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ ان کی شادیاں کہاں ہوئی تھیں یا ہوئی بھی تھی یا نہیں؟

جنکی شادیاں ہوئی تھیں ان میں،

زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا ہیں، آپ کے شوہر کا اسم گرامی عبداللہ بن جعفر طیار ہے اور آپ کے بیٹوں کا نام جعفر اکبر، عباس، علی زینبی اور عون اکبر ہے۔

کربلا میں آل ابو طالبؑ نے یکبارگی جو حملہ کیا تھا عون اکبر اس میں شریک رہے اور شہید ہوئے،

دوسری بہن جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا ہیں جن کا عقد امام حسینؑ نے قاسم بن محمد بن جعفرؑ سے کرایا تھا اور مہر میں چند پانی کے چشمے قرار دیئے تھے،

تیسری بہن جناب رقیہ ہیں جن کی شادی سفیر حسینی مسلم بن عقیل سے ہوئی تھی آپ سے عبداللہ، علی، اور محمد پیدا ہوئے،

عمدۃ الطالب نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ام کلثوم دختر امیرالمومنینؑ کا عقد جناب مسلم سے ہوا تھا جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حمیدہ تھا، جن کی شادی خاندان کے جلیل القدر فقیہ عبداللہ بن محمد بن عقیل سے ہوئی جن سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام محمد تھا، جناب عقیل کی نسل

---

[1] طبری ج ۶ ص ۸۹، [2] مناقب سروی ج ۲ ص ۷۶،

انھیں محمد سے آگے بڑھی،
عمدۃ الطالب نے یہ صراحت نہیں کی کہ رقیہ وام کلثوم میں پہلے کس سے عقد ہوا چونکہ شرعًا بہ یک وقت دو بہنیں ایک شخص کے عقد میں نہیں آسکتی ہیں،
چوتھی بہن فاطمہ تھیں جنکے شوہر کا نام سعید بن عقیل ہے آپ سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں جنکا نام حمیدہ و خدیجہ ہے،
خدیجہ کی شادی عبدالرحمن بن عقیل سے ہوئی جس سے سعید پیدا ہوئے،
ام ہانی حضرت ابالفضلؑ کی پانچویں بہن ہیں جن کی شادی عبداللہ اکبر بن عقیل سے ہوئی تھی جن سے دو بیٹے پیدا ہوئے بنام عبدالرحمن و محمد،
ام الحسن کی شادی جعدہ بن ہبیرہ مخزومی سے ہوئی،
امامہ کی شادی صلت بن عبداللہ سے ہوئی جو جناب عبدالمطلب کے پرپوتے تھے جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام نفیسہ تھا[1]
جناب ابوالفضل العباسؑ کی بہنوں میں چاہتا ہوں کہ جناب زینب کبریٰؑ کے حالات پر قدرے روشنی ڈالتا چلوں چونکہ آپ اپنی بہنوں میں سب سے زیادہ پر جلالت و صاحب سطوت وشوکت خاتون ہیں،
جناب زینبؑ صدف رسالت کا گوہر نایاب اور مخزن امامت کا در بے بہا ہیں،
آپ عصمت کبریٰ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی آغوش اور سید الاوصیاء حضرت امیرالمومنینؑ کے سایہ پدری میں پروان چڑھیں،
کیا خوب کہا شاعر نے :

قَدْ أَنْجَبَتْ أُمُّ الْأَئِمَّةِ زَيْنَبَا　　بِجَلَالِ أَحْمَدَ فِي مَهَابَةِ حَيْدَرِ

ام الائمہ فاطمہ زہراؑ کی آغوش میں وہ زینب پروان چڑھیں جس میں احمد مرسلؐ کا جلال اور حیدر کرار کی ہیبت تھی،

---

[1] اعلام الوریٰ،

جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے جس آغوش میں پرورش و تربیت پائی یہ وہی آغوش عصمت و طہارت ہے جس میں سردار جوانان جنت حضرات امام حسنؑ و حسینؑ پروان چڑھے،

آپ نے اسی چشمۂ حیات سے غذا پائی تھی جس سے حضرت حسنین علیہم السلام سیراب ہوئے تھے اور آپ کی کفالت و تربیت بھی اسی امام المتقین حضرت علیؑ کے ہاتھوں ہوئی جس نے امام حسنؑ و حسینؑ کو پالا تھا،

ان فضیلتوں سے قطع نظر جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کو خداوند منان نے اس علم و دانش سے سرفراز فرمایا تھا جس تک غیر از خاصان خدا رسائی ممکن نہیں اس کی طرح " امام زین العابدینؑ کے اس ارشاد میں اشارہ ہے ،أنتِ بِحَمْدِ اللهِ عالِمَةٌ غَيْرُ مُعَلَّمَةٍ، فَهِمَةٌ غَيْرُ مُفَهَّمَةٍ.

بحمد اللہ آپ عالمۂ غیر معلمہ ہیں اور ایسی دانا ہیں جس کو کسی نے پڑھایا نہیں[۱]

ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کی حشمت و عظمت کے لئے یہی کافی تھا کہ انھیں خالق حکیم نے علم لدنی و دانش وہبی سے سرفراز فرمایا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت کی عظیم دولت و نعمت سے بھی بہرہ مند تھیں،

مرحوم اردو بادی نے کیا خوب قصیدہ کہا ہے،

وَعَنِ الْوَصِيِّ بَلاغَةٌ خُصَّتْ بِها   أعْيَتْ بِرَوْنَقِهَا الْبَلِيغَ الأَخْطَبا

مَا اسْتَرْسَلَتْ إلاّ وَتَحْسِبُ أنَّها   تَسْتَلُّ مِنْ غُرَرِ الْخِطابَةِ مِقْضَبا

أوْ أنَّها الْيَزَنِيُّ فی يَدِ باسِلٍ   أخْلابُهُ ظَهْراً وَأوْهیٰ مِنْكَبا

أوْ أنَّها تَقْتادُ مِنْها فَيْلَقاً   وَتَسُوقُ مِنْ زُمَرِ الْحَقايِقِ مَوْكِبا

أوْ أنَّ فی غابِ الإمامَةِ لَبْوَةً   لِزَئيرِها عَنَتِ الْوُجُوهُ تَهَيُّبا

أوْ أنَّها الْبَحْرُ الْخِضَمُّ تَلاطَمَتْ   أمْواجُهُ عِلْماً حِجیً بَأساً إبا

أوْ أنَّ مِن غَضَبِ الإلٰهِ صَواعِقاً   لَمْ تُلْفِ عَنْها آلُ حَرْبٍ مَهْرَبا

أوْ أنَّ حَيْدَرَةً عَلیٰ صَهَواتِها   يُفْنی كَرادِيسَ الضَّلالِ ثَبائِبا

أوْ أنَّهُ ضَمَّتْهُ ذِرْوَةُ مِنْبَرٍ   فَأنارَ نَهْجاً لِلشَّرِيعَةِ الْحَبا

أوْ أنَّ فِی اللاّوٰی عَقِيلَةُ هاشِمٍ   قَدْ فَرَّقَتْ شَمْلَ الْعَمیٰ أيْدی سَبا

---

۱ ۔ احتجاج طبرسی ص ۱۱۶، الطراز المذہب، الکبریت الاحمر ج ۲ ص ۱۷،

فصاحت وبلاغت آپ کو ورثے میں اپنے والد ماجد سے ملی تھی اور اس خصوصیت میں آپ ہر فصیح وبلیغ سے آگے بڑھ گئیں،

آپ جب محو کلام ہوتیں تو تبرش کلام سے ایسا لگتا جیسے تلوار نیام سے باہر آئی ہو یا یزنی نیزہ کسی دلیر کے ہاتھوں میں ہو جس کی نوک سے لوگ زخمی ہو ہو کر زمین پر گر رہے ہیں،

گویا کلمات والفاظ کا ایک لشکر ہے جس پر آپ کی حکومت ہے جس کے ذریعہ حقائق ومعانی سامنے آ رہے ہیں،

زینب کبریٰ بیشۂ امامت کی وہ شیر دل خاتون ہیں جس وقت لب کشا ہوتی ہیں تو آپ کی ہیبت وجلالت سے گردنیں جھک جاتی ہیں،

گویا وہ علم ودانش کا متلاطم دریا ہیں اور جسوقت یہ دریا موجزن ہوتا ہے تو اس سے کرامت وشجاعت وعلم وآگہی کی کوہ پیکر موجیں بلند ہوئی ہیں،

یا زینب کبریٰؑ وہ صاعقہ قہر بار رب العزت ہیں جس سے آل ابوسفیان کو راہ فرار نہیں،

یا وہ مثل حیدر کرار رہوار تیز گام پر سوار ہو کر اپنی کاری ضربوں سے سپاہ ضلالت کی بھیڑ کو تتر بتر کر رہی ہیں،

یا زینب کبریٰؑ کی حیثیت عرشہ منبر پر بیٹھ کر شریعت کی روشن راہوں کو آشکار کرنے والے ماہر وقادر خطیب کی ہے،

یا ثانیٔ زہرا کی مثال اس بہادر کی سی ہے جس نے میدان کارزار میں سپاہ کفر وضلالت کو منتشر کر دیا جس طرح یارانِ سبا منتشر ہوئے تھے،

جب تک نفس میں اطمینان روح میں پاکیزگی اور ملکہ فاضلہ نہ ہو یہ فصاحت وبلاغت حاصل ہو ہی نہیں سکتی ہے،

اگر کوئی فصاحت ثانی زہرا کو " ادب " سے تعبیر کرے تو کر سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ فصاحت زینبؑ اس سے بالاتر ہے،

کوفہ کے بھرے دربار میں جب دشمن گرداگرد کھڑے تھے اس میں آپ نے ایسا بلیغ خطبہ دیا جو ایک طرف ادب و بلاغت سے بھرا ہوا تھا تو دوسری طرف صاعقہ شربار بنکر دشمن کو خاکستر کیئے دے رہا تھا،

زینب کبریٰ کی یہی حکمت عملی اور تقریریں تھیں جس نے مقصد حسینی کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا،

شیردل زینب تھیں جنہوں نے یزیدی سیاہ کاریوں کو تشت ازبام کیا اور انھیں برملا رسوا و ذلیل کیا،

ثانی زہرا کے خطبوں کی جھنکار تھی جس نے یزیدی تخت کی چولیں ہلاکر رکھ دیں طنطنے کو خاک میں ملا دیا اور ابدی لعنت کا طوق ان کے گلے میں ڈال دیا،

سبط رسول اکرم امام حسینؑ یہی کرنا چاہتے تھے جسے زینب کبریٰ نے انجام دیا شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وَتَشاطَرَتْ هِيَ وَالْحُسَيْنُ بِدَعْوَةٍ ... حَتَمَ الْقَضاءُ عَلَيْهِما أن يَنْدُبا

هٰذا بِمُشْتَبَكِ النُّصُولِ وَهٰذِهِ ... فِي حَيْثُ مُعْتَرَكِ الْمَكارِهِ فِي السَّبا

حضرت زینبؑ و امام حسینؑ بقائے اسلام میں برابر کے شریک ہیں مشیت کا یہ حتمی فیصلہ تھا کہ یہ دونوں اٹھ کھڑے ہوں،

اگر امام حسینؑ نے تلواروں اور نیزوں کے ہجوم میں حق کی حمایت کی تو زینبؑ نے دشمنوں کے نرغے اور اسیری کے تنگ حلقوں میں رہ کر اسلام کو رہائی بخشی

ثانیٔ زہرا زینب کبریٰؑ کے اسی نفس مطمئنہ پر اعتماد و اعتبار کرتے ہوئے امام حسینؑ نے آپ کو اپنے سفر شہادت میں ساتھ رکھا، چونکہ امام حسینؑ کو اس کا علم تھا کہ زینب میں اسرار امامت کے اٹھانے اور بر وقت اس کے اظہار و اعلان کی صلاحیت ہے،

شہادت امام حسینؑ کے بعد زینب کبریٰ نے نہ صرف اسرار امامت کی حفاظت کی بلکہ خود امام وقت کی حافظ و نگہبان رہیں،

اگرچہ درحقیقت احکام الٰہیہ کا مصدر و مرکز حضرت امام زین العابدین تھے لیکن ظاہر بظاہر

کوفہ وشام میں اسیری کے درمیان شیعوں نے جناب زینب کبریٰ ؑ سے مسائل واحکام دریافت کیئے ،

روایت کہتی ہے ،

ابتدائے غیبت صغریٰ میں احمد بن ابراہیم جناب حکیمہ خاتون دختر حضرت امام محمد تقی ؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے ،

پس پردہ سے احکام وعقائد سے متعلق سوال کیئے ان معظمہ نے ائمہ طاہرین ؑ کے یکے بعد دیگرے نام بتائے اور پھر فرمایا :

اس سلسلہ کی آخری فرد حجت بن حسن ہیں جس پر میں نے پوچھا کیا آپ نے ان کی زیارت کی ہے اور ان سے متعلق کچھ اطلاع ہے ؟

ان خاتون نے جواب دیا یہ ساری خبریں مجھے والد ماجدہ امام حسن عسکری ؑ سے پہنچی ہیں ، میں نے سوال کیا کہ امام عصر ؑ کہاں ہیں ؟

معظمہ نے فرمایا :

غائب ہیں ،

پھر شیعہ کس کی طرف رجوع کریں ؟

میں نے سوال کیا ،

فرمایا :

امام عصر ؑ کی جدہ ماجدہ یعنی والدہ مکرمہ امام حسن عسکری ؑ کی طرف ،

کیا ایک عورت کی اقتداء کی آپ سفارش فرماتی ہیں ؟

معظمہ نے فرمایا :

یہ امام حسین ؑ کی روش ہے جو آپ ؑ نے جناب زینب ؑ کو تعلیم فرمائی تھی کارزار کربلا میں احکام شریعہ ظاہر بظاہر جناب زینب ؑ کی زبان سے جاری ہو رہے تھے اگرچہ اس کا مرکز اصل حضرت امام زین العابدین ؑ تھے ، ایسا اسلئے ہوا تاکہ حضرت سجاد دشمن سے محفوظ رہ سکیں ۔" کمال الدین ، ص ۲۷۵ ، غیبت شیخ طوسی ، ص ۱۴۸ ۔"

یقین محکم و بصیرت ملکوتی والٰہی تھی جس نے جناب زینب کبریٰؑ کے پایہ ثبات کو متزلزل ہونے نہیں دیا شام غریباں سے مدینہ واپسی تک دل ہلا دینے والے مصائب وآلام کا شہزادی کو سامنا کرنا پڑا لیکن کہیں بھی ثانی زہرا کے قدم میں لغزش وزبان میں ارتعاش پیدا نہیں ہوا،

بالخصوص عاشورا کے دن جب خدا و رسولؐ کے پیارے خاک کربلا پر پڑے ہوئے تھے اوران شہیدوں میں تن صد پارہ امام حسینؑ بھی تھا، جس کی مظلومیت پر پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے آسمان سرخ تھا اور زمین کا دل ہچکولے لے رہا تھا،

عصر عاشور کے بعد جب ریگ زار کربلا خون شہداء سے لالہ زار بن گیا، زینبؑ کبریٰ تھیں جو بقیہ عترت مصطفےؐ کی مربی و محافظ تھیں،

عجیب پر ہول ماحول تھا جب قیادت کاروان کربلا زینبؑ تک منتقل ہوئی مردوں میں بیمار کربلا تھے عورتوں میں بیوائیں اور کوکھ جلی مائیں تھیں جن سے آہوں کے طوفان اور اشک حسرت کے سیلاب امنڈ رہے تھے، انھیں کے درمیان وہ نیم جان یتیم بھی تھے جنھیں شدت پیاس و خوف دشمن نے لب گور کر دیا تھا،

عصر عاشورہ زینبؑ کربلا میں اپنے سامنے ان بدمست فوج یزید کو دیکھ رہی تھیں جو اپنی فتح وظفر پر خوشیاں منا رہے تھے، ہر طرح کے خوف و خطرے سے اپنے کو محفوظ تصور کرتے ہوئے عترت مصطفےؐ کے اثاثے لوٹ رہے تھے،

دوسری طرف درد وکرب خوف وہراس ، ، لاوارثی وبے چارگی سے عترت خدا کے دم گھٹے جارہے تھے،

ان دلدوز حالات میں بغیر کسی اضطراب، خستگی ، آہ ونالہ اور وحشت وخوف کے زینب کبریٰؑ ہراساں وپریشان قافلہ کے قلب کی ڈھارس تھیں لحہ بھر کیلئے اہل حرم کی پاسداری و پاسبانی میں کوتاہی نہیں ہوئی،،

اضطراب ہوتا تو کیوں ہوتا، زینبؑ آج وارث علیؑ وجانشین حسین تھیں زینبؑ آج انقلاب کربلا کی محافظ اور سید الشہداء کے عالی مقصد کو صحیح سمت کی طرف مہمیز کرنے والی تھیں،

دختر زہراؑ کی عظمت وجلالت کا ایک موقع اسوقت سامنے آتا ہے جب امام سجادؑ

نے لاشۂ صد پارۂ سید الشہداءؑ کو دیکھا تو شدت الم سے عنقریب تھا کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے ، آج حضرت سجادؑ کو غش نہیں آرہا ہے کوہ صبر و تحمل کو حرکت ہے آج امام زین العابدینؑ کی نبض نہیں ڈوب رہی ہے بلکہ کائنات کا دل ڈوب رہا تھا ، ایسے میں زینبؑ کربلا آگے بڑھیں اور امامؑ وقت کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے فرمایا ،

اے یادگار پنجتن ! تمہارا کیا حال ہے عنقریب ہے تمہاری روح پرواز کر جائے صبر کرو خدا نے نانا جان ، بابا جان اور ماں جائے حسن سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ایک گروہ کو پیدا کرے گا جوان لاشۂ بے گور و کفن کی تدفین کرے گا جو دنیا کے جابروں کیلئے غیر معروف ہوگا لیکن ملاء الاعلیٰ میں انھیں سب پہچانتے ہوں گے تمہارے بابا کی قبر پر وہ پرچم نصب ہو گا جسے زمانہ سرنگوں نہ کر سکے گا ،

کفر و ضلالت کے سرغنہ اس حرم کو مٹانے کیلئے کوشش کریں گے لیکن کامیاب نہ ہوں گے بلکہ اس کی شہرت و عزت میں اور چار چاند لگ جائے گا[1]

اس بیان کے بعد جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیھا کے ثبات و استقلال کیلئے کسی قسم کے اظہار کی ضرورت نہیں ،

زینبؑ کے صبر و اطمینان کی اس سے بڑی کوئی اور مثال نہیں ہو سکتی کہ ماں جائے کی شہادت کے بعد نشیب میں پہونچیں اور لاش برادر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا هٰذَا الْقُرْبَانَ.

بارالہا ! ہماری اس قربانی کو قبول فرما ،

بلاشبہ عالم ملکوت میں اگر امام حسین علیہ السلام نے محضر شہادت پر دستخط فرمائی تھی تو زینبؑ بھی بھائی کے ساتھ اس میں شریک تھیں ، لہٰذا جس وقت امام حسینؑ اپنے وعدے سے عہدہ برآء ہوگئے تو زینب کبریٰ اپنے فریضہ کی ادائیگی کیلئے اس آہنگ و شان سے اٹھ کھڑی ہوئیں جب

---

[1] کامل الزیارۃ

طرح آپ کے ماننجائے حسینؑ اٹھے تھے اور یہ حیرت کا مقام بھی نہیں ہے چونکہ زینبؑ بھی آئمہ طاہرینؑ کی طرح ایک نور و طینت سے خلق ہوئیں ہیں،

دربار ابن زیاد

دربار اشراف کوفہ سے چھلک رہا تھا سفراء و امراء اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے بیمار کربلا کی تیماردار شکستہ دل بچوں کی ڈھارس، بیواؤں اور آشفتہ دل عورتوں کا سہارا زینبؑ کبریٰ نے ظالم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے مخاطب کیا تقریر کا ایک فقرہ نیزے کی انی سے زیادہ سخت اور برش شمشیر سے زیادہ تیز تھا آہنگ تقریر سے ابن زیاد پر سکتہ طاری تھا،

هٰؤُلاءِ قَوْمٌ كَتَبَ اللهُ عَلَيْهِمُ الْقَتْلَ، وَسَيَجْمَعُ اللهُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ فَتُحاجُّ وَتُخاصَمُ، فَانْظُرْ لِمَنِ الْفَلْجُ؟ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَابْنَ مَرْجانَةَ:

اوپسر زیاد! یہ وہ لوگ ہیں جنکے لئے خدا کا حتمی فیصلہ یہ تھا کہ اس کی راہ میں شہید ہوں عنقریب خدائے قدیر تجھے اور ان شہیدوں کو اپنے حضور میں جمع کریگا تجھ سے اس جرم کی بازپرس ہوگی اس وقت پتہ چلے گا کہ جیتا کون اور ہارا کون اوپسر مرجانہ تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے،

یہ زینب کبریٰ تھیں جنہوں نے دربار کے بے خبر حاضرین کو پست و ذلیل ابن زیاد کے سیاہ کارناموں سے روشناس کر دیا اور رہتی دنیا تک کے لئے اسے رسوا کر دیا جس طرح بازار کوفہ کے خطبہ سے ٹڈی دل کوفی اور جم غفیر تماشائی حیرت زدہ و مبہوت ہو کر رہ گئے تھے،

کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیونکر سید و سردار جنت، فرزند رسولؐ، مخزن علم و حکمت امام حسینؑ کے قتل کے الزام سے اپنے کو بری کریں،

کوفیوں کی آنکھیں رو رہی تھیں لیکن وقت گذر چکا تھا ابدی ذلت ان کے حصہ میں آ چکی تھی، غضب الہٰی ان کا مقدر بن چکا تھا، جہنم کا دردناک عذاب ان لوگوں کی تاک میں تھا،

حضرت زینبؑ نے امام حسینؑ کے بعد حسینی عزم و ارادہ کے ساتھ ان کے مشن کی حفاظت کی،

اور یزیدؑ اور اسکے باپ کے کالے کارنامے بہ ثبوت سے لوگوں کو باخبر کیا، جس وقت آپ دربار شام میں پہنچی ہیں فرزند میسون یزیدؑ کے سامنے امام حسینؑ کے انقلاب کا تعارف کرایا اور یزیدؑ کے جمع کردہ مہمان سفیروں کو یزیدؑ کی سرکشی و طغیانی اور اس کے باپ کی گمراہی و بے دینی سے برملا باخبر کیا حضرت زینبؑ کے یہ جملے تھے،

او یزیدؑ ! اس وقت اگرچہ تو نے زمین و آسمان کی وسعتیں ہم لوگوں پر تنگ کردی ہیں اور اسیروں کا سا سلوک کر رہا ہے،

کیا یہ ہماری ذلت اور تیری عزت کا سبب ہے ؀۱

ہرگز نہیں !

شہیدِ عزت و کرامت امام حسینؑ نے اسی دن کیلئے آپ کو اپنے ہمراہ رکھا تھا چونکہ آپؑ جانتے تھے کہ اگر آپ کے ہمراہ قادر و بے باک خطیب نہ ہوگا تو یزید اپنے دار و دربار اور اپنے زور و طنطنے کے بل پر مقصد قربانی پر پردہ ڈال دے گا اور آپ کو اس کا بھی علم تھا کہ دشمن کی تلوار کی باڑھ اور ظلم و بربریت کے ماحول میں خواہ کتنا ہی اپنی قوم و قبیلہ کا نمایاں و قدآور شخص کیوں نہ ہو ڈر جائیگا، لہٰذا اس فریضہ عظیم کی انجام دہی کیلئے روئے زمین پر صرف اور صرف آغوش زہراؐ کی پلی عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینبؐ کبریٰ تھیں جنہیں پسر مرجانہ و پسر میسون "یزید" کا دربار مرعوب نہ کرسکا،

ابن عفیف ازدی کا واقعہ اس کا زندہ ثبوت ہے حضرت امام حسینؑ کو اپنے نانا کے بیان سے اس کا بھی یقین تھا کہ ان کے خون کے پیاسے دشمن اپنی انتہائی پستی و رذالت کے باوجود عترت خدا و ناموس مصطفےٰؐ کی طرف نگاہ بد نہیں ڈال سکتے،

اس نکتہ کی طرف امام حسینؑ نے وقت وداع اشارہ فرمایا تھا،

اِلْبَسُوا إِزْرَكُمْ وَاسْتَعِدُّوا لِلْبَلاءِ، وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ حامِيكُمْ وَحافِظُكُمْ، وَسَيُنْجيكُمْ مِنْ شَرِّ الأَعْداءِ، وَيَجْعَلُ عاقِبَةَ أَمْرِكُمْ إِلىٰ خَيْرٍ، وَيُعَذِّبُ أَعادِيَكُمْ بِأَنْواعِ الْعَذابِ، وَيُعَوِّضُكُمْ عَنْ هٰذِهِ الْبَلِيَّةِ بِأَنْواعِ النِّعَمِ وَالْكَرامَةِ، فَلا تَشْكُوا وَلا تَقُولُوا بِأَلْسِنَتِكُمْ ما يَنْقُصُ مِنْ قَدْرِكُمْ.۱۰

۱؎ بلاغات النساء، ص ۲۱،

رخت سفر باندھ لو اور بلاؤں کے لئے تیار ہو جاؤ خدا تمہارا حافظ و نگہبان ہے،

عنقریب خدا تمہیں دشمنوں کے شر سے نجات عطا فرمائے گا اور انجام بخیر ہوگا تمہارے دشمنوں کو طرح طرح کے عذاب میں گرفتار کرے گا اور تمہیں ان بلاؤں کے عوض اپنی نعمتوں سے نوازے گا۔۔۔ اور نہ لب شکوہ باز کرنا اور نہ کوئی ایسی بات کہنا جو تمہاری قدر و منزلت کو کم کردے،

ان بیانات کی روشنی میں ہمراہی زینب سلام اللہ علیہا کا فلسفہ سامنے آجاتا ہے،

امام حسینؑ چاہتے تھے کہ نانا کے اسلام سے ان بے دینیوں کو برطرف کریں جو بنام اسلام اس میں داخل ہو چکی تھیں،

امام حسینؑ کا یہ اقدام نہ عقل کی روشنی میں قابل مذمت ہے اور نہ عرف اس کو قبیح قرار دیتا ہے بلکہ ایسے اقدام کو شریعت مستحسن قرار دیتی ہے،

اگرچہ خداوند عزیز نے عورتوں سے جہاد کو ساقط فرمایا ہے حکم شریعت کی رو سے عورت کو خانہ نشین ہونا چاہیئے لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب مرد موجود ہوں جو حریم اسلام کی حفاظت کر سکیں لیکن جس وقت حق کی حیات و بقاء کا انحصار صرف عورت ہی پر ہو تو ایسی صورت میں عورت پر واجب ہے کہ اپنی شرعی ذمہ داری کے پیش نظر حق کی بقاء کیلئے اٹھ کھڑی ہو تاکہ خون شہداء رائگاں نہ ہو اور حق کی راہ پامال ظلم و ستم نہ ہوسکے،

اس کی مثال سیرت زہراؑ میں ملتی ہے جس وقت امیر المومنینؑ کا حق چھینا گیا آپؑ نے اپنے حق کیلئے تلوار نہیں اٹھائی چونکہ آنحضرتؐ سے صبر و تحمل کا وعدہ کرچکے تھے لہٰذا اس دوران حضرت زہراؑ تھیں جو خلافت حقہ علیؑ کا دفاع کر رہی تھیں،

بہرحال حضرت زینبؑ کو ہمراہ رکھنے کا فلسفہ جو کچھ بھی رہا ہو اس کی توجیہہ و تفسیر ہمیں کرنے کی ضرورت نہیں ہمارا فریضہ ہے کہ امام وقت کے فیصلے کیلئے یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ امام کا ہر اقدام حکم الٰہی کا تابع ہے اور صحیفہ الٰہی میں ثبت و ضبط ہے

امام جعفر صادق ؑ کا ارشاد ہے :

إنَّ لِكُلِّ واحِدٍ مِنّا صَحيفَةً يَعْمَلُ بِما فيها.

ہماری ہر فرد ایک صحیفہ رکھتی ہے اور اسی صحیفہ کے مطابق عمل کرتی ہے ،

حضرت امام محمد باقر ؑ کا ارشاد ہے :

فَبِتَقَدُّمِ عِلْمٍ مِنْ رَسُولِ اللهِ قامَ عَلِيٌّ وَالْحُسَيْنُ، وَبِعِلْمٍ صَمَتَ مَنْ صَمَتَ مِنّا.

پیغمبر اسلام ؐ کی اطلاع کے مطابق حضرت علی ؑ و امام حسین ؑ جہاد فرمایا اور انہیں حضرت کی اطلاع کے مطابق دوسرے ائمہ خاموش رہے ،

جناب جابر ابن عبداللہ انصاری نے امام حسین ؑ سے سوال کیا کہ کیوں آپ نے اپنے بھائی امام حسن ؑ کی طرح صلح کو اختیار نہیں کیا تو حضرت نے فرمایا :

إنَّ أخي فَعَلَ بِأمْرٍ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ، وَأنا أفْعَلُ بِأمْرٍ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ.

بھیّا کو خدا و رسول ؐ خدا کا حکم ملا تھا انہوں نے اسکے مطابق عمل کیا اور مجھے جو حکم ملا تھا میں نے اس کے مطابق عمل کیا ،

بہر حال یہ حدیثیں امام شناسی کی راہ میں مفید و مددگار ہیں ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امام ؑ اپنے سارے افعال و اعمال میں حکم الٰہی کا تابع ہوا کرتا ہے ،

ہمارا فریضہ ہے کہ بغیر چوں و چرا معصوم ؑ کے ہر اقدام کو قبول کریں ہمیں عقلاً و شرعاً ان اعمال کی مصلحت معلوم کرنے کا حق نہیں ہے ،

ممکن ہے کہ عمومی نقطہ نظر سے امام معصوم ؑ کا اقدام صحیح نہ ہو لیکن اس کے باوجود ہمیں بغیر کسی قیل و قال کے قبول کرنا ہے ،

باب

۵

مادر گرامی ابوالفضل

علیه السلام

حضرت ابو الفضل ع کی مادر گرامی کا نام نامی، فاطمہ ہے، لیکن شہرت ام البنین سے ہوئی،
جناب ام البنین کا دادیہالی سلسلہ اس طرح ہے،
فاطمہ دختر حزام بن خالد بن ربیعہ بن وحید بن کعب بن عامر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن،
نانیہالی سلسلہ اس طرح ہے،
فاطمہ بنت ثمامہ دختر سہیل بن عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب ؎۱
ابو الفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں لکھا ہے کہ حضرت عباس ع کے نانیہالی خاندان والے بھی اپنے اپنے زمانہ کے شجاع و بہادر مشہور تھے،
مورخین نے ظہور اسلام سے پہلے بھی اس گھرانے کی فردوں کا بہادری و سرداری کے ساتھ ذکر کیا ہے یہ وہ خاندان ہے جس کی سیادت و شجاعت کے سامنے اس وقت کے بادشاہوں کی گردنیں خم تھیں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جناب عقیل نے حضرت امیر المومنین ع سے کہا تھا،
عربوں میں ام البنین کے اجداد سے زیادہ شجاع و ساونت کوئی گھرانہ نہیں
حضرت امیر المومنین ع نے جناب عقیل سے صرف اس لئے سوال کیا تھا کہ جری خانوادے کے بچے جری ہوتے ہیں اجداد کے فضائل و خصوصیات بچوں میں منتقل ہوتے ہیں پیغمبر اسلام ص کا ارشاد ہے کہ بچوں میں

؎۱ عمدۃ الطالب و تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۷۱، نے وایسی لکھا ہے،

؎۲ صاحب کتاب نے گذشتہ نوشتوں کو تحریر کیا ہے اختصار کے پیش نظر ترجمہ نہیں کر رہا ہوں، حسینی "

میں ماموں کی عادتیں بھی منتقل ہوتی ہیں،

حضرت ابوالفضل العباسؑ میں دونوں شجاعتیں جمع ہوگئی تھیں دادیہال کی طرف سے شجاعت ہاشمی وعلوی کا مرکز تھے اور نانیہال کی طرف سے شجاعت عامری کا مظہر تھے،

جناب عباس علمدارؑ کے نانیہالی سلسلے میں ایسے ایسے بہادر ہیں جنھیں شجاعت و بہادری کی وجہ سے "ملاعب الاسنہ"[1] کا لقب ملا تھا،

یہ لقب حسان نے جناب ام البنین کے نانا کو اس وقت دیا جب وہ یک وتنہا دشمنوں میں گھر گئے تھے اور دشمن کا نیزہ چھین لیا تھا،

لیکن ایک خیال یہ ہے کہ حسان نے نہیں بلکہ اوس بن حجر نے ملاعب الاسنہ کہا ہے،

يُلاعِبُ أطْرافَ الأسِنَّةِ عامِرٌ فَراحَ لَهُ حَظُّ الكَتائِبِ أجْمَعُ

عامر کھیل کھیل میں نیزہ چھین لیتا ہے گویا وہ ایک لشکر کی قوت رکھتا ہے،

جناب ابوالفضلؑ کے نانیہالی رشتہ داروں میں عامر بن طفیل بھی ہیں جو اپنے وقت کے نامور بہادر و دلیر تسلیم کئے جاتے تھے،

قیصر روم کیلئے مشہور ہے کہ جب کوئی عرب اس کے دربار میں جاتا تو وہ سوال کرتا کہ کیا عامر سے تمہارا کوئی رشتہ ہے اگر وہ عرب رشتہ داری کا اقرار کرتا تو قیصر اسے اکرام وانعام سے نوازتا ورنہ کوئی توجہ نہ کرتا،

جناب ام البنین کے خاندان کی جلیل القدر فرد عروۃ الرحال بھی ہیں بادشاہوں کے درباروں میں آپ کی آمدورفت زیادہ رہی، اسی مناسبت سے رحال، یعنی سیاح کہا جانے لگا،

خاندان جناب ام البنین میں طفیل کو بھی خاصی شہرت رہی آپ کی شجاعت و دلاوری زبان زد خاص و عام رہی،

---

[1] کھیل میں نیزہ چھین لینے والے،

شادی

جناب ام البنین کی شادی کی تاریخ میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ حضرت زہراؑ کی شہادت کے بعد امامہ حضرت علیؑ کی پہلی بیوی ہیں بعض نے ام البنین کو پہلی زوجہ قرار دیا ہے بہرحال یہ طے ہے کہ حیات سیدہ طاہرہؑ میں حضرت امیرالمومنینؑ نے کسی سے عقد نہیں کیا کیونکہ شہزادی کی حیات میں آپ پر دوسری عورتیں حرام تھیں [۱]

جناب ام البنین کے چار فرزند تھے عباسؑ، عبداللہ، جعفر، عثمان، وہ امیرالمومنینؑ کے بعد ایک طویل مدت تک زندہ رہیں اور کسی سے شادی نہیں کی، اسی طرح اسماء بنت عمیس، لیلی، اور نہشلیہ نے بھی بعد میں عقد نہیں کیا،

ان چاروں بیویوں نے آخر دم تک امیرالمومنینؑ کے حق کا پاس ولحاظ رکھا، [۲]

اگرچہ مغیرہ ابن نوفل ابو ہیاج بن سفیان نے جناب امامہ سے عقد کی فرمائش کی تھی لیکن آپ نے انکار کردیا اور جواب میں حضرت امیرالمومنینؑ کی حدیث نقل کردی،

پیغمبر اور اوصیائے پیغمبرؐ کی ازواج اپنے شوہروں کی وفات کے بعد شادیاں نہ کریں

حضرت ام البنین ان معدودے چند خواتین میں ہیں جن کا قلب پاک، محبت و عظمت ال محمدؐ سے سرشار تھا، آل محمدؐ کی نگاہ میں بھی آپ کی بڑی عزت تھی اس بناپر عید کے دن جناب زینبؑ آپ کے دیدار کو جاتیں تھیں اور واقعہ کربلا کے بعد بھی آپ کی خدمت میں ادائے تعزیت کیلئے تشریف لے گئی تھیں،

جناب ام البنینؑ کی خاندان اہلبیتؑ سے عقیدت و محبت کا اصلی منظر اس وقت دیکھنے میں آیا جب آپ امیرالمومنینؑ کے عقد میں آئیں، حضرت حسنینؑ ان دنوں مریض تھے آپ نے اسی

۱۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲ ص ۹۳،

۲۔ کشف الغمہ، ص ۳۲، فصول المہمہ ص ۱۴۵، شہر آشوب ج ۲ ص ۷۶، مطالب السؤل ص ۶۳،

وقت سے ایک مادرمہربان کی حیثیت سے فرزندان رسولؐ کی پرستاری وتیمارداری کی ،
یہ ساری باتیں ایک ایسی خاتون کے لئے قابل تعجب نہیں جو کلّ ایمان کی شریک حیات رہی ہو
جس نے امام المتقین کے اخلاق وکردار سے درس لیا ہو ،

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar #2
KARACHI
PH. 7211795

باب

⑥

ولادت، کُنیت و القاب

ابوالفضل علیہ السلام

طلوع نور

ولادت حضرت اباالفضلؑ سے عالم امکان کو ایک نئی روشنی ملی، افق علوی کے اس آفتاب نے دنیا کو وفا کے نور سے جگمگا دیا،

چونکہ حضرت عباسؑ آغوش شجاعت میں پروان چڑھے تھے اور انہوں نے دامان ابوالائمہؑ کے عصمتی کردار سے استفادہ کیا تھا لہٰذا آغوش اور ماحول کے اثرات نے انہیں عزت نفس، شہامت، وجرائت، طہارت، وپاکیزگی، خرد کامل، علم وافر، اور اخلاق حمیدہ کا مہر نیم روز بنا دیا تھا،

قمر بنی ہاشمؑ آفتاب امامت کے پرتو میں پروان چڑھ رہے تھے، آپ نے جس جگہ قدم رکھا وہ شرافت وسیادت کی جگہ تھی، اگر لب کشا ہوئے تو ہدایت وسعادت کا پیغام ساتھ رہا جس طرف رخ کیا وہ حق تھا جدہر سے منہ موڑ لیا وہ باطل تھا،

اگر ان کے نفس غیور نے کسی چیز سے انکار کر دیا تو یقیناً وہ ظلم وزیادتی تھی،

ابوالفضلؑ فضیلتوں کا مرکز ومصدر تھے کرامت وبزرگی کا نمونہ اعلیٰ درحقیقت امام حسینؑ کی تجلیّ امامت کا نام عباسؑ ہے، عباسؑ علمدار وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا * وَالْقَمَرِ إِذَا تَلٰهَا. کی جیتی جاگتی تصویر تھے،

حضرت عباسؑ کے دہن میں حسینؑ کی زبان تھی اور ان کے قالب میں سیدالشہداءؑ کی روح

کارفرما تھی،

حضرت عباسؑ امام حسینؑ کیلئے خلق ہوئے تھے، ہر مرحلہ حیات میں امام حسینؑ ان کے مقتداء امام رہے لہٰذا ولادت کے اعتبار سے بھی دونوں میں امام و ماموم جیسا ہی ایک گام کا فرق ہے امام حسینؑ کی ولادت سوم شعبان کو ہوئی اور حضرت عباسؑ کی ولادت چہارم شعبان ۲۶ھ کو،

تعارف انیس الشیعہ، علامہ محمد عبدالحسین بن السید محمد عبدالہادی مدراسی ہندی کی تصنیف ہے مرحوم صاحب الذریعہ نے اس کتاب کیلئے تحریر فرمایا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو نجف اشرف میں سید نعمت اللہ جزائری کے پوتے سید تستری کے پاس دیکھا تھا،

یہ کتاب حضرات ائمہ طاہرینؑ کی ولادت وشہادت اور معجزات پر مشتمل ہے،

کتاب کی ابتداء ربیع الاول سے ہے اور انتہا صفر پر ہے، کتاب کے مقدمے میں پیغمبر خداؐ کے نسب، امیرالمومنینؑ کی امامت کا تذکرہ ہے، خاتمہ کتاب کو ذکر جمیل حضرت امام عصرؑ سے زینت دی ہے،

مصنف نے یکم شعبان ۱۲۴۲ھ بروز جمعہ اس کتاب کو فتح علی شاہ کو ہدیہ کیا تھا،

مرحوم مرزا محمد علی اوردبادی نے مصنف کے قلم سے پشت کتاب پر اس اہداء کو دیکھا تھا،

اپنی گذشتہ کتاب صحیفہ شہادت کے صفحہ ۲۶۵ پر بھی اس کتاب کے متعلق تھوڑا اشارہ کر چکا ہوں

حسینی

جس وقت ولادت کے بعد حضرت عباسؑ کو اذان و اقامت کیلئے آغوش امیرالمومنین میں لایا گیا ہوگا تو اس وقت کربلا حضرتؑ کی نظروں میں پھر گئی ہوگی،

کربلا کیلئے امیرالمومنینؑ نے حضرت عباسؑ کو ذخیرہ کیا تھا، لہٰذا جب بازوے عباسؑ پر نظر پڑی ہوگی بازوں کے قلم ہونے کا منظر بھی نظروں کے سامنے آیا ہوگا، جب علم ویقین سے بھرے ہوئے سینہ عباسؑ کو دیکھا ہوگا تو تیروں سے چھلنی سینہ کا مرقع آنکھوں میں پھر گیا ہوگا،

حضرت عباسؑ کے سر پر افتخار پر جب حضرتؑ کی نظر پڑی ہوگی وہ گرز گراں بھی یاد آیا ہوگا جس سے کربلا میں سر عباسؑ پاش پاش ہونے والا تھا،

عباسؑ، علیؑ کی آغوش میں ہیں اور آہوں اور سسکیوں کی آواز سے عرش الٰہی لرزہ براندام

ہے،

دنیا جانتی ہے کہ عترت رسولؐ کی سیرابی اور خیام حسینی تک پانی پہنچانے کے لئے حضرت عباسؑ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، پیاس کی شدت کے باوجود چلو کو پانی سے بھر کر پھینک دیا، تاکہ دنیا عباسؑ کی پیاس کو بے چارگی سے تعبیر نہ کرے بلکہ صاحب اختیار عباسؑ نے اپنی پیاس پر حسینؑ اور اہل حرم کی پیاس کو مقدم کیا،

جس وقت امیر المومنیں علیہ السلام حضرت عباسؑ کے قد زیبا اور شجاعت وسیادت کے اطوار وانداز کو دیکھتے تو آپ کی خوشی کی انتہا نہ رہتی لیکن جب علیؑ کی نظر کربلا کے عباسؑ کو دیکھتی تو تشنگی، زخم، نرغۂ اعداء، یاد آجاتا اور غم واندوہ میں ڈوب جاتے،

جب کربلا کا دلدوز سانحہ ہر انسانی جذبات رکھنے والے کو مضطرب ومغموم کر دیتا ہے تو اس " علیؑ " پر کیا گذرے گی جو نوع انسانی کے لئے پدر مہربان اور مادر دلسوز جیسا دل رکھتا تھا،

حضرت امیر المومنینؑ اور حضرت عباسؑ عالم امکان کی اعجازی شخصیت کا نام ہے اگر حضرت علیؑ کے فضائل ومناقب کے بیان پر جن وانس قادر نہیں تو عباسؑ کی مظلومیت ومصیبت کے اظہار پر بھی کوئی بشر قادر نہیں،

مؤلف قمر بنی ہاشم لکھتے ہیں،

ایک روز حضرت ام البنین نے دیکھا کہ امیر المومنینؑ حضرت عباسؑ کو آغوش میں لیکر بازوں کا بوسہ لیتے ہیں اور گریہ فرما رہے ہیں،

جناب ام البنین نے اس کے پہلے کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا لہذا پریشان ہوئیں اور حضرت سے گریہ کی وجہ پوچھی، حضرت نے فرمایا اس کے دونوں بازو حسینؑ کی نصرت میں قلم کر دیئے جائیں گے،

اس خبر کے سنتے ہی جناب ام البنین نے ایک چیخ ماری جس نے ملاء اعلیٰ میں ہل چل مچادی اور خانہ علیؑ کو ماتم کدہ بنا دیا،

ام البنین کو تسلّی وتشفی دیتے ہوئے حضرت نے فرمایا: کہ خدا عباسؑ کو ان کے بازوں کے بدلے جنت میں دو پر عنایت فرمائے گا جس

طرح جعفر بن ابی طالبؑ کو عنایت فرمایا ہے جس سے وہ ملائکہ کے درمیان پرواز کریں گے،

شمائل

حضرت احدیت نے فرزند دلبند علی مرتضیٰؑ کو شجاعت، غیرت، سخاوت، عزت نفس، بزرگی، کرم، رحمدلی، خوش اخلاقی سے مزین فرمایا تھا یعنی صفات جلال وجمال دونوں کا مرقع تھے،

عباسؑ کا قد زیبا شگفتہ چہرہ، اور دلنشین خد وخال ہر دیکھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا۔ آپ کی پیشانی سے ایمان کی نورانیت اور سراپے سے علیؑ کی ہیبت ٹپکتی تھی،

جمال ظاہری ومعنوی کی وجہ سے آپ کو قمر بنی ہاشم کہا جانے لگا،

حضرت عباسؑ خاندان بنی ہاشم کی پہلی فرد نہیں جنہیں یہ لقب ملا ہو بلکہ آپ کے اجداد کی بعض فردیں اس لقب سے معروف ہوتی ہیں، مثلاً جناب عبد مناف کو ماہ مکہ اور جناب عبداللہ کو ماہ حرم کہا جاتا تھا،

حضرت عباسؑ کے جمال نے ہر صاحب جمال کو پس پشت ڈال دیا ہر خاص وعام اپ کے حسن کا ثنا خوان تھا، آپ اپنے حسن میں فخر یوسف تھے دنیا کے حسینوں کے سامنے آپ کی وہی حیثیت تھی جو چاند کی ستاروں کے جھرمٹ میں ہوتی ہے،

راوی کہتا ہے،

عباسؑ دیدہ زیب وجاذب نظر تھے جب اپنے خوبصورت راہوار پر سوار ہوتے تو آپؑ کے پیر زمین پر خط دیتے جاتے اور لوگ کہتے۔ قمر بنی ہاشم

نشانِ سجدہ

آپ کی جبین مبارک پر سجدہ کا نشان تھا، مقاتل الطالبین میں ہے،
مدائنی نے کہا ہے کہ مجھ سے ابوغسّان نے نقل کیا ہے کہ میں نے قبیلہ بنی دارم کے ایک سیاہ رخ شخص کو دیکھا جو اس ملاقات سے پہلے اتنا کالا نہ تھا میں نے سوال کیا، تمہارا چہرہ اتنا کالا کیوں ہوگیا تو اس نے جواب دیا میں نے کربلا میں ایک ایسے نوجوان کو قتل کیا جس کے سبزے آغاز ہو رہے تھے جس کی پیشانی پر سجدوں کے نشان تھے میں نے قتل ہی کی شب یہ خواب دیکھا کہ وہ جوان مرا گریبان پکڑ کر مجھے جہنم کی طرف لے جارہا ہے، میں خواب میں اتنی زور سے چیخا کے سبھی قبیلہ والوں نے میری چیخ سنی اس شب سے میرا چہرہ سیاہ پڑگیا، اس مقتول کا نام عباسؑ بن علیؑ تھا،
سبط ابن جوزی نے بھی اس طرح کی ایک روایت نقل کی ہے،
جب شہدائے کربلاؑ کے سروں کو کوفہ لایا گیا تو انمیں ایک نوخیز کا سر تھا جسے ایک حسین ترین سپاہی اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکائے ہوئے تھا،
جب کبھی گھوڑا اچھلتا تو وہ سر اس کی سموں اور زمین سے ٹکراتا، میں نے سوال کیا کہ یہ کس کا سر ہے؟ تو اس نے کہا عباس بن علیؑ کا سر ہے،
پھر میں نے پوچھا تو کون ہے! تو اس نے کہا،
میں حرملہ بن کاہل اسدی ہوں،
پھر کچھ دن کے بعد حرملہ کو دیکھا کہ وہ نہایت کریہہ المنظر ہو چکا ہے اس کا وہ حسن جاتا رہا اور چہرہ تارکول سے زیادہ سیاہ ہوگیا تھا، میں نے پوچھا تو تو خوبصورت تھا تیری یہ کیا حالت ہے اس نے کہا جس روز سے عباسؑ کے سر کو لے کر چلا ہوں اسی شب سے مسلسل یہ خواب دیکھ رہا ہوں کہ دو جوان زبردستی

جہنم کی طرف لے جاتے ہیں، جہنم کے شعلوں کی تمازت سے میرا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے،

تحقیق

ان دونوں روایتوں میں صراحت سے مقتول کا نام عباسؑ بتایا گیا ہے لیکن یہ روایت اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس میں حضرت عباسؑ کی عمر ایک نوخیز کی بتائی گئی ہے درانحالیکہ حضرت عباسؑ کا سن مبارک ۳۴ سال تھا اور تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ قیس بن سعد کی طرح آپ کے بھی محاسن نہ رہے ہوں،

دارالسلام اور کبریت احمر نے گذشتہ روایت کو غیر معتبر قرار دیتے ہوئے اس طرح اسکی اصلاح کی ہے کہ عباس بن علیؑ سے مراد علمدار کے چھوٹے بھائی ہیں جن کا نام عباسؑ اصغر تھا،

لیکن یہ توجیہہ بھی صحیح نہیں کیونکہ عباسؑ اصغر کا کربلا میں ہونا ثابت نہیں،

ایک خیال یہ ہے کہ یہاں عباسؑ سے مراد آپ کے بھائی عثمان ہیں جن کی عمر ۲۱ سال تھی یا حضرت عباسؑ کے فرزند محمد مراد ہیں، چونکہ شہر آشوب نے کربلا میں ان کی شہادت کو تسلیم کیا ہے،

لیکن یہ توجیہہ بھی خیالی ہے کہیں سے بھی اسکی تائید نہیں ہوتی،

شیخ صدوق نے ایک روایت نقل کی ہے اگر اس روایت کے ساتھ طبری کی روایت کو ملا دیا جائے تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مقتول کا نام حبیب ابن مظاہر تھا،

قاسم بن اصبغ، کا بیان ہے کہ ابان بن دارم کا ایک حسین وجمیل شخص میرے پاس آیا جو امام حسینؑ کی شہادت میں شریک تھا لیکن جب بعد شہادت اسے دیکھا تو نہایت کریہہ المنظر ہو چکا تھا میں نے اس سے کہا کہ تیرے چہرے کی سیاہی کی وجہ سے میں تجھے پہچان نہ سکا اس نے کہا اس سیاہی کا سبب یہ ہوا کہ میں نے کربلا میں ایک ایسے شخص کو قتل کیا تھا جس کی پیشانی پر سجدوں کا نشان تھا،

قاسم بن اصبغ کا بیان ہے کہ میں نے اسی شخص کو دیکھا کہ گھوڑے کی گردن میں اپنے مقتول کے سر کو لٹکائے ہوئے تھا، میں نے اپنے والد سے کہا اے کاش سر ذرا اوپر ہوتا تو سموں کی زد سے بچ جاتا جس پر والد ماجد نے کہا کہ سر کو جتنا صدمہ پہنچ رہا ہے قاتل کو اس سے کہیں زیادہ صدمات کا سامنا کرنا پڑیگا

قاتل پھر کہتا ہے، کوئی شب ایسی نہیں گذرتی جس میں خواب میں ایک جوان کو نہ دیکھتا ہوں جو مجھے جہنم کی طرف کھینچ کرے جاتا ہے، میں اتنا چیختا ہوں کہ میری چیخ سے گھر والوں کی نیند حرام ہو چکی ہے،

قاسم کا بیان ہے کہ قبیلہ کے جوانوں کے ساتھ اس کی بیوی کے پاس گیا اور اس کے حالات سے متعلق سوال کیا تو اس نے بھی اس کی تصدیق کی،

تینوں روایتیں قاسم بن اصبغ بن نباتہ سے ہیں، جناب صدوق کی روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مقتول نوجوان نہیں بلکہ مرد ہے،

ابن جریر نے اس سر کے لئے لکھا ہے کہ یہ سر حبیب ابن مظاہر کا ہے،

مورخین نے بھی یہ واقعہ حبیب ابن مظاہر کے علاوہ کسی اور سر کیلئے نہیں لکھا ہے لہٰذا گذشتہ دونوں روایتوں کو اشتباہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، حضرت عباس کے سر کیلئے اس طرح کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی کہ اسے راہوار کی گردن میں لٹکا کرلے گئے ہوں،

ابن جریر کا بیان ہے [1]

حبیب ابن مظاہر پر بنی تمیم کے ایک شخص نے نیزہ مارا وہ زخمی ہو کر زمین پر گرے پھر سنبھل کر اٹھنا چاہتے تھے کہ حصین بن تمیم نے تلوار سے حملہ کیا اور آپ کے سر کو قلم کردیا،

نیزہ بار اور حصین دونوں حبیب کے قتل کے مدعی تھے، یزیدیوں نے دونوں کو اس پر راضی کیا کہ، حصین حبیب کے سر کو گھوڑے کی گردن میں لٹکا کر فوج

---

[1] ج ۶، ص ۲۵،

کے درمیان سے گذرے تاکہ دوسروں پر واضح ہو جائے کہ حصین حبیب کا قاتل ہے اس کے بعد سر کو نیزہ باز کے حوالہ کر دیا تاکہ وہ ابن زیاد کے یہاں لے جاسکے،

لہٰذا حصین نے پہلے تو اس سر کو گھوڑے کی گردن میں حمائل کر کے گھمایا اسکے بعد مرد تمیمی "نیزہ باز" کے حوالے کیا اور وہ اسی حالت میں کوفہ میں وارد ہوا کوفہ میں اس سر کو حبیب ابن مظاہر کے نوجوان فرزند قاسم نے دیکھا اور نیزہ باز کی تاک میں رہے آخر کار ایک دن قاسم کی اس سے ملاقات ہوگئی تو نہایت خاکساری سے کہا کہ یہ سر میرے والد کا ہے اگر تم اس کو دے دو تو میں دفن کر دوں،

نیزہ باز نے کہا، فرزند! امیر اس کے دفن کرنے پر راضی نہیں ہوگا میں تو چاہتا ہوں کہ اس کے ذریعہ سے انعام واکرام حاصل کروں،

قاسم نے آنسوؤں سے چھلکتی آنکھوں کے ساتھ کہا:

خدا تجھ کو بدترین جزا دے گا کیونکہ تو نے ایک انتہائی شریف انسان کو شہید کیا ہے،

قاسم اس شخص کی گھات میں لگے رہے یہاں تک کہ جب موصل کے قریب باجمیرا پر مصعب کی جنگ چھڑی تو قاسم مصعب کے لشکر میں داخل ہوئے اور دوپہر کے وقت جب یہ نیزہ باز قیلولہ کر رہا تھا جا دبوچا،

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ جناب صدوق کی روایت میں قاسم بن اصبغ آیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسوقت تک اصبغ زندہ تھے پھر سوال یہ ہوتا ہے کہ ان کے جیسا خاندان رسالت کا عاشق کربلا میں شریک کیوں نہ ہوا؟

جس طرح اور شیعہ مخلص قید تھے اصبغ کیوں قید نہ تھے،؟

یہ ساری وہ باتیں ہیں جس کا جواب نہیں ہے، لہٰذا ان سارے سوالات سے بچنے کے لئے یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ ——— روایت قاسم میں ——— میں نے اپنے والد سے کہا ———

یہ جملہ اضافہ ہے اور اس اضافہ کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ روایت میں اصبغ کا نام ہے اور اصبغ کو سنیوں نے بہت زیادہ مورد تنقید قرار دیا ہے اس کی ایک مثال کتاب اللیالی المصنوعہ[۱] میں ملتی ہے

روایت یہ ہے،

اصبغ نے ابو ایوب انصاری کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جن لوگوں نے علیؑ کی بیعت توڑی ہے ان سے جہاد جائز ہے،

صاحب کتاب نے اس روایت کو غیر معتبر قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے راوی اصبغ ہیں اور اصبغ غیر معتمد اور معتبر ہیں، لہٰذا اس کی حدیث کوڑی کے تین ہے،

عبداللہ بن عباس کی روایت ہے!

روز قیامت حضرت مرسل اعظمؐ جناب صالح، حضرت حمزہ اور حضرت علیؑ سوار ہو کر وارد محشر ہونگے،

اس حدیث کے لئے صاحب کتاب کا بیان ہے کہ اس کے بعض راوی مجہول ہیں اور بعض قابل اعتبار نہیں ہیں،

بہر حال اصبغ جیسی جلیل القدر شخصیت کو داغ دار کرنے میں ان لوگوں نے کوئی دقیقہ نہیں رکھا،

العتب الجمیل علی اہل الجرح والتعدیل[۲] کے مصنف علامہ محمد بن عقیل نے ایسے موارد کو اکٹھا کیا ہے،

اس کتاب میں کچھ شیعۂ خالص کو طعن وتشنیع کا مرکز قرار دیا گیا ہے ان کا جرم صرف یہ ہے کہ علی ابن ابی طالبؑ کے محب و دوست ہیں،

۱؎ ج ۳ ص ۲۱۳،

۲؎ باب ۲، ص ۴۴

کنیت

حضرت ابوالفضل العباسؑ کے لقب اور کنیت میں کچھ القاب و کنیتیں وہ ہیں جو واقعہ کربلا کے بعد آپ کو ملیں مثلاً ابوقربہ " قربہ کے معنی مشک کے ہوتے ہیں اس کنیت کی وجہ واضح ہے یزیدی کتّوں نے جب عترت مصطفےؐ پر پانی بند کر دیا تو ابوالفضلؑ نے چند بار تشنہ کاموں کو سیراب کرنے کی کوشش کی باوجودیکہ ٹڈی دل لشکر گھاٹ کی پہرہ داری کر رہا تھا، سقائے حرم نے ان کی تلواروں نیزوں اور تیروں کی پرواہ کئے بغیر صلابت وصولت حیدری کے ساتھ دشمنوں پر حملہ کیا اور مشکیزہ کو پانی سے بھر احرم حسینیؑ کی طرف لیکر چلے لیکن دشمن کے تیر نے مشکیزہ کو چھیدا، آل رسولؐ پیاسے ہی رہ گئے،

ابوالقاسم، ——— ارباب قلم نے آپ کو اس کنیت سے یاد نہیں کیا ہے اور نہ ہی آپکی اولادوں میں قاسم نام کا کوئی لڑکا تھا یہ کنیت صرف جناب جابر بن عبداللہ انصاری کی زیارت میں ملتی ہے جب سب سے پہلے اربعین میں وہ کربلا پہنچے تو انہوں نے حضرت عباسؑ کی زیارت ان کلمات میں پڑھی تھی،

السلام علیک یا ابا القاسم، السلام علیک یا عباس بن علیؑ،

چونکہ جناب جابر خاندان نبوت وامامت کے پروردہ تھے، لہٰذا جب ان کی زبان سے یہ فقرہ نکلا تو اس کے معنی ہیں کہ کوئی نہ کوئی مناسبت ضرور رہی ہوگی تب ہی جناب جابر نے اس کنیت سے سلام کیا،

ابوالفضلؑ ——— آپ کی کنیتوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے اس کنیت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ کے ایک فرزند کا نام فضل تھا دوسری طرف درحقیقت آپ اس کنیت کے حقدار تھے چونکہ آپ کی فضیلتیں مثل آفتاب نصف النہار کے سب پر عیاں تھیں،

جب کبھی فضیلت وشرافت وسیادت کا ذکر آئے گا عباسؑ اس کی اصل واساس قرار پائیں گے،

باب الحوائج ——— آپ کے القاب میں یہ وہ لقب ہے جو شیعہ وسنی دونوں کے درمیان یکساں شہرت رکھتا ہے چونکہ حضرت عباسؑ دردمندوں کے درد کا مداوا اور شکستہ دلوں کی آرزو کا مدعا ہیں، کوئی صاحب حاجت نہیں جس نے اپنی بے چارگی میں آپ کو اپنا ناخدا نہ پایا ہو،

قمرِ بنی ہاشم ——— آپ کا دوسرا لقب یہ ہے گذشتہ صفحات میں ذکر کر چکا ہوں کہ آپ بے حد جاذب نظر حسین وخوبصورت تھے آپ کی پیشانی سے ایک ایسا نور ساطع ہوتا جس کی روشنی سے تاریکی شب میں آپ کا چہرہ چمکتا ہوتا ،

آپ کی سیرت وسوانح میں شہید کا لقب نہیں پایا جاتا صرف دو جگہ پر آپ کو شہید کے لقب سے یاد کیا گیا ہے ،

ایک ابوالحسن عمری نے اپنی کتاب المجدی اور ابی نصر بخاری نے "سر السلسلہ" میں شہید سے یاد کیا ہے ،

معاویہ بن عمار سے ایک روایت بھی ملتی ہے جس میں شہید کے لقب سے یاد کیا گیا ہے مضمون روایت یہ ہے ،

عمار نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ جب آپ کو فدک واپس ملا تو اس کے درختوں کی تقسیم کس طرح فرمائی ،

حضرت نے فرمایا :

ایک چوتھائی فرزندان عباسؑ شہید کو دیا باقی ہمارے اختیار میں ہے ،

عبد صالح ——— ارباب مقاتل نے اس لقب کا تذکرہ نہیں کیا ہے جب کہ حق یہ تھا کہ اس لقب کو ضرور بیان کیا جاتا چونکہ یہ آپ کے القاب میں وہ لقب ہے جو آپ کی عظمت ومنزلت کو اجاگر کرتا ہے ، یہ وہ لقب ہے جس سے امام جعفر صادقؑ نے آپ کو زیارت میں مخاطب فرمایا ہے ،

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ.

عبد صالح ، وہ فضیلت ہے جو انسان کے کمال کی آخری حد ہے ، عبد کے معنی ہیں کہ انسان کا حضرت حق سے دہرا رشتہ ہے ، ایک رشتہ بحیثیت خالق کے ہے اور دوسرا رشتہ بحیثیت معبود کے ہے ،

اس عظیم مرتبہ تک رسائی اسی وقت ہوتی ہے جب انسان جذبۂ مناجات سے مملوٗ روحِ ملکوتی سے سرشار اور مادی علائق سے مبرّا ہو ،

اگر انسان میں یہ صفت نہ ہو تو ایسا ہی انسان ہلاکت گمراہی اور خسارت وخسران سے دوچار ہوتا ہے ،

لیکن یہاں عبادت وعبد سے مراد صرف واجبات کی ادائیگی نہیں ہے بلکہ عبد حقیقی اسکو کہتے ہیں جس میں ذوق عبادت خداشناسی کی بنیاد پر ہو عبادت کا محرک نہ بہشتی نعمتیں ہوں اور نہ جہنم کا عذاب جب کبھی عبادت اس انداز کی ہوتی ہے تو خدا ایسے عبادت گذار کو اپنا بندہ کہتا ہے،

خوش نصیب ہیں وہ افراد جو عبادت میں اسلئے مشغول ومصروف ہیں کہ یہ اس کے محبوب ومولیٰ کی راہ ہے،

قابل رشک ہیں وہ افراد جو عبادت کرتے وقت یہ تصور رکھتے ہیں کہ وہ جس رشتۂ بندگی سے منسلک ہیں اس کا ایک سرا ذات لامتناہی حضرت حق سے مل رہا ہے، لحظہ بہ لحظہ انوار قرب کی بارش اس پر ہوتی رہتی ہے،

یہ بندگی کا وہ اعلیٰ وارفع مرتبہ ہے جس پر حضرات انبیاء کرامؑ فائز تھے،

بلاشبہ عبدیت کا مرتبہ رسالت کے مرتبہ سے بلند ہے چونکہ رسالت کا رشتہ بندوں سے ہے اور عبدیت کا رشتہ خالق سے ہے،

اگر عبدیت کا خاص مرتبہ نہ ہوتا تو خدا سید الانبیاءؐ کو اس صفت سے نہ نوازتا ارشاد خالق ہے، وَإِنْ كُنْتُمْ فِى رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ.

اگر تم کو قرآن کی حقانیت میں شک وشبہ ہے تو اس جیسی سورۃ کا جواب لاؤ جسکو میں نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے ۱؎

بندگی کو معراج جب ملی تو فرمایا:

سُبْحَانَ الَّذِى أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَىٰ.۱۰

پاک وپاکیزہ ہے وہ ذات جس نے راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کی اپنے بندے کو سیر کرائی، ۲؎

۱؎ بقرہ/۲۳،

۲؎ اسراء/۱،

جناب داؤد کی بندگی کا تذکرہ کیا تو فرمایا ۔ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَاالأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ.
ہمارے توبہ وانابہ کرنے والے صاحب قدرت داؤد کو یاد کیجئے ۱
جناب ابراہیم ؑ، اسحاق ، ویعقوب ؑ کی بندگی کا تذکرہ فرمایا تو کہا :
وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الأَيْدِي وَالأَبْصَارِ.
ہمارے صاحب اقتدار وبصیرت بندے ابراہیم واسحاق ویعقوب کو یاد کیجئے ۲
اور بھی اس جیسی آیتیں قرآن میں پائی جاتی ہیں، خداوند کریم نے جتنا زور اپنی بندگی پر دیا ہے رسالت ونبوت کو اس انداز سے عنوان قرار نہیں دیا، چیلنج کے طور پر جب قرآن کا جواب طلب کیا تو یہ نہیں کہا کہ اس قرآن کا جواب لاؤ جسے میں نے اپنے رسولؐ پر نازل کیا ہے، بلکہ فرمایا :
جسے میں نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے ،
چونکہ مرسل اعظمؐ محبوب الٰہی تھے اور کوئی چیز قرب الٰہی کیلئے مانع وحائل نہیں تھی آپ صرف ذات حضرت احدیت کو مؤثر کائنات سمجھتے تھے لہٰذا خدا نے بھی اس اعلیٰ وارفع صفت سے خطاب کیا جو رسول اکرمؐ کے شایان شان تھی ،
حضرت احدیت نے جناب مسیح کا جب تذکرہ کیا تو بندگی کو رسالت پر مقدم فرمایا :
إِنِّي عَبْدُ اللهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيّاً.
میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے صاحب کتاب وبنی بنا کر بھیجا ہے ،
ہم خود اپنی نمازوں کے تشہد میں یہ نہیں کہتے کہ میں محمدؐ خدا کے رسول ہیں ، علت خلقت کائنات ہیں ، محبوب خدا ہیں اگرچہ یہ وہ صفتیں ہیں جو سوائے محمدؐ وآل محمدؐ کے اور کسی پر منطبق نہیں ہوتیں ، لیکن اس کے باوجود ہم ان صفات سے یاد نہیں کرتے بلکہ آپ کی عبدیت کو رسالت سے پہلے ذکر کرتے ہیں چونکہ رسالت سے رشتہ محدود وقت کیلئے ہے اور عبدیت کا رشتہ ذات حضرت حق سے ہے جو ابدی وسرمدی ہے ،

---

۱ ص / ۱۷ ، ۲ ص / ۴۵ ،

اس تھوڑی سی تمہید سے روشن ہوگیا کہ فضیلت و کرامت کی اعلیٰ منزل یہی بندگی ہے ، بندگی کی بلندیوں تک طائر فکر کی پرواز نہیں ،

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی عبدیت جیسے اعلیٰ کمال کی نسبت حضرت عباسؑ کی طرف دی ہے یہ وہ صفت ہے جس سے خدا نے اپنے انبیاء مرسلین اور امین وحی کی تعریف و توصیف کی ہے ،

سقائے حرم

حضرت عباسؑ کے القاب میں ایک لقب سقائے حرم بھی ہے ، پانی سرمایہ حیات ہے دنیا کی کوئی شئ پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی ہے ،

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ:

ہم نے ہر موجود کو پانی سے خلق کیا ،

امتحان معاویہ !

قیصر روم نے معاویہ کے پاس ایک شیشے کا پیالہ بھیجا اور کہلایا کہ اس میں ہر چیز کو بھر دو ، معاویہ اس معمّہ کو خود حل نہ کر سکا باب مدینۃ العلم علیؑ کے در کے سوالی ابن عباس سے اس معمّہ کو حل کرنے کی خواہش کی ، ابن عباس نے کہا : اس پیالے میں پانی بھر دو ، چونکہ پانی ہی سے خدا نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ،

جس وقت وہ کاسہ چینی پانی سے بھرا ہوا قیصر روم کے پاس پہنچا تو وہ ابن عباس کی ذہانت و ذکاوت سے بے حد متاثر ہوا [۱]

پانی شہ رگ حیات ہے ، اسی لئے اگر کسی نے سقائی کا فریضہ سنبھال لیا تو گویا اس کا وجود خود ایک ناخدا سے کم نہیں ،

ایسا انسان جو کسی کو پانی پلائے اس کے سینہ میں عاطفت و محبت سے بھرا ہوا دل ہے اس

---

[۱] کامل مبرّد ، ج ۱ ص ۳۰۸ ، تہذیب الکامل ج ۱ ص ۲۲۹ ،

کے اندر مہر و مروّت سے لبریز قلب پایا جاتا ہے سقائی ایک سعادت ہے جو ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی،

سقائی اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ سقا کے دل میں صرف اپنی حیات کی آرزو نہیں ہے بلکہ وہ اپنی نوع کی حیات کا بھی خواہاں ہے،

شریعت میں بھی سقائی کی بہت اہمیت ہے اگر شریعت انسان کو اس نکتہ کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ اسلام ایک نظام فطرت ہے تو دوسری طرف اس نکتہ کیطرف بھی متوجہ کر رہی ہے کہ سقائی اس اسلام کا ایک ایسا حکم ہے جس پر خدا راضی و خوشنود ہوتا ہے اور سقائی کرنے والا خدا کے یہاں آخرت میں اجر وافر و عظیم کا مستحق ہے،

اس ضمن میں بہت سی روایات حضرات ائمہ طاہرینؑ اور رسولؐ مکرم سے وارد ہوئی ہیں جس میں سقائی اور پانی پلانے کی فضیلت کا اشارہ ملتا ہے، سقائی کیلئے کوئی شرط نہیں ہے اگر کسی نے حیوان اور کافر تک کو سیراب کیا تو مستحق اجر و ثواب ہے،

حضرت ختمی مرتبت کا ارشاد ہے:

أَفْضَلُ الْأَعْمالِ عِنْدَاللهِ إِبْرادُ الْكَبِدِ الْحَرّىٰ مِنْ بَهيمَةٍ وَغَيْرِها.

خدا کے نزدیک بہترین عمل تشنہ جگر کو پانی پلانا ہے خواہ حیوان ہو یا انسان [1]

دوسری حدیث میں ہے،

اگر کسی نے پانی کی فراہمی و موجودگی کے باوجود پانی پلایا تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درختوں کے پتے جھڑتے ہیں [2]

ایک اور حدیث ہے،

اللہ پانی پلانے والے کو ہر قطرۂ آب کے عوض سیم و زر اور سربمہر شراب طہور مرحمت فرمائے گا اور اگر کسی نے صحراء و بیابان میں کسی کو سیراب کیا تو یہ شخص انبیائے کرام کے ساتھ حوض کوثر پر وارد ہو گا [3]

---

[1] دار السلام ج ۳، ص ۱۶۲، [2] جامع الصغیر ج ۱ ص ۴۳، [3] مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۱۳۰،

ایک شخص نے آنحضرت ص سے سوال کیا کہ وہ کون سا عمل ہے جس سے وہ جنت سے قریب ہو سکے؟

حضرت نے جواب میں فرمایا:

ایک نئی مشک خرید و اور پانی سے بھر کر دوسروں کو سیراب کرو یہاں تک کہ وہ مشک پارہ پارہ ہو جائے یہ وہ عمل ہے جو انسان کو جنت سے قریب کرتا ہے،

اس ضمن میں امام جعفر صادق ع کا ارشاد ہے،

مَنْ سَقَى الْماءَ فى مَوْضِعٍ يُوجَدُ فيهِ الْماءُ كانَ كَمَنْ أعْتَقَ رَقَبَةً، وَمَنْ سَقَى الْماءَ فى مَوْضِعٍ لايُوجَدُ فيهِ الْماءُ كانَ كَمَنْ أحْيىٰ نَفساً، وَمَنْ أحْياها فَكَأنَّما أحْيَى النّاسَ أجْمَعينَ.

اگر کسی نے پانی کی موجودگی و فراہمی میں کسی کو سیراب کیا تو گویا اس نے راہ خدا میں غلام آزاد کیا اور اگر کسی ایسی جگہ پر سیراب کیا جہاں پانی نہیں تھا تو اس کی حیثیت اس شخص جیسی ہے جس نے کسی کو زندہ کیا ہو اور اگر کسی نے ایک شخص کو زندگی دی گویا اس نے بنی نوع انسانی کو حیات بخشی [1]

یہ حدیثیں سقائی کی اہمیت و فضیلت پر روشنی ڈالتی ہیں، بغیر کسی استثناء کے ہر ذی روح کو پانی کی ضرورت ہے، پانی کسی خاص گروہ و قبیلے سے مخصوص نہیں ہے اس نعمت الٰہی کی ہر مخلوق کو ضرورت ہے،

ایک شخص نے امام جعفر صادق ع سے سوال کیا پانی کا مزہ کیا ہے؟ حضرت ع نے فرمایا:

جو حیات کا مزہ ہے،

پانی کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے شریعت نے سقائی کو بھی بے حد اہم اور ممدوح قرار دیا ہے عربوں میں سقائی ایک اہم منصب تصور کیا جاتا تھا اور پانی پلانے والے پیشوائے قوم و قبیلہ ہوا کرتے تھے، اسی اہمیت کے پیش نظر اجداد حضرت رسول اکرم ص ہمیشہ سقائی حجاج کا اہتمام

---

[1] مکارم الاخلاق، ص ۸۵، فصل ۷، باب اول

کرتے رہے،

جناب قصی کیلئے ہے کہ وہ زمانہ حج میں دودھ یا کشمش کا شربت حاجیوں میں تقسیم فرماتے[1]

جناب قصی کے زمانے میں مکہ میں پانی نہیں تھا اہل مکہ اپنی ضرورت کا پانی شہر کے باہر سے تہیہ کرتے، سب سے پہلا کنواں جناب قصی نے داخل مکہ میں کھدوایا جسکا نام عجول رکھا جہاں بعد میں حضرت امیرالمومنین ع کی بہن ام ہانی کا گھر تعمیر ہوا عرب جب پانی بھرنے آتے تو یہ شعر گنگناتے رہتے،

نَرْوِی عَلَی الْعَجُولِ ثُمَّ نَنْطَلِق　　إنَّ قُصَیاً قَدْ وَفی وَقَدْ صَدَق

ہم لوگ عجول کنویں سے سیراب ہو رہے اور ہوتے رہیں گے جناب قصی نے جو وعدہ کیا تھا وفا کر دیا سچوں کی یہی شان ہے،

جناب قصی نے داخل شہر ایک اور کنواں کھدوایا جسکا نام "سجلہ" رکھا اور اس کنویں سے متعلق آپ کا یہ شعر ہے

أنَا قُصَیٌّ وَحَفَرْتُ سَجْلَة　　تَرْوِی الْحَجِیجُ زَغْلَةً فَزَغْلَة

میں قصی ہوں میں نے سجلہ کنواں کھدوایا ہے تاکہ خدا کے گھر کے زائر آتے رہیں اور سیراب ہوتے رہیں،

جناب قصی کے بعد جب حرم الہٰی کا انتظام جب جناب ہاشم تک پہنچا تو آپ نے حاجیوں کی مزید سہولت کے پیش نظر زمزم کے گرد چھوٹے چھوٹے حوض بنوائے منیٰ میں بھی چونکہ پانی نہیں تھا لہٰذا آگ برستے آسمان اور گرم ہواؤں میں تشنہ جگر حاجیوں کی سہولت کیلئے پانی کا کافی ذخیرہ وہاں پہنچواتے[2]

جناب ہاشم نے بھی ایک عمومی کنواں کھدوایا جس کا نام بذر رکھا اور اعلان کیا کہ کوئی اس کنویں کے استعمال سے کسی کو روک نہیں سکتا ہے عربی میں بذر کے معنی پھیلانے کے ہوتے ہیں چونکہ اس کنویں سے پانی بہت دور دور تک لے جایا جاتا تھا لہٰذا اسی مناسبت سے اس کا نام بذر رکھا گیا،

جس وقت جناب عبدالمطلب تک خانہ خدا کا انتظام منتقل ہوا ہے تو انہوں نے بھی اپنے اجداد کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے حاجیوں کی سیرابی پر خاصی توجہ دی لہٰذا آپ کے زمانہ میں چاہ زمزم

---

[1] سیرۃ حلبی ج ا ص ۱۵، [2] ابی الحدید شرح نہج، ج ۳، ص ۴۵۷،

کی دوبارہ کھدائی ہوئی جس سے چشمہ پھوٹ پڑا اور اس پانی کو عام شہریوں کیلئے بطور سبیل مباح فرمایا،

جس وقت چاہ زمزم سے استعمال کی اجازت اہل مکہ کو ہوئی تو انہوں نے بیرون مکہ سے پانی لانا ترک کر دیا اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ زمزم کا فاصلہ کم تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ زمزم حضرت اسماعیلؑ سے منسوب تھا لہٰذا اسے اور کنوؤں پر ترجیح دیتے تھے،

جناب عبد المطلب نے زمزم کے قریب ایک حوض بھی تعمیر کرایا جسے ہر روز اپنے فرزند حرث کی مدد سے بسریز فرماتے،

قریش جناب عبد المطلب کی اس فضیلت شرف سے جلنے لگے لہٰذا رات کے اندھیرے میں اس حوض کو خراب کر دیتے جناب عبد المطلب دوبارہ حوض تعمیر فرماتے پھر رات میں قریش توڑ ڈالتے، کئی بار یہ ہوتا رہا آخر کار جناب عبد المطلب نے خدا سے دعا کی کہ:

معبود میری مدد فرما حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما!

ایک شب خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ قریش سے کہدو! پینے کے علاوہ کسی دوسری ضرورت میں اس کو استعمال کرنا حرام ہے،

جناب عبد المطلبؑ نے خانہ کعبہ میں لوگوں کے سامنے یہ اعلان کر دیا، اس اعلان کے بعد پھر کسی نے اس کو خراب نہیں کیا، اور اگر کسی نے اس اعلان کے بعد بھی خراب کرنے کی جرأت کی تو شدید کسی درد و بیماری میں مبتلا ہو گیا[۱]

خویلد بن اسد اس ضمن میں کہتا ہے،

أَقُولُ وَمَا قَوْلِي عَلَيْهِمْ بِسُبَّةٍ — إِلَيْكَ ابْنَ سَلْمَىٰ أَنْتَ حَافِرُ زَمْزَمِ

حَفِيرَةُ إِبْرَاهِيمَ يَوْمَ ابْنِ هَاجَرٍ — وَرَكْضَةُ جِبْرِيلَ عَلَىٰ عَهْدِ آدَمِ

اے پسر سلمیٰ! اسمیں قطعاً آپ کی توہین نہیں ہے چونکہ آپ نے زمزم کو دوبارہ کھدوایا ہے،

۱؎ شرح ابی الحدید ج ۳، ص ۴۶۰،

زمزم وہ جگہ ہے جہاں حضرت اسماعیل کیلئے پانی ابلا تھا یہاں زمانہ حضرت آدمؑ میں حضرت جبرائیل کا قدم پڑا تھا،

صحراء کی قبر

خانہ کعبہ کی تولیت جناب عبد المطلب کے پاس بزرگوں سے پہنچی تھی، قریش اسے پسند نہیں کررہے تھے کہ وہ خانہ کعبہ کے متولی رہیں لہٰذا اپنے اختلاف کو حل کرنے کیلئے دونوں نے مکّہ سے دور قبیلہ سعد بن ہذیم کی ایک کاہن عورت کو حکَم قرار دیا جس وقت دونوں گروہ مکہ مکرمہ سے چلا ایک بیابان سے گذرتے ہوئے جناب عبد المطلب کی چھاگلوں کا پانی ختم ہو گیا اپنے حریف سے جناب عبد المطلب کے ساتھیوں نے پانی کا مطالبہ کیا لیکن قریش نے پانی دینے سے انکار کردیا، پانی کے خاتمہ سے عبد المطلب اور انکے ساتھیوں کی زندگی آخری لمحوں میں پہنچ گئی،

جناب عبد المطلب نے ساتھیوں سے کہا کہ آپ میں ہر شخص اپنی قبر اپنے ہاتھوں سے کھودے اور جو پیاس سے جلدی مرجائے گا اسے دوسرے دفن کریں گے اس طرح آخر میں ایک آدمی بے گور و کفن رہ جائیگا

جب قبریں تیار ہو گئیں تو جناب عبد المطلب نے فرمایا:

موت کیلئے اپنے کو آمادہ کرنا یہ کمزوری اور ناتوانی کی دلیل ہے لہٰذا جب تک ہوسکے پانی کی تلاش جاری رکھنی چاہیئے یہ سوچ کر جناب عبد المطلب اپنے راہوار پر سوار ہوئے ابھی چند قدم چلے تھے کہ راہوار کے پیروں کے نیچے سے ایک میٹھے پانی کا چشمہ ابل پڑا حضرت عبد المطلب نے تکبیر بلند کی خود بھی سیراب ہوئے اور ساتھیوں کو بھی سیراب کیا پانی سے چھاگلوں کو بھرا اور اپنے حریف قریش کو بھی دعوت دی،

چشمہ دیکھ کر قریش نے جناب عبد المطلب سے کہا اب ہم آپ سے اختلاف نہیں کریں گے، جو خدا صحراء میں آپ کو سیراب کرسکتا ہے اسے یہی پسند ہے کہ آپ ہی خانہ کعبہ کے متولی بھی رہیں،

جناب عبد المطلب بھی اپنے جد بزرگوار جناب قصی کی طرح زائرین خانہ خدا کیلئے کشمش اور دودھ و شہد کا شربت تیار کراتے اور حاجیوں کو سیراب فرماتے [۱]

---

[۱] سیرۃ زینی دحلان،

جناب عبدالمطلب کے بعد جب حضرت ابوطالبؑ متولی خانہ کعبہ ہوئے تو حاجیوں کے لئے بہت بڑے پیمانے پر پانی کا انتظام کیا ہر اس شاہراہ پر جو مکہ پر منتہیٰ ہوتی تھی پانی کے بڑے بڑے حوض بنوائے تاکہ موسم حج اور غیر حج آنے والوں کو پانی کی کمی کا احساس نہ ہو سکے،

عرفات و مشعر میں بھی آپ نے خصوصی پیمانے پر پانی کی سبیلیں رکھوائی تھیں اسی لئے آپ کو "ساقی" کہا جانے لگا،

حضرت ابوطالبؑ کے بعد امیرالمومنینؑ نے اس صفت کو بام عروج تک پہونچایا جب دوسروں کے حوصلے اس راہ میں پست اور قدم تھرتھرا رہے تھے، حضرت علیؑ نے ایسے حساس موقعوں پر سقائی فرمائی ہے، اس کی ایک مثال جنگ بدر ہے،

مسلمانوں پر پیاس کا شدید غلبہ تھا لیکن قریش کی دہشت اور خوف کی وجہ سے پیغمبر اسلام کی تاکید کے باوجود مسلمان پانی فراہم کرنے نہیں جا رہے تھے، اس وقت کریم النفس وغیرت مجسّم حضرت علیؑ تعمیل حکم مرسل اعظمؐ کرتے ہوئے چشمہ آب تک پہنچ گئے اور مسلمانوں کو سیراب کیا[۱]

حضرت علیؑ کی سقائی کا ایک منظر جنگ صفین میں بھی دیکھنے میں آیا جب لشکر حق سے پہلے لشکر معاویہ نے گھاٹ پر قبضہ کر لیا، لشکر اسلام کا پیاس سے دم نکلا جا رہا تھا حضرت علیؑ نے صعصعہ بن صوحان اور شیث بن ربعی کے ذریعہ یہ پیغام پہنچوایا کہ! خدا نے پانی پر اپنی ساری مخلوق کو برابر سے حق دیا ہے لہٰذا گھاٹ سے پہرے ہٹا لے، لیکن جب کینوں سے بھرے ہوئے معاویہ نے آپؑ کی بات نہ سنی تو حضرت نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: کہ پہلے تلواروں کو خون سے سیراب کرلو پھر پانی سے اپنے کو سیراب کرنا[۲]

حضرت کے حکم کے مطابق اشتر و اشعث نے سترہ ہزار فوج کے ساتھ یکبارگی فوج معاویہ پر حملہ کر دیا، شامیوں کے قدم اکھڑ گئے پیاسے ساحل دریا سے جا ملے،

گھاٹ پر قبضہ کے بعد حضرت علیؑ کے نفس قدسیہ نے یہ گوارہ نہ کیا کہ سیاست جنگ کے پیش نظر

---

[۱] مناقب ابن شہر آشوب ج ۱ ص ۴۰۶،

[۲] نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۰۹،

معاویہ پر پانی بند کر دیا جائے، بلکہ اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سپاہ معاویہ کو پانی سے نہ روکے،[1]

یہ تھے سقائی کے وہ نمونے جوان افراد سے ظاہر ہوئے جو غیرت نفس اور شرافت وسیادت کے اعلیٰ شاہکار تھے جنکے نفس کریم نے یہ گوارہ نہ کیا کہ سقائی جیسے عظیم منصب سے اپنے کو بے بہرہ رکھیں اگرچہ محققین پر واضح ہے کہ جتنے نمونے میں نے اب تک پیش کئے ہیں وہ فضائل ومکارم کے اعتبار سے ایک دوسرے سے تفاوت رکھتے ہیں، جو مرتبہ ابو طالب کا تھا وہ عبد المطلب کا نہیں جو مرتبہ حضرت علیؑ کا ہے وہ مرتبہ قصی کا نہیں،

بہر حال سقایت وہ منصب ہے جس پر جناب عبد مناف فخر ومباحات فرمایا کرتے تھے

تاریخ کی ایک عجیب وغریب وحیرت انگیز سقائی اس وقت دیکھنے میں آئی جب "مقام شراف" پر ایک ہزار فوج کے ساتھ حر کا امام حسینؑ سے آمنا سامنا ہوا، انسان تو انسان سواری کے جانوروں تک کی زبانیں پیاس سے باہر نکلی ہوئی تھیں لیکن جیسے ہی لشکر حر کی یہ حالت حضرت نے دیکھی چھاگلوں کے دہانے کھلوادئے تاکہ پیاسا لشکر خود بھی سیراب ہوجائے اور اپنی سواریوں کو بھی سیراب کرے،

اگرچہ یہ حر حضرت کی راہ روکنے کیلئے آیا تھا حضرت جانتے تھے کہ آئندہ اس پانی کی کیسی شدید ضرورت پڑنے والی ہے، اس پانی کیلئے خون بہیں گے، عاشور کے دن عترت خدا اور اصحاب باوفا کو اس پانی کی فراہمی کیلئے کیسے کیسے رنج اٹھانے پڑیں گے لیکن ان سب مشکلوں کے باوجود کریم ابن کریم حسینؑ کو یہ گوارہ نہ تھا کہ خاندانی شرافت وانسانیت کو دھچکہ پہونچے،

حضرت ابو الفضل العباسؑ کیلئے میرا خیال ہے کہ آپ ہر ساقی سے آگے بڑھ گئے دشمن کے ٹھٹ میں ان کی تلواروں نیزوں اور تیروں کی پرواہ کئے بغیر عترت رسول خداؐ کو سیراب کرنے کی ٹھانی تھی، آپ نے اس موقع پر جس شجاعت وبہادری کا مظاہرہ کیا انسان تو کیا اگر پہاڑ بھی ہوتا تو آپ کے حوصلے کے سامنے گرد راہ بن جاتا،

عباسؑ کی بہادری نے پہرہ داروں کے پرے تتر بتر کر دیئے گھاٹ پر قبضہ کر لیا، اپنی پیاس

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب ج ۱ ص ۶۱۹،

کوحسینؑ کے بچوں کے سامنے نظرانداز کردیا مشک کو پانی سے بھر کر گلے میں حمائل کیا تلوار کو نیام سے نکالا ، علم کا پھریرا ہوا میں لہرا رہا تھا ، غازی خیام حسینی کی طرف رواں دواں تھا دونوں ہاتھوں سے مشک کو داہنے اور بائیں حملے سے بچا رہے تھے تاکہ سیرابی عترت خدا کا ثواب مل جائے لیکن سقائے حرم کی ساری کوشش خاک میں مل گئی جب دشمن نے کمین سے حملہ کیا اور بازو قلم ہوئے، لیکن پھر بھی غازی کی یہ کوشش رہی کہ روح کے پرواز کرنے سے پہلے پانی خیمہ حسینی تک پہنچ جائے ، تیر نے مشک کو چھیدا پانی زمین کربلا پر بہہ گیا اب ضرورت نہیں تھی کہ عباسؑ کو شہید کرنے کیلئے گرزگراں استعمال کیا جائے عباسؑ کی روح بہتے ہوئے پانی کے ساتھ بہہ رہی تھی ،

لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین ،،

حرم حسینی تک آب رسانی کی اس کوشش سے محرم کے عشرہ میں حضرت ابوالفضلؑ کو سقا کا لقب ملا اور اس لقب کے جو فیوض وبرکات ہیں اس کو کوئی شمار نہیں کرسکتا ہے ،

عرب کا شاعر مدح سرا ہے ،

هُوَ الْبَحْرُ مِنْ أَيِّ النَّوَاحِي أَتَيْتَهُ — فَلُجَّتُهُ الْمَعْرُوفُ وَالْجُودُ سَاحِلُهُ

وہ دریا ہیں جدہر سے چاہو اس تک پہنچ جاؤ اس دریا کی موجوں سے احسان کا ظہور ہوتا ہے اور اس کا ساحل کرم سے مالا مال ہے

صاحب طروس الانشاء لکھتے ہیں ،

سنہ ۱۳۰۶ھ نہر کربلا خشک ہوگئی اہل کربلا پانی کیلئے بے چین ہوگئے حکومت وقت کو اس کی اطلاع دی گئی حکومت نے کربلا کے صاحب اقتدار سید سلمان کی زمین مین کنویں کھدوانے کا حکم دیا لیکن انھوں نے حکومت کے حکم پر عمل ہونے نہیں دیا ،

انھیں دنوں میں کربلا کی زیارت کیلئے وہاں پہونچا مومنین نے مجھ سے کہا کہ آپ ایک عرض داشت سید سلمان کے نام لکھیں تاکہ وہ اپنی آراضی میں کنویں کھدوانے کی اجازت دے دیں میں نے مومنین کی فرمائش پر

یہ شعر لکھا،

فِی کَرْبَلا عُصْبَۃٌ تَشْکُو الظَّمَا مِنْ فَیْضِ کَفِّکَ تَسْتَمِدُّ رَوَاءَھَا

وَأَرَاکَ یَا سَاقِی عَطَاشَی کَرْبَلا وَأَبُوکَ سَاقِی الْحَوْضِ تَمْنَعُ مَاءَھَا

کربلا میں آپ کے شہر والے پیاس سے تڑپ رہے ہیں اور آپ کے فیض سے اپنی پیاس بجھانا چاہتے ہیں،

اے کربلا کے پیاسوں کو سیراب کرنے والے آپ کے جد ساقی کوثر ہیں،

اس کے باوجود سقائی سے دریغ کر رہے ہیں،

جب یہ شعر سید سلمان تک پہونچا انہوں نے اپنی آراضی میں کنویں کھدوانے کی اجازت دے دی،

باب

۷

فضائل و مناقب ابوالفضل

علیہ السلام

اولاد کی تربیت میں باپ کے عادات طور طریقے اعلیٰ ظرفی، علم خست نفس، پستی کو اگر محرک اصلی نہ مانا جائے تو بہر حال ان کا خاصا اثر اولاد پر مرتب ہوتا ہے،

دنیا کی روش یہی ہے کہ اولادیں باپ کے طور طریقے پر چلا کرتی ہیں اور اسی کے شیوے کو اپنایا کرتی ہیں اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ معمولی اختلاف کے ساتھ موجودہ نسل اپنے بزرگوں سے مشابہت رکھتی ہے،

اس اصول کی بنیاد پر حضرت عباسؑ علمدار کی عظمت و فضیلت رفعت و منزلت اور حسن تربیت سے آشنا ہوا جا سکتا ہے کیونکہ عباسؑ نام ہے اس یگانۂ روزگار کا جس نے باب مدینۃ العلم سے اپنی فکری و علمی تشنگی بجھائی ہے،

عباسؑ نام ہے اس در نایاب کا جو اسرار الٰہی کے مرکز و مصدر اور حقیقت کائنات سے باخبر علیؑ کی آغوش میں پروان چڑھا ہے،

عباسؑ نام ہے اس گوہر بے مثل کا جس نے خانہ علم و عمل میں درس جہاد و تقویٰ اور مراحل معرفت و ایمان طے کئے تھے،

عباسؑ نام ہے اس فرزند فرید کا جس کے باپ کی تلوار سے شرک و الحاد کی بیخ کنی ہوئی اور جس کے خطبوں سے توحید کے افق پر چھایا ہوا کفر و ضلالت کا ابر پراگندہ ہوگیا،

کیا خوب مرحوم سید محمد حسین کیشوان نے مدح سرائی کی ہے

بَنيتٌ عَلا سَمكَ الضِّراحِ رِفعَةً فَكانَ أعلىٰ شَرَفاً وَأمنَعا
أعَزَّهُ اللهُ فَما تَهبِطُ فِی كَعبَتِهِ الأملاكُ إلاّ خُضَّعا

بَيْتٌ مِنَ الْقُدْسِ وَنَاهِيكَ بِهِ ... مَحَطُّ أسْرَارِ الْهُدٰى وَمَوْضِعَا
وَكَانَ مَأْوَى الْمُرْتَجِي وَالْمُلْتَجِي ... فَمَا أعَزَّ شَأْنَهُ وَأرْفَعَا

یہ وہ گھر ہے جس نے افلاک پر برتری پائی اور شرف میں سب سے اعلیٰ وارفع ہو گیا،
یہ وہ گھر ہے جسکو خدا نے محترم بنایا جہاں اس کے فرشتے حالت خضوع وخشوع میں نازل ہوتے رہتے ہیں،
یہ وہ مقدس گھر ہے جسکے شرف کیلئے یہی کافی ہے کہ اسرار ہدایت کا مرکز ومحل ہے،
یہ وہ گھر ہے جو ہر بے سہارا کی پناہ گاہ ہے اور آرزومندوں کی امیدیں اس سے وابستہ ہیں، اس گھر کی عزت وشوکت کا کیا کہنا،

بلا شبہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے اس فرزند کی پرورش وپرستاری میں کیا کچھ اہتمام نہیں فرمایا،

حضرت ابا الفضل علیہ السلام نے بھی حضرت امیرالمومنین ؑ کے علاوہ کسی اور راہ کو اختیار نہیں کیا، آپ کا ظاہر ہو بہو امیرالمومنین ؑ کا آئنہ دار تھا،

اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت ابوالفضل ؑ میں جو فضیلتیں پائی جارہی تھیں وہ ساری کی ساری کسبی نہیں تھیں بلکہ حضرت احدیت کا ایک فضل خاص بھی آپ کے شامل حال تھا، جسکی نورانیت نے حضرت ابا الفضل علیہ السلام کو اس بلند وبالا مرتبہ پر فائز کیا تھا

حضرت ابوالفضل العباس ؑ اپنے والد ماجد کی جیتی جاگتی تصویر تھے، لہٰذا اگر ان کی نظروں سے بھی پردے ہٹائے جائیں تو ایمان ویقین میں کسی طرح کا اضافہ نہ ہوتا چونکہ مادر گیتی پر قدم رکھتے وقت فرزند ام البنین میں بھرپور ذکاوت وذہانت پائی جارہی تھی، معارف الٰہیہ کے ادراک کی پوری استعداد موجود تھی گویا آپ وہ آئنہ کامل تھے جسمیں انوار الٰہیہ کی پوری تصویر نظر آرہی تھی،

امیرالمومنین ؑ کی تربیت اور آپ کی آغوش علم وعمل وایمان نے حضرت ابوالفضل ؑ کو توحید کا بلند ترین منارہ قرار دیدیا تھا علوی تربیت گاہ کی وجہ سے حضرت عباس ؑ اسرار

لاہوت سے باخبر تھے اور انوار ملکوت کا مظہر بنے ہوئے تھے،

حضرت عباسؑ کا بچپنا ہے، امیر المومنینؑ اپنی آغوش میں لئے ہوئے فرماتے ہیں:

بیٹا ایک کہو! " حضرت نے کہا " ایک حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا بیٹا
دو کہو، حضرت عباسؑ نے جواب دیا جس زبان سے ایک کہہ چکا ہوں شرم
آتی ہے کہ اسی سے دو کہوں [1]

حضرت کے جواب سے ظاہر ہے کہ آپ میں نور الٰہی ضو فگن تھا ورنہ اس سن و سال کے بچے اس سے کم سطح کی باتوں کو محسوس نہیں کرپاتے ہیں لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اگر حضرت عباسؑ پر امیر المومنینؑ اور حضرات حسنینؑ کے نورانی و عصمتی کردار کے اثرات تھے تو دوسری طرف خدا نے اپنے خاص عطیہ سے بھی نوازا تھا،

حضرت عباسؑ نے ایک کے بعد دو نہ کہا، گویا حضرت عباسؑ اشارہ فرمارہے تھے کہ توحید خدائے وحدہ لاشریک کی شان ہے اس کے علاوہ کسی شئ کیلئے توحید زیبا نہیں خود قرآن حکیم میں ارشاد ہے: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ۔

اگر ایک خالق کے علاوہ کوئی اور خالق ہوتا تو زمین و آسمان فاسد ہوجاتے

جس وقت امیر المومنینؑ نے حضرت عباسؑ سے یہ سوال کیا تھا حضرت زینب بھی وہاں تشریف فرما تھیں، شہزادی بھی اگرچہ کم سن ہی تھیں لیکن امیر المومنینؑ سے سوال کیا! کیا آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں؟

حضرت نے فرمایا: ہاں،

شہزادی نے کہا: مومن کے دل میں خدا اور غیر خدا دونوں کی محبتیں جمع نہیں ہوسکتی ہیں اور اگر یہ ہوسکتا ہے تو اس کے معنی ہیں کہ انسان کے دل میں خدا کی محبت ہوتی ہے اور اولاد کی شفقت و عطوفت امیر المومنین حضرت علیؑ بیٹی کی اس ذکاوت و ذہانت پر بھی اسی طرح مسرور ہوئے جس طرح عباسؑ علمدار کے جواب سے خوش ہوئے تھے،

---

[1] مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۸۱۵،

حضرت ابوالفضل العباس ع میں اگر فطری ذہانت وذکاوت تھی تو وارث علم نبی ص حضرت امیرالمومنین ع نے آپ کی استعداد کو اسقدر جلا بخشی کے عباس ع عصمت کبریٰ فاطمہ زہرا کی آرزؤں کا مرکز بن گئے ،

حضرت علی ع نے اپنے بعض اصحاب کی اس طرح پرورش فرمائی تھی کہ ان کے ظرف میں ہستی کے اسرار اور موت وقیامت کے حالات قبل از وقت معلوم کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی مثلاً حبیب ، میثم ، رشید ، وکمیل ، کیا ایسی صورت میں ممکن ہے کہ اپنے لخت جگر کو ایسے علوم واسرار سے باخبر نہ کیا ہو جب کہ حضرت عباس ع میں اوروں کی بہ نسبت زیادہ صلاحیت واستعداد تھی ،

کردار علی ع شاہد ہے حضرت نے ہر شخص کو اس کی صلاحیت واستعداد کے بقدر اپنے علم سے بہرہ مند فرمایا:

لہٰذا جب علی ع جیسا فیض رساں علم لٹا رہا ہو اور عباس ع جیسی جامع صفات وصاحب استعداد ذات علم لے رہی ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عباس ع کائنات میں بعد از معصوم ع ایمان والقان میں سب سے اعلیٰ وارفع مرتبہ پر فائز ہیں ،

حضرت عباس ع نے امیرالمومنین ع کے بعد معلّمان الٰہی حضرات حسنین ع سے کسب فیض کیا اور ایک لحظہ کیلئے تاریخ نہیں کہتی کہ حضرت عباس ع فرزندان زہرا ع کی عصمتی وعلمی بزم سے دور رہے ہوں ، ان دواماموں کے بحر بیکراں میں غواصی فرمائی اور خوب دل کھول کر معارف الٰہیہ کے درے بے بہا حاصل کئے مزید اس ماحول کو عالمہ غیر معلمہ زینب کبریٰ ع نے بام عروج تک پہنچا دیا تھا ماحول کی پاکیزگی اور ذاتی فضائل ومناقب ، اخلاص ، طاعت وعبادت کی پابندگی جیسے افعال نے ابا الفضل العباس علیہ السلام میں علم ومعرفت کے دریچے باز کر دیئے تھے ،

حدیث میں وارد ہوا ہے ،

اگر کوئی شخص چالیس روز تک خدا کے لئے کام انجام دیتا رہے تو اس کے قلب وزبان سے حکمت کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں ،

اس حدیث کی روشنی میں اس شخص کیلئے کیا کہا جا سکتا ہے جس نے اپنی پوری عمر خدا کی خوشنودی

ورضا کیلئے بسر کی ہو جو ہر برائی سے مبرّا اور ہر صفت سے آراستہ رہا ہو، اس طرح کے لوگوں پر خدا کے نور کی چھوٹ پڑتی رہتی ہے اور ان کا علم فقط اکتسابی نہیں ہوتا بلکہ وہبی ہوا کرتا ہے،

حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کے علم وہبی کی شہادت اس حدیث امامؑ سے بھی ہوتی ہے [1]

اِنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ عَلِیٍّ زُقَّ الْعِلْمَ زَقًّا.

عباس بن علیؑ بے پناہ علم کے مالک تھے،

اس حدیث میں نہایت حسین استعارہ بھی ہے، زق کے معنی بچہ کو چارہ بھرانے کے ہیں، یعنی بچہ میں صلاحیت دانہ ہضم کرنے کی ہوتی ہے لیکن دانہ فراہم کرنے کی توانائی نہیں پائی جاتی حضرت عباسؑ کیلئے حضرتؑ کی اس تعبیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ میں شیر خوارگی کے زمانے سے تحصیل علم کی صلاحیت وقابلیت پائی جارہی تھی،

حضرت ابوالفضل العباسؑ نے جس گھر میں آنکھیں کھولی یہ وہ گھر ہے جسکے بچے اپنی کمسنی میں علم وحکمت سے مالامال ہوتے ہیں اس داستان میں دشمن اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے،

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

خلیفہ ثالث عثمان در مسجد پر بیٹھے ہیں ایک شخص نے پیسوں کا سوال کیا عثمان نے پانچ درہم اسے دے دیئے سائل نے کہا کسی اور کو بتاؤ جو اس سے زیادہ دے سکے، گوشہ مسجد میں حضرات حسنینؑ اور عبداللہ بن جعفر تشریف رکھتے تھے عثمان نے ان حضرات کی طرف اشارہ کر دیا، سائل حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور کمک کا سوال کیا: حضرت امام حسنؑ نے فرمایا:

تین موقع پر انسان کمک کا خواہاں ہوتا ہے،

(١) دیت کی ادائیگی مقصود ہو،

(٢) قرض ہو، (٣) یا حد سے زیادہ غربت ہو،

---

[1] اسرار الشہادہ، ص ٣٢٢،

سائل نے کہا انھیں اسباب میں سے ایک سبب ہے جس نے مجھے سوال پر مجبور کیا، سائل کے جواب پر امام حسنؑ نے ۵۰/ درہم امام حسینؑ نے ۴۹/ درہم اور عبداللہ بن جعفر نے ۴۸/ درہم عطا کئے،

مسجد سے نکلتے وقت سائل کی ملاقات پھر عثمان سے ہوئی، واقعہ نقل کیا جس پر عثمان نے کہا :

ان نوجوانوں جیسے جوان کہاں مل سکتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو چشمہ علم سے سیراب ہوتے ہیں اور انہوں نے خیر و برکت کو اپنے لیے مخصوص کیا،

مرحوم صدوق لکھتے ہیں ـــــ کہ یزید نے حضرت امام زین العابدینؑ کیلئے کہا تھا کہ :

علم ان لوگوں کو بطور غذا بھرایا گیا ہے [۱]

حضرت ابوالفضل العباسؑ کے علم کیلئے علامہ محمد باقر بیرجندی لکھتے ہیں [۲]

حضرت ابوالفضلؑ خاندان عصمت و طہارت کے عظیم المرتبت فقہاء و افاضل میں تھے بلکہ آپ بھی وہ عالم تھے جنکو غیر از معصوم کسی نے تعلیم نہیں دیا تھا،

خواب

بعض معتبر اور مستند علماء نے نقل کیا ہے کہ کربلا میں ایک عالم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ علم میں حضرت عباسؑ سے زیادہ ہو چکے ہیں اور جب کبھی حلقۂ درس میں بیٹھتے تو کہتے کہ جو اسباب حضرت عباسؑ کی فضیلت و برتری کے ہیں وہ سارے اسباب مجھ میں پائے جاتے ہیں اور جو مرتبہ انھیں شہادت سے ملا ہے وہ مرتبہ اجتہاد کے مقابلہ میں کم ہے،

---

[۱] خصال ج ۱ ص ۶۷/ باب لا تصلح المسالہ الا فی ثلاث،

[۲] الکبریت الاحمر ج ۳ ص ۴۵،

حاضرین کو ان کی یہ جسارت بہت ناگوار معلوم ہوئی اور اس عالم نادان کی اس خود فراموشی پر افسوس کرتے ہوئے بزم سے اٹھ گئے ،

دوسرے دن حاضرین پھر اس عالم کے سراغ میں نکلے کہ آیا لطف الٰہی شامل حال ہوا یا اپنی گمراہی پر جما ہوا ہے ، دق الباب کیا گھر سے جواب ملا حضرت عباس ع کے حرم میں گئے ہوئے ہیں وہ لوگ حرم میں پہنچے کیا دیکھا وہی عالم ایک رسّی سے اپنے گلے کو باندھے ہوئے ہے اور اس کا دوسرا سرا حضرت ع کی ضریح سے بندھا ہوا ہے اور حضرت ع سے اپنی جسارتوں کی معافی مانگ رہا ہے ، جب اسکی وجہ دریافت کیا تو اس نے کہا :

میں نے شب میں خواب دیکھا کہ علماء کی بزم میں بیٹھا ہوں کہ اچانک کسی نے نداء کی کہ حضرت ابوالفضل العباس ع تشریف لا رہے ہیں یہ سنتے ہی حاضرین پر ایک رعب سا طاری ہو گیا کہ اچانک حضرت ع وارد بزم ہوئے چہرہ مبارک کے گرد ایک نور کا ہالہ تھا جس کی تابانی سے نظریں خیرہ تھیں خد و خال سے امیرالمومنین ع کی جھلک آ رہی تھی ، حضرت ع صدر نشین ہوئے میں اپنے تئیں گذشتہ جسارتوں کی وجہ سے ڈرا جا رہا تھا ،

حضرت نے بیٹھنے کے بعد حاضرین کی فرد فرد سے باری باری گفتگو کی اور جس وقت میری نوبت آئی حضرت ع نے فرمایا تم کیا کہتے ہو ، حضرت کے اس سوال سے ہوش و حواس باختہ تھے چاہتا تھا کہ کسی طرح اپنے کو بچائے جاؤں اور اپنے دانست میں اپنے نظریات کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور جو باتیں کل میں نے تم لوگوں سے کہی تھیں وہی کہہ دیا ،

حضرت ع ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا : میں نے بابا جان اور اپنے بھائی امام حسن ع اور امام حسین ع سے علم حاصل کیا ہے میں نے ان راہوں سے علم حاصل کر کے اپنے کو یقین تک پہونچایا ہے اور تم ابھی تک امامت میں شک کر رہے ہو ، آیا ایسا نہیں ہے ؟ مجھ میں قوت و جرأت نہیں تھی کہ حضرت ع کی فرمائشات کا انکار کرتا ،

حضرت ع نے دوبارہ فرمایا ، تم نے جس استاد سے علم حاصل کیا ہے اس کے حالات تم سے زیادہ بدتر ہیں ،

سنو ! تمہارے پاس حق معلوم کرنے کیلئے چند اصول و قواعد ہیں جن کی مدد سے احکام

معلوم کرتے ہو اور جاہلوں کو بتاتے ہو ہم نے احکام خدا براہ راست مخزن وحی سے دریافت کیۓ ہیں ،

پھر حضرت ؑ نے اپنے فضائل ، صبر، ایثار کرم ، شجاعت اور جہاد کا تذکرہ فرمایا اور کہا کہ اگر ان صفات کا معمولی سا حصہ تم لوگوں میں تقسیم ہو جائے تو تملوگوں میں تحمل کی طاقت نہیں رہے گی ،

اس کے برخلاف تم میں حسد، خود غرضی ، ریا، جیسی مذموم صفتیں پائی جاتی ہیں ،
پھر حضرت ؑ نے ایک طمانچہ میرے منھ پر رسید کیا جس سے میری نیند کھل گئی میں اس وقت اپنی تقصیر کی معافی کے لئے حضرت ؑ کے حرم میں آیا ہوا ہوں ،

یقین

حضرت عباس ؑ چونکہ خاندان امامت کی برجستہ ترین وشائستہ ترین فرد تھے لہٰذا سبھی فضائل و مناقب آپ کی سرشت میں پائے جارہے تھے ،

خاندان نبوت و امامت کی ساری شرافتیں آپ کو ورثہ میں ملی تھیں ،

آپ خاندان نبوت کے علم و عمل کی مناسب تصویر تھے ، اور اس گھرانے کی ساری خصوصیتیں آپ میں منتقل ہوئی تھیں ،

حضرت عباس ؑ ابن علی ؑ مسند شرف وفضیلت کے صدر نشین تھے آپ جس بزم میں وارد ہوتے آپ کی ہیبت و وقار سے حاضرین دم بخود ہو جاتے، حسن و جمال سے نظریں خیرہ ہو جاتیں آپ کے ذکر سے کانوں میں رس پڑتا ، محبت دلوں کی گہرائی تک اترتی جاتی گویا عباس ؑ کا سراپا علم و عمل شرف و سیاست کا مرقع تھا ،

اگر کوئی شخص حضرت عباس ؑ کے یقین محکم اور دینی بصیرت کا احاطہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ان دو راہوں کو طے کرنا ضروری ہے جب تک یہ دو راہیں واضح نہیں ہوں گی اس وقت تک آپکی دینی بصیرت اور یقین کامل کا اندازہ لگانا مشکل ہے ،

پہلی راہ یہ ہے کہ محقق آپ کی پوری زندگی کے حالات سے باخبر ہو یہ جانتا ہو کہ آپ نے کہاں سے سبقت کی اور کہاں سے گریز کیا، کسے معاف کیا اور کس سے انتقام لیا، کہاں نرمی برتی اور کہاں اپنے فیصلے پر جمے رہے،

اور ساتھ ہی ساتھ محقق کو بردبار، پختہ نظر، اور فکر عالی کا حامل بھی ہونا چاہیئے تاکہ جلد لغزش فکر و قلم کا شکار نہ ہو جائے،

دوسری راہ حضرت عباسؑ کے یقین و بصیرت کی شناخت کیلئے یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عباسؑ پر علمی قلمی کام کئے ہیں ان کے نگارشات کا دقت سے مطالعہ کرے اور اس سے نتیجہ نکالے، یا الہٰی تعلیمات سے سہارا لیتا ہوا تجزیہ کرے یا ان لوگوں سے مدد ے جو الٰہی تعلیم سے آشنا ہیں،

بلاشبہ حضرت عباسؑ نے اپنی ذاتی و ذہنی استعداد کی بناء معارف الہیہ کے اعلیٰ مدارج طے کئے تھے،

آپ کی تیز نظر حقائق پر پڑے پردوں کو چاک کر کے اصل مرکز تک پہنچ جاتی اور ہر شی کو اس کی اصل شکل و صورت میں معلوم کرتی لہٰذا اگر آپ نے جذبہ فداکاری کا مظاہرہ کیا تو آپ کے اس جذبہ ایثار میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہوتا بلکہ بھرپور یقین و بصیرت کے ساتھ انجام دیتے، اس جگہ شاعر حضرت ابوالفضل العباسؑ کی کیا خوب مدح سرائی کرتا ہے،

سِرُّ أبِيهِ وَهُوَ سِرُّ الْبَارِى — مَلِيكُ عَرْشِ عَالَمِ الْأَسْرَارِ
وَارِثُ مَنْ حَازَ مَوَارِيثَ الرُّسُلْ — أبُو الْعُقُولِ وَالنُّفُوسِ وَالْمُثُلْ
وَكَيْفَ لَا وَذَاتُهُ الْقُدْسِيَّةْ — مَجْمُوعَةُ الْفَضَائِلِ النَّفْسِيَّةْ

عباسؑ اپنے والد ماجد کے آئینہ دار ہیں اور ان کے پدر خدا کی تجلّی اور اسرار عالم سے باخبر ہیں،

عباسؑ اس علیؑ کے وارث ہیں جو تمام انبیاء کی میراث کا وارث ہے اور اس علیؑ کے نور نظر ہیں جو مرکز عقل و روح اور مثال ملکوتی ہیں،

اور ایسا ہونا بھی چاہیئے چونکہ آپ کی ذات عالم ہستی کے تمام فضائل

کا مجموعہ ہے،

حضرت ابو الفضل ع نے عراقیوں کو اپنے والد ماجد اور امام حسن ع کے زمانہ سے ہی پہچان لیا تھا لہٰذا آپ کو خبر تھی کہ یہ اپنے مقاصد کے حصول کیلئے ہر معمولی سے معمولی چیز پر سودا کر لیتے ہیں آپ کو یہ بھی اندازہ تھا کہ بنی امیہ کی قوت کیا ہے اور خون ریزی میں کس قدر بے باک ہیں آپ پر یہ بھی واضح تھا کہ امام حسین ع کے ساتھی کس قدر مختصر ہیں،

اگر حضرت عباس ع کے پاس کامل بصیرت دینی نہ ہوتی تو بہت آسانی سے لشکر یزید سے ملحق ہوکر ہر قسم کے مال و دولت و منصب و مرتبہ سے بہرہ مند ہو سکتے تھے اور اگر یہ نہ بھی ہوتا تو کم از کم غیر جانبدار بنکر اپنے کو خطرے سے بچا سکتے تھے،

لیکن علمدار حسینی چونکہ تقوی و فضیلت کا نمونہ و شاہکار تھے اور بصیرت دینی میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے لہٰذا آپ کا صرف اور صرف مقصد، امام حسین ع کی نصرت و مدد کرنا تھا اور اس راہ میں جس قدر تلخیاں برداشت کر سکتے تھے برداشت کیں،

حادثہ کربلا کے لاتعداد جزئیات آپ نے زبان امیرالمومنین ع و حسنین علیہم السلام سے سنے تھے اور پیغمبر اسلام ص نے جو باتیں اس سلسلہ میں کہی تھیں اس کا بھی آپ کو علم تھا لہٰذا ان تمام آگاہی و اطلاع کے بعد ایک لحظہ کیلئے امام حسین ع سے جدا ہونا گوارا نہیں کرتے تھے اور جیسے جیسے درس گاہ کربلا سے قریب ہوتے جا رہے تھے آپ کیلئے ہر پیشین گوئی عملی ہوتی جا رہی تھی جس سے آپ کے یقین کا دائرہ وسیع تر ہوتا جا رہا تھا،

جس وقت حضرت مسلم ع کی خبر شہادت اصحاب حسینی کو ملی تو ان میں سے اکثر کے قدم لڑکھڑا گئے اور بعض نے امام حسین ع کا ساتھ چھوڑ دیا کچھ ہی اللہ والے تھے جنہوں نے امام حسین ع کے ہمراہ رہنے کو ترجیح دی ان میں سرفہرست حضرت ابو الفضل العباس ع تھے جنہیں ایسے تلخ حالات متزلزل نہ کر سکے چونکہ یہ واقعات حضرت عباس ع کو ان کے مقصد یعنی نعمت شہادت سے قریب کر رہے تھے،

جیسے جیسے یہ قافلہ کوفہ سے قریب ہوتا جا رہا تھا ناگوار واقعہ کی خبر ملتی جا رہی تھی اور کوفیوں کی عہد شکنی کا یقین بڑھتا جا رہا تھا لیکن اصحاب امام حسین ع کو ایسے واقعات نہ یہ کہ متزلزل کرتے بلکہ عزم و ارادہ میں اور اضافہ کا سبب بن رہے تھے،

حسینی قافلہ نیزوں تلواروں اور ترکشوں کو گلے سے لگائے تیز قدم کربلا کی طرف بڑھتے جارہے تھے ایسا معلوم ہورہا تھا کہ کوئی عاشق ہے جو اپنے معشوق کے دیدار و وصال کیلئے افتاں خیزاں چلا جارہا ہے، اس قافلہ میں امام حسینؑ کے بعد دوسری برجستہ ترین فرد حضرت عباسؑ کی تھی،

شاعر کربلا کے قافلہ کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے !

رَکْبٌ حِجَازِیُّونَ بَیْنَ رِحَالِهِمْ تَسْرِی الْمَنَایَا أَنْجَدُوا أَوْ أَتْهَمُوا
یَحْدُونَ فِی هَزَجِ التِّلَاوَةِ عِیسَهُمْ وَالْکُلُّ فِی تَسْبِیحِهِ یَتَرَنَّمُ

حجازی قافلہ آگے بڑھتا جارہا ہے لیکن موت بھی قدم بہ قدم ان کے ہمراہ چل رہی ہے خواہ یہ قافلہ نجد میں فروکش ہو یا تہامہ میں،
قافلہ والے بڑے ولولے سے حدی خوانی کرتے چلے جارہے ہیں لیکن ان کی حدی خوانی کچھ اور نہیں تسبیح ہے،

بزم اصحاب

قافلہ حسینی کربلا سے قریب ہورہا ہے ناصران امام حسینؑ شہادت کی خوشی میں بے حد مسرور ہیں چونکہ ان کی شہادت سے دین کو استواری ملنے والی تھی اور بدعت کا خاتمہ ہونے والا تھا
شہدائے کربلا علیہم السلام چونکہ حق کی راہ میں نکلے تھے لہٰذا نہ راستے کی سختیاں انکو متاثر کرسکیں اور نہ کوفیوں کی بے وفائی ان کے عزم وارادہ میں خلل ڈال سکی اور نہ ہی زمانہ کے نشیب و فراز سے ہراساں تھے یہ لوگ حوادث کی زد پر چلے جارہے تھے چونکہ انھیں معلوم تھا کہ شہادت کی جس عظیم نعمت سے سرفراز ہونے والے ہیں یہ شرف ہر کس و ناکس کا حصہ نہیں بلکہ شہادت خدا کے مخصوص بندوں کو ملا کرتی ہے،
اس تصور نے انہیں آسودہ خاطر و مطمئن بنا دیا تھا ہر تیر و تبر کو بڑھ بڑھ کر گلے سے لگا رہے تھے اور جیسے جیسے سختی بڑھتی جارہی تھی بشاشت رخ میں اضافہ ہوتا جارہا تھا، اور جوں جوں

شامیوں کی طرف سے ظلم بڑھتا جارہا تھا ان کے وجود کی تابانی میں اضافہ ہورہا تھا، شاعر نے کربلا والوں کی تازگی طبع کا تذکرہ اپنے قصیدہ میں کیا ہے:

وَمُذْ أَخَذَتْ فِي نِينَوىٰ مِنْهُمُ النَّوىٰ ... وَلَاحَ بِهَا لِلْغَدْرِ بَعْضُ الْعَلَائِمِ

غَدَا ضَاحِكاً هٰذَا وَذَا مُتَبَسِّماً ... سُرُوراً وَمَا ثَغْرُ الْمَنُونِ بِبَاسِمِ

جب نینوی میں قافلہ فروکش ہوا توان لوگوں کو کوفیوں کی بعض بے وفائیوں کا پتہ چلا، ان کربلا والوں میں کوئی خندہ زن تھا تو کوئی مسکرا رہا تھا درانحالیکہ جو لوگ موت کی طرف بڑھتے ہیں ان کے چہروں سے خوشیاں نہیں جھلکتیں [۱]

انصار امام حسینؑ کے نشاط طبع کا ایک منظر شب عاشور دیکھنے میں آیا جب بریر نے عبد الرحمن سے کچھ مذاق کیا تو عبد الرحمن نے کہا بریر یہ وقت ہنسی مذاق کا نہیں ہے،

بریر نے جواب دیا خدا کی قسم مری قوم جانتی ہے کہ میں نے کبھی لغو باتیں نہیں کیں لیکن آج مری خوشی کی انتہا اس لئے نہیں ہے کہ میں اس ابدی نعمتوں سے بہرہ مند ہونے والا ہوں جسے جنت کہتے ہیں، حوریں آغوش کھولے میرا انتظار کررہی ہیں صرف دشمن کی ایک تلوار کا فاصلہ رہ گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھے ابھی شہید کردیں [۲]

اسی طرح کا ایک مکالمہ حبیب اور فرزند حصین کے درمیان کا بھی ہے جناب حبیب بن مظاہر مسکرا رہے تھے جس پر جناب یزید بن حصین نے کہا حبیب یہ وقت خوشیوں کا نہیں ہے،

حبیب نے جواب دیا اس سے زیادہ خوشی کا موقع کیا ہوسکتا ہے حوریں آغوش پھیلائے ہمارا انتظار کررہی ہیں ان حوروں اور ہمارے درمیان کا فاصلہ فقط ان ظالموں کی تلوار کے بقدر ہے [۳]

کربلا والوں میں تشنگی کے باوجود خستگی نہیں تھی کیونکہ وہ اپنی آنکھوں سے جنت کی بہاریں

۱۔ قصیدہ شیخ صالح کواز حلی،

۲۔ طبری ج ۶ ص ۲۴۱، مثیر الاحزان ۲۷، بحار ج ۱۰ ص ۲۴۱، قدیم،

۳۔ رجال کشی، نفس المہموم ص ۱۲۷،

دیکھ رہے تھے اور مسرتوں میں سرشار دشمن کے حملہ کا دفاع کر رہے تھے ،

انہیں شہیدوں میں جناب عابس ہیں جس وقت میدان خون وشہادت میں اترے اور دشمن کو مقابلہ کیلئے للکارا تو کوئی مقابلہ کیلئے نہ آیا کیونکہ یزیدی روباہ آپ کی دلاوری وبہادری کا چرچا پہلے ہی سن چکے تھے ،

جناب عابس نے یزیدی فوج کی اس بزدلی کو دیکھ زرہ وخود ، کو اتار کر پھینک دیا تاکہ فوج یزیدی میں مقابلے کی ہمت پیدا ہو سکے لیکن دشمن کمین گاہوں میں چھپے رہے ، اور گھات لگا کر کبھی پتھر مارتے اور کبھی تیر چلاتے تقریباً دوسو تیر وپتھر کے حملوں سے بہادر نے اپنے کو بچایا لیکن تا بہ کئے ، آخر ایک تیر قلب پر لگا عابس نے صحرائے کربلا سے گلزار جنت تک کا سفر چشم زدن میں طے کر دیا ،

جھوٹا طبری

بعض مورخین نے کربلا کی حقیقت پر ایسا پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ نہ عقل اسے قبول کرتی اور نہ دوچار کے علاوہ کسی نے اس کو صحیح مانا ہے انہیں جھوٹے مورخین میں طبری بھی ہے وہ لکھتا ہے ،

> یاران امام حسینؑ کربلا میں اس طرح خائف وہراساں تھے کہ جب کسی سختی سے روبرو ہوتے بند جسم کا پننے لگتا اور خوف سے چہرہ کا رنگ اڑ جاتا صرف کربلا والوں میں امام حسینؑ تھے جنکا رخ الانور چودھویں کے چاند کی مانند درخشاں تھا ،

اس طرح کی باتیں صرف اس لئے لکھیں کہ ان مورخین کے دل دشمنی آل محمدؐ سے بھرے ہوئے تھے جب اپنے دلی غبار کا اظہار اہلبیتؑ سے نہ کر سکے تو اپنے کینوں کو ان کے اصحاب باوفا سے نکالنے کی کوشش کی اور انھیں اپنے بغض وعناد کے تیروں کا نشانہ بنانے لگے درآنحالیکہ اصحاب حسینی کی شجاعت وجوانمردی کی مثال کہیں نہیں ملتی ایسے اصحاب نہ آنحضرتؐ کو

ملے اور نہ امیرالمومنینؑ و امام مجتبیٰؑ کو،

امام حسینؑ نے فرمایا :

نہ میرے اصحاب جیسے اصحاب کسی کو ملے اور نہ مرے اہلبیتؑ جیسے اہلبیت، میں نے ان سب کو آزمالیا ہے اور سب کو دلیر و شجاع و بہادر پایا یہ اپنی شجاعت و بہادری میں بے نظیر ہیں انھیں شہادت سے ایسا انس ہے جیسا بچے کو آغوش مادر میں چشمہ شیر سے ہوتا ہے،

ہمارے اصحاب کی نظروں میں دنیا بے قدر و قیمت ہے،ا

شخص آگاہ جانتا ہے کہ ایسے قلمکاروں کا مقصد اس طرح کی تحریر سے کیا ہے اور یہ لوگ جن اغراض و مقاصد کے پیش نظر یہ لکھتے ہیں وہ بھی سب پر عیاں ہے،

اس سے حیرت انگیز بیان محضر ملعون کا ہے وہ دربار شام میں یزیدؑ سے روداد کربلا بیان کرتے ہوئے کہتا ہے،

جب ہم لوگوں نے ان پر حملہ کیا تو وہ ہماری دلاوری سے ڈر کر درّوں اور آستینوں سے منہ چھپائے پھر رہے تھے،۲

کیسے ذلیل اور کور باطن ہیں یہ لوگ جو اس طرح کی باتیں کہتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کارزار کربلا میں شہادت کے شیدا انصار امام حسینؑ ہر طرح کے خوف و ہراس سے بے پرواہ ہوکر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے ان کی شجاعتوں نے جنگ صفین یا دوسری جنگوں کے غازیوں کی بہادریوں کو بھلا دیا تھا،

کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھیوں کی بہادری کوفہ کے کوچہ و بازار میں ضرب المثل بنی ہوئی تھی،۳

۱۔ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۴ و ۲۳۸،

۲۔ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۶۴،

۳۔ مناقب ابن شہر آشوب،

اے محفر ملعون ! کربلا کی دہشت وحشت خود تیرے اوپر ایسی مستولی ہے کہ خود نہیں جانتا کہ کیا کہہ رہا ہے یا وہاں کے خوف وہراس نے تجھ سے تیرا حافظہ چھین لیا ہے،

اگر کربلا کا واقعہ بھول گیا ہے تو کیا عورتوں کے بین اور یتیموں کے گریہ کو بھی بھول گیا جس نے کوفے کے پورے بازار کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا یہ رونے والے اس رو رہے تھے کہ خدا کے محبوب بندوں نے اپنی تلواروں سے ان کے باپ اور بھائیوں کو واصل جہنم کیا تھا،

او یزید شراب خوار کے سپاہی! تو اس وقت وارد کربلا ہوا جب حسینؑ کے انصار جام شہادت نوش کر چکے تھے اگر ان میں کا کوئی زندہ ہوتا تو تیری نخشُ ونخشِ شہ رگ حیات کو بھی قطع کر دیئے ہوتا،

سچا دشمن عمرو بن حجاج ہے جس نے انصار حسینی کے خلوص ونیت کو سراہتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو ان کے خلاف ان الفاظ میں بھڑکایا،

تمہیں خبر ہے کہ کس سے برسرپیکار ہو یہ وہ لوگ ہیں جو صاحبان شجاعت وفراست ہیں یہ شہادت کے خواہاں ہیں اگرچہ تھوڑے ہیں لیکن ان سے سربرہونا ممکن نہیں ان سے جنگ جیتنے کیلئے خون کے دریا سے گذرنا ہوگا خدا کی قسم اگر تلوار سے لڑو گے تو کٹ کر رہ جاؤ گے سنگسار کر کے ہی ان سے جیتا جاسکتا ہے،

عمر سعد نے کہا تم نے سچ کہا میں نے اپنے کسی سپاہی کو ان پر فتحمند ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اگر تم لوگ باری باری گئے تو قطعاً ان لوگوں سے بچ کر نہیں آسکتے ہو،[۱]

کسی نے عمر سعد کے فوجی سے کہا وائے ہو تجھ پر، تو نے خاندان مرسل اعظم ﷺ کو شہید کر ڈالا اس کا جواب تھا،

کوہ صفت انسانوں سے میرا مقابلہ تھا اگر میری جگہ وہاں تو ہوتا تو وہی

---

[۱] طبری ج ۶ ص ۲۴۹، مقتل محمد بن ابی طالب،

کرتا جو میں نے کیا تھا بپھرے ہوئے شیر کی طرح ایک گروہ ہملوگوں پر حملہ ور ہوتا ان کی سہم اگیں تلواریں ہمارے میمنہ و میسرہ کو خاک و خون میں غلطاں کر دیتیں،

وہ لوگ موت کے استقبال میں بڑھے جا رہے تھے ہماری دہایوں کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں تھی وہ لوگ نہ دنیا کے طالب تھے نہ حکومت و سلطنت کے خواہاں،

اگر ہم لوگ لمحہ بھر انھیں مہلت دیدیتے تو وہ ہمارے قلب لشکر کو تہہ و بالا کر دیتے ایسے میں ہم کر ہی کیا سکتے تھے [۱]

اصحاب امام حسین ع کی پائداری و بہادری کی گواہی خود دشمنوں نے دی ہے لہٰذا جس وقت حباب بریر کا قاتل گھر پہونچا ہے تو اس کی بہن یا بیوی جسکا نام نوار تھا اس سے کہتی ہے تو نے فرزند فاطمہ ص کے قتل میں مدد پہنچائی ہے قاریان قرآن کو شہید کیا ہے،

خدا کی قسم تو نے عظیم گناہ کیا میں تجھ سے کلام نہیں کرونگی اس نے جواب میں چند شعر پڑھے جسکا مضمون یہ تھا،

میں نے اپنی پوری عمر میں ایسے جوان نہیں دیکھے اور نہ مجھ سے قبل ایسے لوگ ہوئے،

ہنگام جنگ تلوار کے دھنی تھے جو بھی ناموس و حرم کا دفاع کرے بہادر ہے،

یہ لوگ خود و زرہ کے بغیر مصروف جنگ تھے تلواروں اور نیزوں کی ضرب کو اپنے جسموں پر روک رہے تھے،

اگر پیدل جنگ کرنے میں فائدہ ہوتا تو سواریوں کو بھی چھوڑ دیتے [۲]

کیا ان شہادتوں کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ حسینی سپاہیوں میں یزیدی فوج کی دہشت و وحشت تھی،

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابی الحدید ج ا ص ۳۰۷،

[۲] وَلَمْ تَرَ عَيْنِي مِثْلَهُمْ فِي زَمَانِهِمْ وَلَا قَبْلَهُمْ فِي النَّاسِ إِذْ أَنَا يَافِعُ

←

زہیر بن قین نے جس وقت امام حسینؑ سے اجازت جہاد چاہی تو کہا :

أَقْدِمْ هُدِيتَ هَادِياً مَهْدِيًّا   فَالْيَوْمَ أَلْقَىٰ جَدَّكَ النَّبِيَّا.

اے ہادی امت و مشعل ہدایت کیا آپ دغا کی اجازت مرحمت فرمائیں گے تاکہ جلد آپ کے جد بزرگوار مرسل اعظمؐ کی خدمت میں باریاب ہوسکوں،

آخر وقت جب خون آنکھوں سے جاری تھا مسلم بن عوسجہ نے حبیب سے وصیت کی تھی کہ :

حبیب سید الشہداءؑ کی نصرت سے دریغ نہ کرنا گویا آلام و مصائب جس سے فرزند عوسجہ دوچار ہوئے تھے اس نے ان کے توصلوں کو مضمحل نہیں ہونے دیا تھا،

ابو ثمامہ صائدی تھے جنہوں نے تیروں تلواروں کی بارش سے بے پرواہ ہو کر حضرتؑ کی خدمت میں عرض کیا تھا :

دشمن اپنا حلقہ ہم پر تنگ کرتا جارہا ہے زندگی اب بہت زیادہ باقی نہیں مری خواہش ہے کہ آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہوئے جام شہادت نوش کروں ،

امام حسینؑ نے جسکے جواب میں فرمایا تھا تم نے نماز کو یاد کیا خدا تمہیں نماز گذاروں میں قرار دے ۱؎

کیا یہ بزدلی کی علامت ہے ؟ جس وقت امام حسینؑ نماز کیلئے کھڑے ہوئے سعید حنفی حضرت کے سامنے کھڑے ہوگئے اور جو تیر یزیدؑ کے سپاہیوں کی طرف سے آتا اسے خم ہو کر اپنے جسم پر روک لیتے یہاں تک کہ زخموں کی تاب نہ لاکر زمین پر گر گئے اور امام حسینؑ سے عرض کیا !

أَشَدُّ قِرَاعاً بِالسُّيُوفِ لَدَى الْوَغَىٰ   أَلَا كُلُّ مَنْ يُعْطِي الذِّمَارَ مُقَارِعُ
وَقَدْ صَبَرُوا لِلضَّرْبِ وَالطَّعْنِ حُسَّراً   وَقَدْ نَازَلُوا لَوْ أَنَّ ذَٰلِكَ نَافِعُ

۱؎ طبری ج ۶، ص ۲۵۱،

کیا میں آپ کا وفادار رہا یا نہیں ؟

حضرت ؑ نے فرمایا :

تم میرے ساتھ جنت میں قدم رکھو گے ،

کیا خوف زدہ اس کو کہتے ہیں ؟ عابس نے جس وقت کارزار میں قدم رکھا ان کی مہارت جنگ سے ڈر کر دشمن کمین میں چھپ گئے جناب عابس نے خود وزرہ اتار کر پھینک دیا تاکہ دشمن مقابلہ کر سکیں ،

اسی طرح قبیلہ غفار کے دو جانثار حضرت ؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور روتے ہوئے جنگ کی اجازت چاہی ، حضرت ؑ نے فرمایا : کیوں رو رہے ہو چند گھنٹوں کے بعد جنّت کی نعمتوں سے بہرہ مند ہو جاؤ گے ؟

جواب میں جاں نثاروں نے کہا !

مولا ہم لوگ اپنے حالات پر گریہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ مجھے آپ کی مظلومی پر رونا آرہا ہے کیونکہ دشمن کا نرغہ سخت ہوتا جارہا ہے اور ہم آپ کا اور آپ کے اہلبیت ؑ کا دفاع کرنے پر قادر نہیں ہیں ،

امام حسین ؑ نے ان کی اس ہمدردی پر دعائے خیر دی ،

شوق شہادت کی ایک جھلک اس حدیث سے بھی واضح ہے ،

حضرت امام محمد باقر ؑ فرماتے ہیں ،

إِنَّ أَصْحَابَ جَدِّيَ الْحُسَيْنِ لَمْ يَجِدُوا أَلَمَ مَسِّ الْحَدِيدِ.

بہت تھوڑی دقت سے اس حدیث کے معنی سامنے آجاتے ہیں اور اصحاب امام حسن ؑ کے شوق و ذوق شہادت کا پتہ چل جاتا ہے ، زخم کے باوجود ان کے حوصلوں میں کسی طرح کی کمی پیدا نہ ہوئی چونکہ لقاء الٰہی کے شوق نے انھیں دنیا کی ہر اذیت والم سے بے پرواہ بنادیا تھا

قرآن حکیم سورہ یوسف میں اس جذبہ واشتیاق کا تذکرہ کرتا ہے ، جس وقت زلیخا نے اپنی سہیلیوں کے سامنے سے حضرت یوسف کو گذارا ہے تو وہ سہیلیاں جمال یوسف کے دیدار میں اس قدر محو ہو چکی تھیں کہ لیمو کے ساتھ ساتھ اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں لیکن متوجہ نہ ہوئیں ،

صاحب اغانی نے بھی اسی طرح کا ایک واقعہ لکھا ہے !
کثیر شاعر کے پاس عزت نام کی ایک عورت پہونچی شاعر اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا تیر بنا رہا تھا عورت کے حسن و جمال کو دیکھ کر ایسا محو ہوا کہ تیر تراشتے میں اپنی انگلیاں تراش ڈالیں، خون جاری ہوا لیکن ذرہ برابر تکلیف کا احساس نہ ہوا[۱]

یہ دونوں مثالیں ظاہری حسن و جمال کی تھیں کیا بلند و بالا مقام تھا اصحاب امام حسینؑ کا جن کی نگاہوں میں جمال خدائے ازلی تھا جو اس دار فانی سے عالم ملکوت کی طرف مائل پرواز تھے یہ تھا اصحاب امام حسینؑ کی جاں نثاری کا ایک منظر لیکن ان ساری فداکاریوں میں حضرت ابوالفضل العباسؑ سب سے آگے تھے ،

ٹڈی دل یزیدی کا لشکر دم بدم صحرائے کربلا میں بڑھتا جا رہا تھا تل رکھنے کی جگہ نہ تھی ہر طرف ایک شور، ہمہمہ، ہیا ہو، اور غلغلہ تھا گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور سواروں کے شور نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا لیکن اس کے باوجود حسینی جانبازوں کے عزم وارادہ میں کوئی خلل نہ پڑ سکا لشکر شام کی کثرت کی طرف شاعر نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے ،

بِجَحافِلٍ بِالطَّفِّ أَوَّلُها وَأَخيرُها بِالشّامِ مُتَّصِلُ

اصحاب امام حسینؑ کے روبرو ہونے والے لشکر کی ابتداء نینوا تھی اور انتہا شام ،

حضرت عباسؑ علمدار فوج شام کے بادل میں مثل چودھویں کے چاند کے درخشاں تھے یہ لشکر یزید شجر امامت کی بیخ کنی اور شگوفہ رسالت کو پراگندہ کرنے کیلئے جمع ہوا تھا ،

حضرت عباس بن علیؑ اپنی کامل بصیرت کی وجہ سے دشت خون میں امام حسینؑ کے ہمراہ رہے ورنہ وہ جانتے تھے کہ اگر امام حسینؑ سے علیحدہ ہو جائیں تو ہر طرح کی مصیبت و اذیت سے محفوظ رہیں گے ،

---

[۱] ج ۷، ص ۳۷،

شب عاشور

نہم محرم کا سورج ڈوب گیا شب عاشور آئی امام حسین ؑ نے اصحاب کو ان الفاظ میں مخاطب کیا :

هٰذَا اللَّيْلُ قَدْ غَشِيَكُمْ فَاتَّخِذُوهُ جَمَلاً، فَأَنْتُمْ فِى إِذْنٍ مِنِّى، فَإِنَّ الْقَوْمَ لَمْ يَطْلُبُوا غَيْرِى، وَلَوْ ظَفَرُوا بِى لَذَهَلُوا عَنْ طَلَبِ غَيْرِى، وَلْيَأْخُذْ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بِيَدِ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِى وَتَفَرَّقُوا فِى سَوَادِكُمْ هٰذَا:

تاریکی شب پھیلتی جارہی ہے تمہیں ہماری طرف سے اجازت ہے جدہر چاہو نکل جاؤ چونکہ یہ ہمارے خون کے پیاسے ہیں انھیں ہمارے علاوہ کسی اور سے کوئی سروکار نہیں لہذا تم خود بھی شب کے پردے میں نکل جاؤ اور اپنے ہمراہ ہمارے اہل خاندان کو بھی لیتے جاؤ [1]

حاضرین کے سکوت کو علمدار کربلا کے اس بیان نے توڑ دیا ،

ہم ہرگز آپ سے جدا نہیں ہوسکتے خدا ہمیں آپ کے بعد زندہ نہ رکھے ،

حضرت عباس ؑ کے اس ارشاد کے بعد سب کے حوصلے بلند ہوگئے بنی ہاشم اور قرابتداروں نے بہ یک زبان اپنے کو حضرت سید الشہداء علیہم السلام کے قدموں پر قربان کرنے کا تجدید عہد کیا ،

اصحاب امام حسین ؑ نے دنیا کی ساری لذتوں کو آخرت کی نعمتوں پر قربان کردیا تھا یہ سرفروش کربلا میں خیمہ زن نہیں تھے بلکہ بارگاہ ربوبیت میں فروکش ہونے والے تھے ،

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۳۸ ، مثیر الاحزان ص ۲۶ ،

اس موقع پر فرزندان عقیل کا بیان تھا،

آپ کے بعد زندگی بے کیف ہے ہملوگ آپ کی نصرت و مدد سے دریغ کرنے والے نہیں یہاں تک کہ آپ کی اقتداء میں اپنے بزرگوں سے جا ملیں،

ابن عوسجہ نے کہا:

اگر ہمارے پاس اسلحہ نہ بھی ہو تو پتھروں سے دشمن پر حملہ کریں گے یہاں تک کہ اپنے خون میں لہو لہان ہو جائیں،

سعید حنفی کہہ رہے تھے،

مولا! کیا آپ کو چھوڑ دوں قطعاً یہ نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ کر دوں کہ میں نے پیغمبر اسلامؐ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے عترت طاہرہ کی محبت میں اپنی جان کو آپ کے قدموں پر نثار کر دیا مولا! اگر آپ کی محبت میں شہید کیا جاؤں پھر دوبارہ زندگی ملے کہا: پھر شہید کیا جاؤں اور شہادت کے بعد مرے جسم کو جلا کر راکھ کر دیا جائے اور اس خاک کو ہوا میں منتشر کر دیا جائے اور ستر بار یہ عمل تکرار ہوتا رہے اس کے بعد بھی آپ کی حمایت و نصرت سے دست بردار نہیں ہو سکتا ہوں کیونکہ ایک بار ہی کی شہادت زندگی جاوید عطا کر دیتی ہے،

دوسرے اصحاب نے بھی تقریباً اسی مضمون کی تقریریں کیں جسکو شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے،

فَأجادُوا الْجَوابَ وَاخْتَرَطُوا الْبيـ — ـضَ اهْتِياجاً إلىٰ جِلادِ الأعادی

وَانْثَنَوْا لِلْوَغىٰ غِضابَ اُسُودٍ — عَصَفَتْ فِی الْعِدیٰ بِصَرْصَرِ عادِ

حَرَسُوهُ حَتّٰی اخْتَسُوا جُرَعَ الْمَوْ — تِ بِبيضِ الظُّبا وَسُمْرِ الصِّعادِ

سَمَحُوا بِالنُّفُوسِ فی نُصْرَةِ الدّ — ينِ وَأدُّوا فِی اللهِ حَقَّ الْجِهادِ

نہایت مناسب جواب دیا اور دشمن پر حملہ کرنے کے لئے شمشیر براں سے ٹوٹ

پڑے،

شیر غضبناک کی طرح لشکر دشمن پر آپڑے اور دشمن کو تہہ و بالا کئے ہوئے تھے جس طرح باد صرصر قوم عاد و ثمود کو تہہ و بالا کئے ہوئی تھی،

اور جب تک تیغ آبدار اور نیزہ کی انی نے سر و تن میں جدائی نہیں کی حضرت کی حفاظت کرتے رہے،

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے اخلاص وجذبہ فداکاری کے تحت دین کو استحکام بخشا اور حق جہاد ادا کردیا،

جس وقت حضرت امام حسینؑ کو انصار کے جذبہ فداکاری کا علم ہوا تو عاشور کے بھیانک دن کے حالات سے ان الفاظ میں مطلع فرمایا:

ہم سب بلکہ قاسم و اصغر شیر خوار بھی کل شہید کردیئے جائیں گے تنہا سید سجاد باقی رہیں گے چونکہ اماموں کے باپ ہیں،

پھر حضرتؑ نے مادی پردوں کو ان کی نظروں سے اٹھایا اور جانثاروں نے کربلا سے جنت میں اپنی اپنی جگہوں کو دیکھا [1]

شہادت سے قبل شہیدوں کا اپنی ابدی آرامگاہ کو امام ہمام کے ذریعہ دیکھنا کوئی قابل تعجب امر نہیں ہے، ساحران فرعون جب ایمان لائے اور فرعون نے ان کے قتل کا حکم دیا تو ان تازہ دم مومنین نے بھی اپنی اپنی جگہیں جنت میں دیکھی تھیں [2]

امان نامہ

متعدد بار اس کا تذکرہ کرچکا ہوں کہ کربلا وہ جگہ ہے جس نے حضرت ابوالفضلؑ کے

۱۔ خرائج راوندی، اسرار الشہادۃ ص ۴۰۰،

۲۔ اخبار الزمان ص ۲۴۷، طبری ج ۶ ص ۲۳۶، ابن اثیر ج ۶ ص ۲۶،

فضائل ومناقب کو دنیا میں اجاگر کر دیا،

حضرت ابوالفضلؑ کی عظمت وہمت اس وقت کھلکر سامنے آئی جس وقت ابن زیاد کا امان نامہ آپ کو ملا،

اس امان نامہ کو جناب ام البنین کے بھتیجے عبداللہ بن ابی محل نے ابن زیاد سے حاصل کیا تھا اور اپنے غلام کے ذریعہ کربلا روانہ کیا،

غلام کربلا پہنچا حضرت عباسؑ اور آپ کے بھائیوں سے کہا کہ میں آپ لوگوں کے لئے ابن زیاد کا امان نامہ لیکر آیا ہوں،

حضرت عباسؑ نے فرمایا مرے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن ابی محل کو میرا اسلام کہنا اور کہہ دینا کہ مجھے پسر سمیہ کے امان نامہ کی ضرورت نہیں ہے میرے لئے خدا کی امان دینا کافی ہے[1]

بھلا حضرت عباسؑ اس گھناؤنے امان نامہ کو قبول کر سکتے تھے، جن کی نگاہیں وہ دیکھ رہی تھیں جس سے دوسرے بے خبر تھے اور کان ان حقائق پر گوش بر آواز تھے جس سے دوسرے بے بہرہ تھے جو اپنے بھائی حسینؑ کی نصرت و مدد کے ذریعہ رضائے الٰہی کا مشاہدہ کر رہا تھا دم بدم جس کے کانوں میں غیبی آوازیں نعمات الٰہیہ کی بشارتیں دے رہی تھیں،

عباسؑ عظمت آل محمدؐ سے باخبر تھے عالم غیب انھیں اپنی طرف کھینچ رہا تھا شوق، لقائے الٰہی کی خاطر جلد از جلد امام وقت امام حسینؑ کے قدموں میں سر کٹانے کے لئے بے چین تھے،

ایسی حالت میں ابن زیاد معلون کا امان نامہ کیونکر متاثر کر سکتا تھا لہٰذا اس کے امان نامہ کو ٹھکرا کر خدا ورسولؐ کے وعدۂ امان کی طرف بڑھ گئے،

ایک بیان یہ بھی ہے کہ شمر چاہتا تھا کہ حضرت ابوالفضل العباسؑ کو امام حسینؑ سے چھڑا کر اپنی سپاہ میں شامل کرے لہٰذا لشکر امام حسینؑ تک پہونچا اور آواز دی،

کہاں ہیں میرے بھانجے عباسؑ، عثمان، ؟

لیکن نہ قمر بنی ہاشم نے اس ملعون کا جواب دیا اور نہ اپ کے بھائیوں نے، جس پر امام

---

[1] طبری ج ۶، ص ۲۳۶، تاریخ ابن اثیر ج ۴ ص ۲۳،

حسینؑ نے فرمایا: جواب تو دید و اگرچہ فاسق ہی کیوں نہ ہو،
تعمیل حکم سید الشہداءؑ کرتے ہوتے قمر بنی ہاشم نے فرمایا:
کیا چاہتا ہے؟
شمر: مرے بھانجو! میں تمہارے لئے امان نامہ لیکر آیا ہوں حسینؑ کا ساتھ چھوڑو
یزیدؑ کی بیعت کر کے زندگی کو خطرے سے بچا لو،
شیر کو جلال آگیا، فرمایا،
خدا تجھ پر اور تیرے امان نامہ پر لعنت فرمائے غضب ہے مجھکو تو امان ہو اور فرزند
رسولؐ کیلئے کوئی امان نہیں!!
تو اور مجھکو، ملعون ابن ملعون کی اطاعت کی دعوت دیتا ہے؟
شمر نے جس وقت حضرت کے جواب کو سنا پیچ و تاب کھاتا ہوا واپس ہو گیا[۱]
یہ رذیل و ذلیل سوچ رہا تھا کہ اس امان نامہ کے ذریعہ نسل عبد المطلب کے شمس و قمر کو امام حسینؑ کی حمایت سے منصرف کر کے یزیدؑ کا ہوا خواہ بنائے گا لیکن اس کی آرزو خاک میں مل گئی، جب حضرت نے فرمایا: تجھ پر بھی لعنت اور تیرے امان نامہ پر بھی لعنت،
شمر نے یہ چال اس لئے چلی تھی کہ اس کو علمدار کی ذہنی بصیرت کا علم نہیں تھا وہ دنیا کی لالچ دلا کر حضرت عباسؑ جیسے اسوہ سیادت و شرافت کو ذلت بار زندگی کی طرف دعوت دے رہا تھا لیکن کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت عباسؑ باطل کو حق کی جگہ اور ظلمت کو نور کے بدلے اختیار کرلیں اور امام حسینؑ کو چھوڑ کر پسر مرجانہ کے پرچم کے نیچے چلے جائیں؟ ہرگز نہیں،
جس وقت حضرت علمدار اپنے بھائیوں کے ہمراہ سرکار سید الشہداءؑ کے حضور میں واپس ہوئے اور شمر کی پیش کش کا ذکر کیا تو زہیر بن قین نے حضرت ابو الفضل العباسؑ سے کہا:
عباسؑ! آپ کو خبر ہے کہ آپ کے والد نے جناب عقیل سے کہا تھا کہ
ایک شجاع و بہادر خاندان کی خاتون کو نظر میں رکھو جس سے میں شادی

---

[۱] تذکرۃ الخواص ص ۱۴۲، اعلام الوری ص ۱۲۰،

کروں اور اس سے ایک شجاع و بہادر بچہ پیدا ہو جو کربلا میں حسینؑ کی نصرت کر سکے،

عباسؑ! حضرت امیر المومنینؑ نے آپ کو اسی دن کیلئے ذخیرہ کیا تھا امام حسینؑ و زینب کبریٰ کی نصرت و مدد سے منہ نہ موڑئے گا،

یہ سنتے ہی حضرت کو جلال آگیا زہیر سے کہا!

زہیر! مری شجاعت کو للکار رہے ہو، خدا کی قسم ایسی شجاعت دکھاؤں گا جسکو تم نے کبھی دیکھا نہ ہوگا[1]

حضرت کا یہ ارشاد حرف بحرف صحیح ہوا، جس وقت مشک سکینہ کو لیکر ترائی کی طرف چلے ہیں وہ جنگ کی کہ کفر کا سر و علم سرنگوں ہوگیا کشتوں کے پشتے لگ گئے درانحالیکہ حضرت عباسؑ کا ارادہ جنگ کرنے کا نہ تھا آپ کی ساری توجہ یہ تھی کہ کسی طرح پانی سوختہ جگر بچوں تک پہنچ جائے،

لیکن افسوس عباس بن علیؑ کی ساری آرزو خاک میں مل گئی اجل نے موقع نہ دیا کہ وہ اپنی شجاعت کا مظاہرہ کرتے اور صفحہ تاریخ پر اپنی شجاعت کا نقش لازوال مرتسم فرماتے،

وَلَا يَهُمُّهُ السِّهَامُ، حَاشَا — مَنْ هَمُّهُ سِقَايَةُ الْعِطَاشَا

فَجَادَ بِالْيَمِينِ وَالشِّمَالِ — لِنُصْرَةِ الدِّينِ وَحِفْظِ الْآلِ

عباسؑ کی ساری توجہ اس بات پر تھی کہ تشنہ لبوں کو سیراب کردیں لہٰذا جسم میں پیوست ہوتے ہوئے تیروں کی کوئی پرواہ نہیں کی،

اپنے بازوں کو راہ خدا میں دیدیا تاکہ دین کو استحکام مل جائے اور خاندان رسالت محفوظ رہ جائیں،

[1] الکبریت الاحمر ج۳ ص ۱۴۴، اسرار الشہادۃ ۳۸۷،

ایثار وجانبازی

کربلا میں حضرت عباس علمدار ؑ کے کارناموں کو دیکھنے کے بعد ہر محقق کو ماننا پڑے گا کہ آپ میں جذبہ ایثار وفداکاری اپنے انتہائی عروج پر تھی میں نے گذشتہ صفحات پر حضرت عباس علمدار کی جس بصیرت کا تذکرہ کیا ہے وہ حضرت عباس ؑ کی اعلیٰ فداکاری کی بھرپور ترجمان ہے ،

حضرت عباس ؑ کی فداکاری مدینہ سے شروع ہوکر کربلا تک اور عاشور کی صبح سے شروع ہوکر فرات کے کنارے زخموں و تیروں اور تلواروں پر تمام ہوتی ہے،

حضرت عباس ؑ کی اس سرفروشی کے بعد ماننا پڑے گا کہ وہ ایثار و فداکاری کے بلند ہمالہ پر فروکش تھے جہاں معرکہ کربلا میں کوئی اور فداکار نہیں پہنچ سکا اس بلندی ومقام کا راز آپ کی وہ عمیق و دقیق بصیرت تھی جسکا تذکرہ امام صادق علیہ السلام نے ان الفاظ میں فرمایا ہے،

كانَ عَمُّنَا الْعَبّاسُ نافِذَ الْبَصيرَةِ، صُلْبَ الإيمانِ:

چچا عباس ؑ عمیق دقیق بصیرت اور مضبوط و مستحکم ایمان رکھتے تھے،

حضرت امام عصر ؑ جو دلوں کے اسرار سے واقف ہیں زیارت ناحیہ میں اس طرح مخاطب ہیں :

السَّلامُ عَلىٰ أَبِي الْفَضْلِ الْعَبّاسِ، الْمُواسي أَخاهُ بِنَفْسِهِ، الْآخِذِ لِغَدِهِ مِنْ أَمْسِهِ، الْواقي لَهُ، السّاعي إِلَيْهِ بِمائِهِ، الْمَقْطُوعَةِ يَداهُ. لَعَنَ اللهُ قاتِلَهُ يَزيدَ بْنَ الرُّقادِ الْجُهَنِيَّ وَحَكيمَ بْنَ طُفَيْلٍ السَّنْبِسِيَّ الطّائِيَّ:

سلام ہو ابوالفضل العباس ؑ پر جنہوں نے اپنی جان بھائی پر فدا کی ، کیا بہترین توشہ سفر قیامت تک لئے فراہم کیا امام حسین ؑ کے محافظ تھے اور عترت رسول ؐ کی سیرابی کیلئے کوشش کی اور اسی جد وجہد میں اپنے دونوں

بازو قلم کروا دیئے خدا آپ کے قاتلوں یزید بن رقاد اور حکیم بن طفیل پر لعنت کرے،

جس وقت امام جعفر صادق علیہ السلام آپ کی قبر اطہر پر تشریف لائے تو فرمایا:

أشْهَدُ لَقَدْ نَصَحْتَ لِلّهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَخِيكَ، فَنِعْمَ الْأَخُ الْمُواسى:

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اللہ، رسولؐ اور اپنے بھائی کی راہ میں خیر خواہی فرمائی آپ حقیقتاً فدا کار بھائی تھے،

زیارت امام عصرؑ کا یہ فقرہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام

خدا سے جو خیر خواہی کی ——— وہ آپ کے دین و یقین کا نتیجہ تھی

رسولؐ خدا سے خیر خواہی ——— کمال توحید اور خدا پرستی کا نتیجہ ہے،

امام حسینؑ سے خیر خواہی ——— کمال دین اور اتمام نعمت کا نتیجہ ہے، جس سے اعمال قبول ہوں گے، قرآن کا ارشاد ہے،

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيناً:[۳]

حدیث پیغمبر اسلامؐ ہے

لَوْ أَنَّ عَبْداً صامَ وَصَلّىٰ وَزَكّىٰ وَلَمْ يَاتِ بِالْوِلَايَةِ ما قَبِلَ اللهُ لَهُ عَمَلاً أَبَداً:

اگر بندہ روزہ رکھے نماز پڑھے زکواۃ دے اور ولایت کا اقرار نہ کرے تو خدا اسکے اعمال کو قبول نہیں کرے گا،

ارشاد معصومؑ ہے

[أَيُّهَا النّاسُ الْزَمُوا مَوَدَّتَنا أَهْلَ الْبَيْتِ، فَإِنَّهُ مَنْ لَقِيَ اللهَ بِوُدِّنا دَخَلَ الْجَنَّةَ بِشَفاعَتِنا، فَوَالَّذى نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لايَنْفَعُ عَبْداً عَمَلُهُ إلّا بِمَعْرِفَتِنا وَوِلايَتِنا:

لوگو! ہم اہلبیتؑ کے دوست بنو کیونکہ جو ہماری محبت کے ساتھ خدا

سے ملے گا وارد جنت ہوگا اور ہماری شفاعت کا مستحق ہوگا خدا کی قسم جسکے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے کسی کو اس کا عمل فائدہ نہیں پہنچا سکتا ہے جب تک کہ ہم اہلبیتؑ ولایت و معرفت کا اقرار نہ کرتا ہو۔[1]

بہرحال امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد فرمانا کہ آپ امام حسین علیہ السلام کے خیر خواہ تھے اس کے معنی ہیں حضرت عباسؑ نے خدا و رسولؐ کے شایان شان نصرت و ہمدردی فرمائی،

اطاعت خواہ رسولؐ کی ہو یا امامؑ کی سب پر خدا کی اطاعت کا اطلاق ہوتا ہے، فرق صرف مراتب کا ہے خدا کی اطاعت، اطاعت بالذات ہے اور نبی اعظم کی اطاعت حکم خدا سے ہے اور ائمہ طاہرینؑ کی اطاعت نبیؐ و خدا دونوں کے حکم سے ہے،

امامؑ کا ہر زمانہ میں ہونا اس لئے ضروری ہے کہ امت اسلامیہ کو ہر دور میں ایک نبی کی ضرورت ہے چونکہ مرسل اعظمؐ کی حیات ایک محدود دور کیلئے تھی اور قرآن آپ کے بعد تمام مشکلات کا حل اپنے اندر رکھنے کے باوجود ایک راہنما کا محتاج تھا لہٰذا آنحضرتؐ نے اپنے بعد امت اسلامیہ کی دست گیری اور رموز و اسرار قرآن کی توضیح کیلئے ائمہ طاہرینؑ کو معین فرمایا تاکہ ناسخ و منسوخ مخصص و مقید جیسے موارد لوگوں پر واضح رہیں، لہٰذا قرآن میں آیۂ انّما اور آیۂ اطیعواللّٰہ دونوں میں رسول خداؐ اور آپ کی عترت طاہرہؑ کی طرف اشارہ ہے

لہٰذا امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام کی زیارت میں جس اطاعت کا تذکرہ کیا ہے اس سے مراد اولی الامر کی اطاعت ہے جس کی بازگشت خدا کی طرف ہے،

حضرت عباس علیہ السلام نے اپنی قربانی کے ذریعہ امام وقت امام حسینؑ اور سرورکائنات کی اطاعت کی اور ان بزرگوار کی خوشنودی کے سامان فراہم کئے،

اگر دقّت نظر سے حضرت امام صادق علیہ السلام کی زیارت کے فقرات کا جائزہ لیا جائے

---

[1] بحار ج ۲۷، ص ۹۳/۱۹۲، ح ۵۰،

تو واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عباس علمدار ؑ نے کربلا میں امام حسین ؑ کی نصرت صرف ایک بھائی اور بزرگ خاندان کے عنوان سے نہیں کی تھی بلکہ آپ نے جو کچھ کیا وہ امام وقت اور حجت خدا سمجھتے ہوئے انجام دیا تھا لہٰذا ان تصورات کے ساتھ امام حسین ؑ کی نصرت کے معنی ہیں کہ حضرت عباس ؑ نے پیغمبر اسلام ؐ کے رکاب میں جنگ کی ہے جو خدا کی رضا و خوشنودی کے لئے تھی،

حضرت عباس ؑ کی فداکاری کا ایک منظر اس وقت بھی دیکھنے میں آیا جب آپ نے نہر فرات میں قدم رکھا پانی کو چلو میں لیا اور پھینک دیا چونکہ آپ کو یہ گوارہ نہیں تھا حجت خدا حسین ؑ کے حرم تک پانی پہنچنے میں لحہ بھر کی تاخیر ہو خواہ یہ تاخیر ایک گھونٹ پانی پینے کے بقدر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ حضرت عباس ؑ جانتے تھے کہ امام وقت امام حسین ؑ کا زندہ رہنا واجب ہے اور دینی مسئلہ ہے، لہٰذا حضرت عباس ؑ نے فرمایا:

تَاللهِ ما هٰذا فِعالُ دینی.

خدا کی قسم حسین ؑ کے بغیر پانی پینا ہمارے دین کا شعار نہیں،

چونکہ حضرت عباس ؑ امام حسین ؑ سے پانی لانے کا وعدہ کر کے گئے تھے پانی پینے کا نہیں لہٰذا اگر پانی پی لیتے تو بہر حال وعدہ خلافی ہوتی، اور حضرت عباس ؑ جیسا معصوم بالصفات کیسے اسکو برداشت کر سکتا تھا،

اس کے علاوہ پانی نہ پینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ایک دن حضرت امیر المومنین ؑ نے حضرت عباس ؑ کو بلایا گلے سے لگایا آنکھوں کا بوسہ لیا اور آپ سے وعدہ لیا کہ جب کربلا میں پانی تک تمہاری رسائی ہو جائے تو جب تک تمہارا بھائی حسین ؑ سیراب نہ ہوئے اس وقت تک پانی نہ پینا [۱]

لہٰذا حضرت عباس ؑ علمدار نے کربلا میں چلو سے پانی اس لئے پھینکا تھا چونکہ حضرت امیر المومنین ؑ کی تاکید تھی،

---

[۱] النقد النزیہہ ج ۱ ص ۱۰۰، مولف شیخ عبد الحسین حلی،

لغزش تاریخ

عباس بن علی علیہ السلام نے صرف جذبہ فداکاری وجانثاری کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ صحرائے خون وشہادت میں تشویق شہادت کے فریضہ کو بھی ادا کیا تاکہ ثواب صبر بھی حاصل ہوجائے لہٰذا آپ نے اپنے بھائیوں سے کہا

کارزار کربلا میں جلد جاؤ اور فرزند رسولؐ پر اپنے کو نثار کردو چونکہ تملوگوں کے پاس اولاد نہیں ہے ،

حضرت عباسؑ کی اس گفتگو کا مقصد یہ تھا کہ بھائیوں کو ان کے اہم فریضہ سے آشنا کردیں کہ اس کربلا میں جمع ہونے کا مقصد صرف اور صرف دین خدا کو استحکام بخشنے کیلئے ہے اور چونکہ ان لوگوں کے پاس نہ اولاد ہے اور نہ کوئی دوسری ذمہ داری لہٰذا شہادت میں تاخیر نہ کریں حضرت کے بھائیوں نے بھی آپ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے میدان کارزار کا رخ کیا اور جام شہادت نوش فرمایا ،

اس جگہ طبری سے حیرت ہے وہ لکھتا ہے !

عباسؑ نے اس لئے اپنے بھائیوں سے کارزار کربلا میں جانے کے لئے کہا تھا چونکہ وہ لاولد تھے عباسؑ ان کی میراث کے خواہاں تھے [1]

اسی طرح ابوالفرج اصفہانی لکھتا ہے ،

عباسؑ نے اپنے لاولد بھائی جعفر کو میدان کربلا میں روانہ کیا تاکہ ان کی میراث کے وارث بن سکیں جعفر میدان کربلا میں گئے ہانی بن ثبیت نے ان پر حملہ کیا اور شہید کرڈالا ،

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۷ ،

مقتل العباس میں تحریر ہے،

ابو الفضل العباسؑ نے اپنے حقیقی بھائیوں کو میدان جنگ میں روانہ کیا تاکہ ان کی میراث کے وارث ہوسکیں بھائیوں کی شہادت کے بعد خود بھی شہید ہو گئے اور سب کی میراث ابو الفضل العباسؑ کے فرزند عبداللہ تک منتقل ہوئی،

عبداللہ اور عمر بن علی علیہ السلام کے درمیان اس میراث کے لئے اختلاف ہوا لیکن کچھ پیسوں پر آپس میں صلح ہو گئی،

مورخین اور ارباب مقاتل میں صرف دو نفر ہیں جنہوں نے مسئلہ میراث کو پیش کیا ہے ورنہ انصاف پسند جانتے ہیں کہ یہ صرف اور صرف بہتان ہے،

پتہ نہیں کیسے ان دو قلمکاروں نے میراث کو عنوان قرار دیا جبکہ میراث کے اصولوں کے حساب سے جناب ام البنین زندہ تھیں جو طبقہ اولی میں تھیں اور حضرت عباسؑ جیسا انسان جو خانہ اہلبیت علیہم السلام میں بڑھا پلا ہو وہ ان حقائق سے آگاہ و آشنا نہ ہو لہٰذا میراث کا شاخسانہ طبری و اصفہانی کا خود ساختہ مسئلہ ہے،

ان سب سے قطع نظر ایسی رکیک حرکت نہایت پست انسان سے بھی صادر نہیں ہوسکتی ہے وہ بھی اس وقت جب سر و تن کی بازی لگی ہوئی ہو، درآنحالیکہ اسے خود بھی معلوم ہو کہ بھائیوں کے بعد خود جام شہادت نوش کرے گا اور مال دنیا سے خود اسے کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں ہے کیا صرف اولاد کے لئے ایسا کرے گا، ؟ ہرگز نہیں،

ان مورخین نے اس اتہام کے ذریعہ حضرت ابو الفضلؑ العباس علیہ السلام کے دامن طہارت و شرافت کو داغدار کرنا چاہا ہے،

میرا کوئی قاری اس بات کو گوارہ نہیں کرے گا اگر اس کے لئے یہ کہا جائے کہ اس نے اپنے بھائیوں کو میراث کے لئے موت کے منہ میں ڈالا ہے اس عمل کو گرے سے گرا انسان اپنے لئے پسند نہیں کرسکتا ہے، چہ جائیکہ حضرت ابو الفضل العباسؑ،

اے مورخ بے انصاف جس چیز کو تم اپنے لئے گوارہ نہیں کرتے اس کو کیوں کر

سردار شجاعت وسیادت وشہادت کیلئے پسند کرتے ہو جس نے اپنی جان کو حجت خدا کے قدموں پر قربان کردیا،

جس نے مدرسہ رسالت وامامت سے تحصیل کیا تھا جس نے اپنے والد ماجد حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اور معصوم بھائی حضرات حسنین علیہم السلام سے معارف الٰہی حاصل کئے تھے،

جگر گوشہ رسول ص اور پارۂ دل بتول پر اپنے بھائیوں کو ابوالفضل ع نے اپنے سے قبل کیوں قربان کیا، اگر قدرے تامل کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت کا مقصد یہ تھا کہ،

بھائیوں کے غم میں سوگ نشیں ہو کر اجر الٰہی کے مستحق قرار پائیں اور آخرت میں حضرت قہار کی عدالت میں ان کے خون ناحق کا مطالبہ کرسکیں کیونکہ یہ لوگ اولاد نہیں رکھتے تھے جو ان کی وارث قرار پاتی،

یا حضرت بھائیوں کی طرف سے مطمئن ہونا چاہتے تھے کہ انہوں نے راہ دین ونصرت امام حسین ع میں جان قربان کردی،

اس کا ثبوت ارشاد اور مثیر الاحزان میں ملتا ہے [۱]

حضرت عباس ع نے اپنے بھائیوں سے کہا!

تم لوگ جاکر حسین ع پر فدا ہو جاؤ تاکہ میں دیکھ لوں کہ تم لوگوں نے خدا و رسول ص کے ساتھ خیر خواہی کی چونکہ تمہارے پاس اولاد نہیں ہے،

حضرت عباس علیہ السلام کا مقصد ترغیب شہادت سے یہ اندازہ لگانا تھا کہ بھائیوں میں شوق شہادت کس درجہ پایا جاتا ہے،

حضرت عباس علیہ السلام نے اس تقریر کے ذریعہ اپنے بھائیوں کو خیر وصلاح کی طرف بلایا تھا جو خود مہر ومحبت کا نتیجہ ہے،

دینوری اخبار الطوال میں لکھتا ہے حضرت عباس ع نے بھائیوں سے کہا:

---

[۱] شیخ مفید، ابن نما،

سرورِ عالم وسید مظلوم پر قربان ہو جاؤ یہ سنکر سب میدان کے
لئے روانہ ہوئے اور شہید ہو گئے

اگر حضرت عباسؑ کا مقصد بھائیوں کی شہادت سے میراث حاصل کرنا ہوتا تو پھر یہ نہ فرماتے کہ تم لوگوں کے غم میں مبتلا ہو کر ثواب صبر کا خدا سے خواہاں ہوں،

شاخسانہ میراث کے بے بنیاد ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر حضرت عباسؑ کے سارے بھائی آپ کے سامنے شہید ہو جاتے تو بھی ساری میراث کے وارث آپ کے فرزند عبداللہ نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اس وقت تک حضرت ام البنین امام حسینؑ حضرت زینبؑ وام کلثوم اور دوسرے مختلف البطن بھائی مثلاً اطرف، عبیداللہ، نہشلیہ، اس کے علاوہ اور بھی امیرالمومنینؑ کی دوسری اولادیں زندہ تھیں جو مانع میراث قرار پاتیں،

طبری اور اس کے ہم مشرب قلمکاروں نے ایسا اتہام کیوں لگایا شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ یہ مورخین حضرت عباس علیہ السلام کے اس جملے، " تم لوگ اولاد نہیں رکھتے " اس کی روح کو درک نہ کرسکے اور حضرت کے مقصود تک نہ پہنچ سکے کیونکہ حضرت کا اس سے مقصد ان کی میراث کو لینا نہیں تھا بلکہ یہ ظاہر کرنا تھا کہ تم لوگ جلد شہید ہو جاؤ چونکہ اولاد نہیں ہے جس کی مہر و محبت شہادت کی راہ میں تاخیر کا سبب ہو،

ان قلمکاروں نے دقت نظر کو کام میں نہ لیتے ہوئے خود ساختہ معنی کو حضرت عباسؑ کی طرف منسوب کیا اور ہمیشہ کیلئے تاریخ کو داغدار کر دیا،

اس اشتباہ کی ایک توجیہ شیخ عبدالحسین حلیؒ مرحوم نے اپنی کتاب " النقد النزیہ " میں فرمائی،

ان کا خیال ہے،

حضرت عباسؑ کے کلام میں " ارثکم " نہیں ہے بلکہ " ارزیکم " " رزیہ " سے ہے یعنی تم لوگوں کی مصیبت میں مبتلا ہوں،

مرحوم شیخ حلیؒ کا یہ احتمال بھی قرین قیاس ہے،

آقا بزرگ تہرانی کا خیال ہے کہ " ارثکم " نہیں ہے بلکہ " ارثیکم " ہے رثا و مرثیہ یعنی

تملوگوں کے سوگ میں بیٹھوں ،

اس طرح حضرت کا مقصد ترغیب جہاد سے بھائیوں کو حق کی راہنمائی کرنا مقصود تھا تاکہ جلد امام حسینؑ پر قربان ہو جائیں اور ان کی شہادت کے بعد حضرت عباسؑ مرثیہ وسوگ کے ذریعہ خدا کے نزدیک محبوب قرار پائیں ،

حضرت عباسؑ کے کلام سے ملتا جلتا کلام شوذب اور عابس بن شبیب شاکری کا ہے جس وقت عابس نے شوذب سے پوچھا تمہاری کوئی تمنا ہے ؟

شوذب نے کہا ،

میری خواہش ہے کہ تمہارے ہمراہ امام حسینؑ کی نصرت میں شہید کیا جاؤں

عابس نے کہا :

تم سے یہی امید تھی ، جاؤ امامؑ پر شہید ہو جاؤ تاکہ تمہاری سوگ نشینی کا ثواب خداوند کریم سے لے سکوں جس طرح اور اصحاب کے اجر کا خواہاں ہوں ،

اے شوذب ! اگر تم سے زیادہ کوئی اور مجھ سے قریب ہوتا تو اسکو خاک و خون میں آلودہ دیکھنا چاہتا تاکہ خدا مجھے اس کی سوگ نشینی کا اجر مرحمت فرمائے ، کیونکہ آج جس قدر زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب اکٹھا کر سکتا ہوں کر لوں چونکہ آج کے بعد عمل کا دروازہ بند ہو جائے گا صرف حساب ہی حساب کا سامنا رہے گا [۱]

---

[۱] طبری ج ۶ ص ۲۵۴ ،

ابوالفضلؑ

(۸)

ائمہ طاہرینؑ کی نظر میں

ارشاد امام جعفر صادقؑ

حضرت عباس علمدارؑ کی عظمت و منزلت کو معلوم کرنے کی ایک راہ حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کی حدیثیں ہیں کیونکہ آپ حضرات انسانوں کے اسرار نہفتہ سے باخبر ہیں،

لیکن افسوس صد افسوس وہ حدیثیں زمانہ کی دست برد سے نہ بچ سکیں،

مرحوم شیخ صدوق رہ اپنی کتاب خصال میں لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کی فضیلت و منقبت میں جو حدیثیں ارشاد فرمائی ہیں اسکو میں نے تفصیل سے مقتل حسینؑ میں جمع کر دیا ہے،

لیکن اس کتاب کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے فضیلت حضرت عباسؑ کی ساری حدیثیں بھی ضائع ہو گئیں یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے بہت سے ہمارے علمی ذخائر نابود ہو کر رہ گئے ہیں،

ہو سکتا ہے انہیں ضائع ہو جانے والے خبروں میں یہ حدیث رہی ہو جو امام جعفر صادقؑ نے فرمائی تھی جس کو صاحب عمدۃ الطالب نے ابو نصر بخاری نساب کے حوالے سے نقل کیا ہے حدیث یہ ہے،

كانَ عَمُّنَا الْعَبّاسُ بْنُ عَلِيٍّ نافِذَ الْبَصِيرَةِ، صُلْبَ الإِيمانِ، جاهَدَ مَعَ أَبي عَبْدِاللهِ، وَأَبْلَى بَلاءً حَسَناً، وَمَضىٰ شَهيداً.

ہمارے چچا عباس پختہ بصیرت، عظیم بنیش اور مستحکم ایمان کے حامل تھے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ بھرپور جانبازی و جہاد کا ثبوت دیتے ہوئے

شہید ہوئے ،

زیارات کے فقرے جو حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو تعلیم دیئے وہ سند و متن کے اعتبار سے علماء کے نزدیک صحیح و مستند ہیں ان سے بھی حضرت عباس ع کی عظمت و منزلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ان زیارت کے فقرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عباس ع سرحد عصمت تک پہنچے ہوئے تھے ،

جس وقت امام جعفر صادق علیہ السلام زیارت کے لئے آپ کے حرم میں مشرف ہوئے تو ان الفاظ میں دعائے اذن پڑھی ،

سَلامُ اللهِ وَسَلامُ مَلائِكَتِهِ الْمُقَرَّبِينَ وَأَنْبِيائِهِ الْمُرْسَلِينَ وَعِبادِهِ الصّالِحِينَ وَجَميعِ الشُّهَداءِ وَالصِّدّيقينَ، الزّاكِياتُ الطَّيِّباتُ فيما تَغْتَدي وَتَرُوحُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ أَميرِ الْمُؤْمِنينَ:

اے فرزند امیرالمومنین ع! خدا اسکے مقرب فرشتوں، رسولوں، صالح بندوں تمام شہداء و صدیقین کے پاک و پاکیزہ سلام ہر صبح و شام آپ پر ہوں ،

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت احدیت کے سلام سے شروع کیا ،

چونکہ !

خدا کی سلامتی ہمیشہ باقی رہنے والی نعمت ہے ،

پھر ملائکہ مقربین کے سلام کا تذکرہ کیا چونکہ ملائکہ عالم ملکوت کا مشاہدہ کرنے والے ہیں، پھر رسولوں کے سلام کو ذکر کیا چونکہ مرسلین کے تمام افعال خدا کی خوشنودی کیلئے ہوتے ہیں ،

پھر صالحین و شہداء کے سلام کو پیش فرمایا چونکہ یہ انبیاء و اوصیاء کے سچے پیرو ہیں عالم غیب جن کی نگاہوں میں ہوا کرتا ہے ،

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ان جملات نے واضح کردیا کہ فرشتے، انبیاء مرسلین بندگان صالح ، شہداء اور صدیقین سب بہ یک زبان حضرت ابوالفضل ع العباس پر دعائے رحمت بھیج رہے ہیں تاکہ اس راہ سے خدا کا تقرب حاصل کرسکیں ،

مرحوم قولویہ نے کامل الزیارات میں الزاکیات والطیبات لکھا ہے

درمیان میں واو عطف کے اضافہ نے اس کی طرف اشارہ کردیا کہ حضرت ابوالفضلؑ کو جو مرتبہ ملا ہے وہ کسی کی دعاؤں یا اسباب عادی کا مرہون منت نہیں ہے بلکہ یہ وہ مرتبہ ہے جو خاصان خدا کو ملتا ہے جو اپنے وجود کو ذات الٰہی میں جذب کر چکے ہوتے ہیں جن کا تعلق عالم مادہ سے منقطع ہو چکا ہوتا ہے اور عالم ملکوت میں غرق ہوتے ہیں،

حضرت امام حسینؑ کی زیارت میں حضرت امام جعفر صادقؑ فرمائے ہیں،

سَلامُ اللهِ وَسَلامُ مَلائِكَتِهِ فيما تَروحُ وَتَغدو وَالزّاكِياتُ الطّاهِراتُ لَكَ، وَعَلَيْكَ سَلامُ المَلائِكَةِ المُقَرَّبينَ وَالمُسَلِّمينَ لَكَ بِقُلوبِهِمْ وَالنّاطِقينَ بِفَضْلِكَ...»

آپ پر ہر شام و سحر خدا اور اس کے ملائکہ کا سلام، آپ پر پاک و پاکیزہ سلام، آپ پر ان مقرب ملائکہ کا سلام جنکے قلوب آپ کے لئے جھکے ہوئے ہیں اور آپ کے ثنا خواں ہیں،

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ زیارت بھی حضرت عباسؑ کی زیارت جیسی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ باعتبار مرتبہ حضرت عباسؑ امام حسینؑ سے ملتے جلتے ہیں،

حضرت امام جعفر صادقؑ حضرت عباسؑ کی زیارت کے آخر میں فرماتے ہیں،

أشْهَدُ لَكَ بِالتَّسليمِ وَالتَّصديقِ وَالوَفاءِ وَالنَّصيحَةِ لِخَلَفِ النَّبِيِّ المُرْسَلِ:

گواہی دیتا ہو کہ آپ جانشین مرسل اعظمؐ امام حسینؑ کے سامنے سر تسلیم خم کئے رہے حضرت کی منزلت کو قبول کرتے ہوئے تصدیق کی اور وفاداری کا ثبوت دیا،

اس جگہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کیلئے "تسلیم" کی لفظ استعمال فرمائی ہے،

کیفیت تسلیم، سالک الی اللہ کے مرتبوں میں سب سے بڑے مرتبہ کا نام ہے یہ وہ مرتبہ ہے جو رضا و توکل سے بھی اعلیٰ وارفع ہے کیونکہ رضا کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کے ارادوں کا پابند ہو جائے بندے کا ارادہ خدا کے ارادوں کا تابع رہے اور توکل کا اعلیٰ

ترین مرتبہ یہ ہے کہ انسان اپنے کو مشیت کے حوالہ کردے، مشیت کے ہاتھوں میں اس کی وہی حیثیت ہے جو زندہ کے ہاتھوں میں مردہ کی ہوتی ہے،

بہرحال رضا و توکل میں فرق یہ ہے کہ توکل کرنے والا کا اپنا کوئی ارادہ نہیں ہوتا،

کیفیت تسلیم ان دونوں سے بلند ہے کیونکہ اس کی نگاہوں میں خدا کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہوتی ماسوی اللہ ہر شئی صاحب تسلیم کی نظروں سے محو ہوتی ہے وہ اپنی ہستی کو محضر خدا وندکریم میں پاتا ہے اس مرتبہ تک رسائی بغیر بصیرت کامل اور یقین محکم کے ممکن نہیں، اسی مرتبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت امیرالمومنین ؑ نے فرمایا تھا: لَوْ كُشِفَ الْغِطاءُ ما آزْدَدْتُ يَقيناً:

اگر پردے ہٹ جائیں تو ہمارے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا،

امام جعفر صادق علیہ السلام نے زیارت میں یہ تین لفظیں تصدیق، وفا اور نصیحہ، بھی استعمال کی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام ان کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز تھے نہ کوئی تصدیق میں آپ سے آگے تھا اور نہ وفا و نصیحت میں کیونکہ ان تینوں صفتوں کا سرچشمہ بھی تسلیم ہی ہے،

کارزار کربلا میں حضرت عباس ؑ اپنے بھائی امام حسین ؑ و حجت خدا کی تصدیق کرکے مرتبہ حق الیقین حاصل کیا،

وفاداری کا مظاہرہ انسان یا قرابت و برادری کی وجہ سے کرتا ہے یا اس لئے کرتا ہے کہ خدا نے واجب قرار دیا ہے کہ اس کے اولیاء سے وفاداری کی جائے،

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے فقرات نے یہ واضح کردیا کہ حضرت عباس ؑ نے فقط بھائی و رشتہ دار اور فرزند رسول سمجھ کر امام حسین علیہ السلام کی نصرت نہیں کی بلکہ آپ امام حسین علیہ السلام کو حجت خدا اور امام واجب الطاعۃ سمجھ رہے تھے،

اگرچہ بھائی اور نواسہ رسول ص جیسے رشتوں کی بنیاد پر بھی نصرت کرنا قابل تحسین ہے لیکن حضرت جس مرتبہ حق الیقین پر فائز تھے اس مرتبہ پر وہ لوگ پہنچتے ہیں جو نفوس قدسیہ کے مالک اور عصمت کے حامل ہوتے ہیں،

امام جعفر صادق علیہ السلام کے فقرات اس کی شہادت دیتے ہیں کہ حضرت عباس ؑ

حضرت امام حسین علیہ السلام کو امام واجب الطاعۃ سمجھتے ہوئے نصرت فرما رہے تھے اگر یہ تصور نہ ہوتا تو امام جعفر صادق علیہ السلام یہ نہ فرماتے ،

اے فرزند امیرالمومنینؑ ! آپ نے جانشین بنی مرسل کی تصدیق فرمائی اور اظہار وفاداری فرمایا ،

اگر یہ پہلو نہ ہوتا تو جانشین کے بجائے ، فرزند رسولؐ یا بھائی یا فرزند امیرالمومنینؑ فرماتے لہٰذا حضرت عباسؑ کا رشتوں سے قطع نظر حضرت امام حسینؑ کی مدد و نصرت کرنا آپ کے اس اعلیٰ وارفع مرتبۂ ایقان کی ترجمانی کرتا ہے جس پر آپ کے علاوہ کوئی دوسرا فائز نہ تھا ، اگرچہ سبھی ناصر امام اپنی ایک منزلت رکھتے ہیں لیکن جو مرتبہ و منزلت حضرت عباسؑ کو حاصل تھی وہ کسی اور شہید کو حاصل نہیں تھی جس کی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ فقرہ اشارہ کرتا ہے کہ " لعنت ہو ان لوگوں پر جنہوں نے آپ کے حق کو ضائع اور آپ کے احترام کو نظر انداز کیا "

ان جملوں نے وضاحت کردی کہ حضرت عباس علیہ السلام کی ایک عظمت و منزلت اور عوام پر ان کا ایک حق تھا جس کو نظر انداز اور ضائع کیا گیا اور جن لوگوں نے آپ کے حق کو ضائع کیا وہ خدا کی لعنت و نفرین کے مستحق ہیں ،

اگرچہ شہداء کربلا نے نہایت اخلاص و پاکیزگی نفس کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام حسینؑ کے قدموں میں جان نثار کردی ، لیکن اس کے باوجود عباسؑ ابن علیؑ کے مرتبہ کا ان سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا ہے ،

بدر کے غازی

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ضریح ابا الفضل العباسؑ کے پاس جاکر آپکو اس طرح مخاطب کیا :

أَشْهَدُ وَأُشْهِدُاللهَ أَنَّكَ مَضَيْتَ عَلىٰ ما مَضىٰ بِهِ الْبَدْرِيُّونَ:

میں گواہی دیتا ہوں اور خدا کو گواہ بناتا ہوں کہ آپ نے اس راہ کو اختیار کیا جس کو بدر کے غازیوں نے منتخب کیا تھا،

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے علمدار کربلا کو بدر کے غازیوں سے اس لئے تشبیہ دی کہ دونوں میں دو بڑی مشابہت و مماثلت پائی جا رہی تھی،

(۱) بدر کے غازیوں میں چند کے علاوہ سبھی پختہ عقیدہ اور راسخ ایمان کے مالک تھے،

(۲) جنگی امکانات کے اعتبار سے بھی بدر کا اسلامی لشکر اپنے مقابل جیسا نہ تھا لشکر اسلام میں صرف دو گھوڑے تھے جو مرثد اور مقداد کے پاس تھے اور بہتر اونٹ تھے جن پر دو دو تین تین اسلامی مجاہد سوار تھے، لیکن اپنی اس کمی کے باوجود بدر والوں نے دشمن کے قلب کو لرزاں اور ان کے بہادروں کو خاک و خون میں غلطاں کر دیا تھا، ٹڈی دل قریش کو یا اسیر کیا یا آوارہ وطن بنایا گویا بدر کے معرکہ نے اسلام کی بنیاد کو تین ہزار ملائکہ کی مدد سے مضبوط کر دیا،

لیکن کربلا کے خونین معرکہ کا انداز ہی کچھ اور تھا موت کے عفریت منہ کھولے ہوئے ہر آن و لمحہ مظلوموں کو نگلنے کیلئے آمادہ تھے شاعر کہتا ہے

وَلِلْأَخْطَارِ وَجْهٌ مُكْفَهِرٌّ   يَشِيبُ لِهَوْلِهِ الْمُرْدِي الْغُلَامُ
تَرَى الْأَبْطَالَ مِنْ فَرَقٍ سُكَارَىٰ   يُدَارُ مِنَ الرَّدَىٰ فِيهِمْ مُدَامُ

کربلا میں کیا پرہول منظر تھا جس نے نوخیز جوانوں کو بوڑھا کر دیا تھا، بہادر خوف و دہشت سے مدہوش ہو رہے تھے اور شراب مرگ کا جام گردش کر رہا تھا،

ہاں کربلا اور بدر کے معرکہ میں ایک نمایاں فرق یہ تھا کہ وہاں سیرابی تھی اور یہاں پیاس سے جگر کباب ہو رہے تھے اہل حرم کے نالہ و شیون سے دل بیٹھے جا رہے تھے ان سرفروشوں کو نہ انسانی کمک کی توقع تھی اور نہ فرشتوں کی آمد کا انتظار،

یہ لشکر حوصلہ و اطمینان کے ساتھ لشکر کفر پر حملہ آور تھا ان کے دلوں کے سامنے آہنی

پہاڑ بھی متزلزل تھے ان کی ایک ہی آرزو تھی کہ اموی سلطنت کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیں، ہوا بھی یہی ان کی تمنائیں پوری ہو گئیں، ان کی آہوں نے اموی خرمن ہستی کو جلا کر راکھ کر دیا،

تاریخ شاہد ہے کہ بنی امیہ واقعہ کربلا کے بعد نحوست و بدبختی کا شکار ہو گئے تھوڑے دنوں کے بعد اس نجس وجود سے خدا کی زمین صاف ہو گئی اور زمانہ جاہلیت کے جو آثار دوبارہ نمودار ہو رہے تھے کربلا نے اس کو محو کر کے اسلام کو حیات نو بخشی،

کربلا کے اس اقدام کی وجہ سے کہا جاتا ہے

اَلْاِسْلَامُ نَبَوِیُّ الْحُدُوثِ وَحُسَیْنِیُّ الْبَقَاءِ:

مرسل اعظمؐ اسلام کا آغاز ہیں اور امام حسینؑ اس کی بقا،

بنی ہاشم کے نام امام حسینؑ نے کربلا سے جو خط مرقوم فرمایا تھا اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرما دیا تھا،

مَنْ لَحِقَ بِنَا مِنْکُمُ اسْتُشْهِدَ، وَمَنْ تَخَلَّفَ لَمْ یَبْلُغِ الْفَتْحَ.

جو ہمارے ہمرکاب رہے گا شہادت اس کے انتظار میں ہے اور جس نے ساتھ چھوڑ دیا وہ کامیاب نہیں ہو سکتا،

حضرتؑ کی مراد فتح سے ظاہری فتح و ظفر نہ تھی بلکہ حضرت نے اس آئندہ کی کامیابی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس سے کفر و الحاد کی بنیادیں منہدم ہو کر رہ گئیں اور شریعت مرسل اعظمؐ میں اموی سازشوں سے جو خس و خاشاک نمودار ہوئے ان کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو گیا اگرچہ اس راہ میں حضرت کو اپنا سارا سرمایا لٹا دینا پڑا،

تاریخ کربلا کا دقیق مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ امام حسینؑ کے بعد دوسری اہم ذات حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کی تھی جنہوں نے اپنی عظمت و منزلت کے باوجود امام حسینؑ کی نصرت فرمائی،

اگرچہ کربلا والوں کو امام جعفر صادق علیہ السلام نے غازیان بدر سے تشبیہ دی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نہ سیر و سیراب تھے اور نہ ملائکہ کی مدد ان کے شامل حال تھی لیکن اس کے باوجود صفحہ عالم پر اپنی شجاعت و دلاوری کا نقش لازوال مرتسم کر دیا،

دونوں جنگوں میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ کربلا میں جمع ہونے والی سپاہ دشمن بہت زیادہ منظم و مشاق تھی جنگی امکانات بھی بدر والوں سے زیادہ تھے، لشکر یزید کو حکومتی پیمانے پر کمک پہنچ رہی تھی، بدر میں جمع ہونے والے چند اسلام دشمن گروہ تھے جنکے لئے یہ احتمال بھی تھا کہ اگر شکست کھا جاتے ہیں تو پھر ان کا اتحاد منتشر ہو جائے گا،

قریش کا نو وارد مسلمانوں کیلئے یہ نظریہ تھا کہ وہ ضعیف و کمزور ہیں لہٰذا اپنی ہی طاقت کو کافی سمجھتے ہوئے مزید قبیلوں کی مدد کو ضروری نہ سمجھا اس کے برخلاف کربلا کے غازیوں کی قوت کا اندازہ شامی سپاہ کو تھا لہٰذا اسی معیار پر افراد و اسلحے جمع کیئے تھے،

اس تجزیہ و تحلیل کے بعد ماننا پڑے گا کہ کربلا کے حسینی انصار کو بدر والوں کی بہ نسبت زیادہ سختیوں کا سامنا تھا لہٰذا فضیلت کے اعتبار سے کربلا والوں کے اجر و ثواب اور فضیلت کا دائرہ بدر والوں سے زیادہ ہے،

لہٰذا اس تشبیہ سے امام جعفر صادق علیہ السلام کا مقصد بدر والوں کی برتری کو پیش کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ تقریب ذہن کیلئے یہ مثال دی جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے،

مَثَلُ نورِهِ كَمِشْكوةٍ فيها مِصباحٌ....:

ورنہ نور الٰہی اور نور چراغ میں کیا نسبت ہے نگاہیں نور اقدس الٰہی کے مشاہدے سے قاصر ہیں بصیرت ہے جس سے خدا کا ادراک و مشاہدہ کیا جا سکتا ہے،

اس کا ثبوت حضرت امام ششم علیہ السلام کی زیارت کے بعد والے فقرات سے ہوتا ہے جس میں امام ؑ نے فرمایا کہ خدا آپ کو تمام شہیدوں میں سب سے زیادہ اجر عنایت فرمائے لہٰذا ثابت ہے کہ کوئی اسلامی غازی و مجاہد سردار کربلا حضرت ابوالفضل العباس ؑ سے فضیلت میں اعلیٰ وارفع نہیں ہے حضرت کی وفاداری و جاں نثاری ہر ایک سے فزوں تر تھی،

حضرت ابوالفضل ؑ کی ایک اور خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں،

أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بالَغْتَ فِي النَّصِيحَةِ، وَأَعْطَيْتَ غايَةَ الْمَجْهُودِ، فَبَعَثَكَ اللهُ

فِی الشُّهَدَاءِ، وَجَعَلَ رُوحَكَ مَعَ أَزْوَاجِ السُّعَدَاءِ، وَأَعْطَاكَ مِنَ الْجِنَانِ أَفْسَحَهَا مَنْزِلاً وَأَفْضَلَهَا غُرَفاً:

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نصرت کا حق ادا کر دیا بھرپور کوشش فرمائی لہٰذا اللہ آپ کو شہیدوں کا ہم نشین فرمائے اور آپ کی روح کو نیکوکاروں کے ساتھ قرار دے اور جنت میں آپ کو وسیع ترین منزل اور بلند ترین مسکن عنایت فرمائے،

ان جگہوں پر "مبالغہ" سے مراد یہ ہے کہ ان شہیدوں نے توان بشری کے بقدر جو کچھ مدد و نصرت ہو سکتی تھی کی اُس طرح کے جملے عربی ادب میں رائج ہیں،

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ کربلا میں امام حسینؑ کے اصحاب نے حمایت و نصرت میں کسی قسم کا دریغ نہیں کیا بے شمار تاریخی ثبوت ان کی جانبازی کے سلسلہ میں پیش کئے جا سکتے ہیں اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ترک کر رہا ہوں،

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر اچھے عمل کی کمیّت و کیفیت کا انحصار خود انسان کی شناخت و معرفت پر ہوا کرتا ہے جسکا ایمان جس قدر بلند ہوگا اس کے عمل کی حیثیت بھی اسی اعتبار سے ہوگی وہ اپنے ایمان کی وسعتوں کے بقدر عمل کی انجام دہی میں جد و جہد کرے گا لہٰذا جس قدر جنگ میں شدت ہوگی اس کے دفاع کا انداز بھی اسی طرح شدید و قوی ہوگا، چونکہ کربلا میں یزیدی پورے شدّ و مد سے حجّت خدا امام حسینؑ کے خلاف جمع ہوئے تھے لہٰذا حضرت عباسؑ اور سپاہ حسینی نے بھی اسی انہماک و ولولے کے ساتھ اپنی حمایت کا اظہار و اثبات کیا،

باطنی جنگ یعنی جہاد بالنفس کے موقع پر بھی ایمان کی کمی و زیادتی اس کے افعال پر اسی اعتبار سے اثر مرتب کرتی ہے،

ایک راسخ ایمان والا جب نفس امارہ سے برسرپیکار ہوتا ہے تو پیہم اس کے حملوں کو دفع کرتا ہے اور آخر میں اس نفس سرکش پر تقوے کی لگام لگاتے ہوئے اسے عبادت خداوندعالم کا عادی بنا دیتا ہے اور پھر اس ریاضت و مشق کے بعد نفس ہر طرح کی سختی کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے،

اس سے بھی انکار نہیں کہ جنگ خواہ دشمن باطنی سے ہو یا دشمن ظاہری سے عمل کی قدر

وقیمت کا انحصار قصد قربت اور اخلاص پر ہونا چاہیے چونکہ یہ دونوں چیزیں محبت الٰہی کے بعد پیدا ہوئی ہیں،

اسی محبت الٰہی کیوجہ سے اطاعت وبندگی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جب تک محبت خالق نہیں ہوگی نہ تصور شکر نعمت پیدا ہوگا اور نہ قلب میں اس کا خوف جگہ پائے گا،

جب ہر شخص کے ایمان و القان کے درجے یکساں نہیں ہوتے تو قہری طور سے ہر شخص کے عمل کے درمیان بھی تفاوت ہوگا ہر صاحب کردار کی بینش اس کے عمل میں جھلکتی رہتی ہے اگرچہ کربلا کے ہر شہید نے دشت نینوا میں کسی طرح نصرت امام حسینؑ میں دریغ نہیں کیا لیکن یہ سارے شہید اپنی ساری قربانیوں اور جان فروشیوں کے باوجود شہید علقمہ کے ہمرتبہ نہیں ہوسکتے کیونکہ آپ کی بصیرت راسخ آپ کا علم وافر آپ کا ایمان محکم آپ کا کردار مضبوط آپ کا مقصد عالی تھا لہٰذا امام جعفر صادقؑ نے مذکورہ بالا الفاظ میں آپ کو مخاطب فرمایا یہ فضیلت قمر بنی ہاشمؑ سے مخصوص تھی جس میں دوسرا کوئی کربلا کا شہید شریک نہیں تھا،

شاید یہی وجہ رہی ہو کہ جس کی وجہ سے امام جعفر صادقؑ نے یہ فرمایا کہ خدا اس پر لعنت فرمائے جس نے آپ کے حق کو نظر انداز کیا اور آپ کی توقیر کو سبک سمجھا،

امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کا حسب ذیل جملہ بھی حضرت ابوالفضلؑ کی عظمت ومنزلت کو اور وسیع کر دیتا ہے آپ فرماتے ہیں،

وَرَفَعَ ذِکْرَکَ فِی الْعِلِّیِّیْنَ:

اللہ نے بزم علیین میں آپ کے تذکرہ کو بلند فرمایا،

حامی شریعت حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام نے علیین تک سفر کس بے کسی ومظلومی سے کیا ہے، سر پر گرز گراں لگا ہوا تھا، خون سے آپ کا سراپا لہولہان تھا شانے قلم تھے آپ کی اس حالت نے عالم قدس کے رہنے والوں کو حیرت زدہ کر دیا تھا، انبیاء مرسلین، معصومین ملائکہ مقربین حور وغلمان ارواح مومنین عرض کہ جس کا بھی عالم قدس سے ربط تھا وہ حضرت قمر بنی ہاشم کے جذبہ سرفروشی کو دیکھ کر حیرت زدہ تھا اور آپ کو اس نصرت کے صلے میں ابدی جنت کی خوشخبریاں دے رہا تھا،

یقیناً حضرت عباسؑ جس وقت خداوند عالم کے محضر تک پہنچے ہیں ایک عصمتی پیکر اور علمی سراپا رکھتے تھے، جلالت وہیبت آپ سے آشکار تھی اور نظروں میں جمال الٰہی کے دیدار کی تراوت وتازگی پائی جا رہی تھی، علم وعمل تقویٰ وطاعت اور جذبہ فداکاری کا نور بزم علیین کو منور کئے ہوئے تھا انھیں عظمتوں کی وجہ سے حضرت نے فرمایا کہ " اللہ نے علیین میں آپ کے ذکر کو بلند فرمایا "

ایسا نہیں کہ ملاء اعلیٰ میں حضرت عباس علیہ السلام کا ذکر پہنچا ہو بلکہ خود حضرت عباسؑ ملاء اعلیٰ وعلیین کے ساکن قرار پائے، کیونکہ ذکر تو ہر مومن خالص کا پہنچ سکتا ہے اسی لئے حضرت نے اپنے سلام میں " فی علیین " فرمایا " الی علیین " نہیں فرمایا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس ارشاد سے بھی آپ کی عجیب وغریب عظمت کی طرف اشارہ ہوتا ہے

لَعَنَ اللهُ اُمَّةً اسْتَحَلَّتْ مِنْكَ الْمَحارِمَ، وَانْتَهَكَتْ فيكَ حُرْمَةَ الْإِسْلامِ:

خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جنہوں نے آپ کو شہید کر کے محارم الٰہی یعنی جس چیز کو خدا نے حرام قرار دیا تھا حلال بنایا اور حرمت ووقار اسلام کو برباد کیا،

امام ششمؑ نے کسی اور شہید کو اس طرح مخاطب نہیں فرمایا اگرچہ ہر شہید کا اپنی جگہ ایک مرتبہ ہے اور کربلا کے شہیدوں کے فضل ومرتبہ تک کوئی دوسرا شہید نہیں پہنچ سکتا، شہدائے کربلا قداست وپاکیزگی کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں زیارت نیمۂ رجب میں امامؑ نے انہیں مہدی وطاہر کے لقب سے یاد فرمایا ہے حضرت کے الفاظ یہ ہیں

اَلسَّلامُ عَلَيْكُمْ يا مَهْدِيُّونَ، اَلسَّلامُ عَلَيْكُمْ يا طاهِرُونَ مِنَ الدَّنَسِ:

شہدائے کربلا جس زمین میں دفن کئے گئے وہ زمین پاک وپاکیزہ ہوگئی،

طِبْتُمْ وَطابَتِ الْأَرْضُ الَّتى فيها دُفِنْتُمْ:

شہدائے کربلا کی عظمت اپنی جگہ مسلم لیکن حضرت قمر بنی ہاشم علیہ السلام کو جس الفاظ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے مخاطب فرمایا ہے یہ اس مرتبہ کی نشاندہی کرتا ہے جو عصمت

سے بالاتر ہے کیونکہ عصمت سے بالاتر بھی کچھ مراتب ہیں امام جعفر صادق علیہ السلام نے جو لفظیں حضرت عباس ؑ کی زیارت میں استعمال فرمائی وہ حضرت علی اکبر کی زیارت میں صرف نہیں فرمائی ہے جبکہ بلاشبہ حضرت علی اکبر معصوم تھے،

لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عباس علمدار اس مرتبہ پر فائز تھے جو مرتبہ ائمہ طاہرین ؑ کے مرتبہ سے قریب اور ملتا جلتا تھا جس طرح اسلام نے ال محمد علیہم السلام کے وجود سے بقاء پائی اور آپ کی شہادت سے حرمت دین ضائع ہوئی، اسی طرح حضرت عباس علیہ السلام کے وجود سے اسلام کو بقا ملی اور آپ کی شہادت سے حرمت اسلام پامال ہوئی، یہ مرتبہ و منزلت یہ صاحب عصمت کو نہیں ملا کرتی بلکہ " تا نہ بخشد خدائے بخشندہ "

میرا خیال ہے کہ اس بیان کے بعد ضرورت باقی نہیں رہتی کہ حضرت عباس ؑ کے فضائل و مناقب، جذبہ فداکاری، علم تقویٰ، ملکہ فاضلہ اور عزت نفس وغیرہ سے متعلق کسی دوسرے امام کے قول کو پیش کیا جائے، کیونکہ حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام نے ان لوگوں کی توصیف و تعریف کی جنہوں نے ذرہ برابر راہ اسلام میں جذبہ فداکاری کا مظاہرہ کیا ہے تو حضرت عباس علیہ السلام کی کیونکر توصیف و تمجید نہیں فرمائیں گے جنہوں نے اپنے سر و تن کو راہ اسلام میں فدا کر دیا اور خود اسی شجرہ طیبہ کی ایک شاخ تھے،

اس کے باوجود فضائل حضرت سے متعلق امام زین العابدین علیہ السلام کی حدیث پیش کر رہا ہوں جس میں امام ؑ نے حضرت عباس ؑ کو جناب جعفر طیار کا ہم رتبہ قرار دیا ہے، آپ کے علاوہ کربلا کے دوسرے شہیدوں میں کوئی اس مقام و مرتبہ پر فائز نہیں ہوا ہے،

رَحِمَ اللّٰہُ عَمِّیَ الْعَبَّاسَ بْنَ عَلِیٍّ، فَلَقَدْ آثَرَ وَاَبْلٰی وَفَدٰی أَخَاہُ بِنَفْسِہِ حَتّٰی قُطِّعَتْ یَدَاہُ، فَأَبْدَلَہُ اللّٰہُ بِجَنَاحَیْنِ یَطِیرُ بِھِمَا مَعَ الْمَلَائِکَۃِ فِی الْجَنَّۃِ، کَمَا جَعَلَ لِجَعْفَرِبْنِ أَبِی طَالِبٍ.

وَإِنَّ لِلْعَبَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَنْزِلَۃً یَغْبِطُہُ عَلَیْھَا جَمِیعُ الشُّھَدَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ:[1]

---

[1] خصال ج ۱ ص ۳۵، باب خصال دوگانہ،

خدا چچا عباسؑ پر رحمت فرمائے جنہوں نے اپنے بھائیؑ کیلئے شایان جنگ کی، جذبہ فداکاری کا مظاہرہ کیا اور اپنے کو حضرت پر قربان کر دیا اور اپنے دو بازوں کو نثار کیا، اللہ نے اس کے عوض انہیں دو بازو عطا کئے جس سے وہ جنت میں ملائکہ کے ساتھ محو پرواز رہیں گے،

چچا عباس کی خدا کے نزدیک وہ منزلت ہے کہ تمام شہداء قیامت کے دن اس منزلت و مرتبہ پر غبطہ کرتے ہوئے اس کے پانے کی آرزو کریں گے،

ارشاد امام زین العابدین علیہ السلام میں لفظ "جمیع شہداء" استعمال ہوا ہے اس لفظ جمیع میں سارے شہداء کے ساتھ ساتھ خود جناب حمزہ و جعفر طیارؑ بھی شامل ہیں، لہٰذا اس لفظ جمیع سے یہ اندازہ ہوا کہ جناب عباسؑ کو جو منزلت و مرتبہ حاصل ہوا ہے اس پر جناب جعفر و حمزہ بھی فائز نہیں ہیں اگرچہ جناب حمزہ و جعفر خود ایک عظیم مرتبہ پر فائز ہیں اور تمام انبیاء کی رسالتوں کے شاہد ہیں،

صاحب الکبریت احمر نے اپنی کتاب میں نہایت استدلال سے یہ ثابت کیا ہے کہ مرتبۂ حضرت عباسؑ تک کوئی شہید نہیں پہنچ سکتا ہے [۱]

شہدائے کربلا کی تمام شہداء پر برتری کی تائید زیارت امام حسینؑ کے اس فقرے سے بھی ہوتی ہے

اَلسَّلامُ عَلَيْكُمْ أَيُّهَا الرَّبَّانِيُّونَ، أَنْتُمْ لَنا فَرَطٌ، وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ وَأَنْصارٌ، وَأَنْتُمْ سادَةُ الشُّهَداءِ فِي الدُّنْيا وَالْآخِرَةِ:٧

سلام ہو تم پر اے خدا پرستو! تم مجھ سے سبقت لے گئے ہم لوگ بھی تم لوگوں سے جا ملنے والے ہیں اور تمہارے یاور و انصار ہونگے تم لوگ دنیا و آخرت میں شہیدوں کے سید و سردار ہو [۲]

---

[۱] ج ۳ ص ۴۷، [۲] مزار بحار الانوار ۱۴۹،

جس سرفروشی کا تم لوگوں نے ثبوت پیش کیا ماضی و مستقبل میں اس
کی کوئی نظیر نہیں ہے [۱]

معصوم علیہ السلام کے ان فقرات نے شہدائے کربلا کی تمام شہیدوں پر برتری واضح کر دی چونکہ حضرت ابوالفضلؑ کربلا کے شہیدوں کی ایک فرد ہیں لہٰذا آپ میں دو اعتبار سے فضیلتیں جمع ہوگئیں ایک تو ذاتی فضیلت تھی جس کا تذکرہ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا اور دوسری سلسلہ شہدائے کربلا کی فرد ہونے کی حیثیت سے ،

حضرت عباسؑ اپنی انہیں عظمتوں کی وجہ سے آل محمد علیہم السلام کے اہم امور میں شریک رہتے لہٰذا جس وقت امام حسن علیہ السلام کو غسل دیا جا رہا تھا امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کو اپنے ہمراہ رکھا [۲]

امامت ایک ایسا عظیم مرتبہ ہے جس کے حقیقت تک پہنچنا ناممکن ہے امام کو غسل صرف امام ہی دے سکتا ہے حضرت عباسؑ کی وقت غسل امام حسینؑ کے ہمراہ موجودگی واضح کرتی ہے کہ آپ حضرات ائمہ طاہرینؑ کے بعد عالم امکان کی اہم ترین فرد ہیں ،

رحلت کے بعد ہر کس و ناکس نہ امام معصوم کے جنازے کے قریب ہو سکتا ہے اور نہ اس پر نظر ڈال سکتا ہے کیونکہ امام ملکوت اعلیٰ کی طرف سیر کرتا ہوتا ہے ، اور یہ وہ مقام ہے جسے "قاب قوسین او ادنیٰ" کہتے ہیں جہاں سید الملائکہ جبرئیل تک کی رسائی نہیں ہے ،

دو مسئلوں کے علاوہ جناب پیغمبر اکرمؐ کے تمام صفات میں حضرات ائمہ طاہرینؑ برابر سے شریک ہیں ،

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں ،

حضرت کو پروردگار عالم نے جو مرتبہ ظاہری و باطنی مرحمت فرمایا تھا ہم اہلبیتؑ اس میں شریک ہیں صرف نبوت اور بیک وقت

---

[۱] منتخب طریحی ،

[۲] ذخائر العقبیٰ ، ص ۱۴۱ ،

نوشادیاں حضرت کے امتیازات میں ہے،
رحلت کے بعد حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کا رشتہ عالم وجود سے منقطع ہو کر معبود ازلی و سرمدی سے متصل ہو جاتا ہے،

اسی لئے پیغمبر اسلام ص کو جب امیرالمومنین ع غسل دے رہے تھے تو فضل بن عباس بن عبدالمطلب آپ کے جسم اطہر پر پانی ڈالتے ہوئے آنکھوں پر پٹی باندھے ہوئے تھے کیونکہ پیکر حضرت ختمی مرتبت کو دیکھ نہیں سکتے تھے اور اگر نظر پڑ جاتی تو نابینا ہو جاتے،

جنازہ تو جنازہ ضریح ختمی مرتبت کے اندر نظر کرنے سے اندھے ہونے کا خوف ہے اسی لئے جب کوئی چیز حضرت کی ضریح میں گر جاتی تو مدینہ والے بچے کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر اندر بھیجتے،

یہ وہ حقیقتیں ہیں جنکو انسانی عقلیں درک نہیں کر سکتی ہیں لہٰذا ان روایات کا انکار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ روایات تو یہاں تک بتاتی ہیں کہ اہلبیت علیہم السلام شہادت کے بعد ایسے مراحل میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں غیر از معصوم ع کوئی پہنچ نہیں سکتا ہے،

حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کے اجساد طاہرہ زمین میں فنا نہیں ہوئے بلکہ تدفین کے بعد آسمان کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور وقت ضرورت اپنے جسم اصلی میں زندہ ہو جاتے ہیں،

یہ سب وہ چیزیں ہیں جو عقلاً ناممکن نہیں ہیں بلکہ دلیل نقلی اس کی تائید کرتی ہے اور علمائے اعلام نے بھی اس کی تائید کی ہے،

بیان شیخ مفید "ر"

مرحوم شیخ اپنی کتاب مقالات میں لکھتے ہیں کہ جو کوئی آل محمد علیہم السلام کی ضریحوں کے پاس مناجات کرتا ہے وہ حضرات اس کو سنتے ہیں اور حکم الٰہی سے شیعوں کے حالات سے باخبر ہیں،

مرحوم کراجکی، مرحوم مجلسی، اور مرحوم کاشف الغطاء نے اس عقیدہ کی تائید کی ہے [۱]

مرحوم نوری نے فرمایا ہے کہ زمین پر آل اطہار علیہم السلام کا گوشت و پوست حرام ہے دفن کے تین دن کے بعد جسد اطہر ملاء اعلیٰ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے [۲]

شیخ الاعظم قدوۃ السالکین مرحوم فتح علی سلطان آبادی نے نقل کیا ہے کہ نجف اشرف حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی زیارت کیلئے گیا زیارت کے بعد کربلا آ گیا، یہاں پہنچ کر خیال آیا کہ کیونکہ نہیں علمائے نجف اشرف سے اجساد طاہرہ آل محمد علیہم السلام سے متعلق سوال کیا کہ آیا زمین میں باقی رہتے ہیں یا فنا ہو جاتے ہیں، یہ خیال تھا جو گذر گیا اسی شب خواب دیکھتا ہوں کہ صحن امام حسین علیہ السلام میں حصیر پر ایک تر و تازہ جنازہ رکھا ہے جس سے خون جاری ہے میں نے پوچھا یہ کس کا جنازہ ہے تو کسی نے کہا کہ امام حسین علیہ السلام کا ہے کہا تم کو نہیں معلوم کہ اہلبیت علیہم السلام کے جنازے زمین کے اثرات سے متاثر نہیں ہوتے،

امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ کو غسل دے رہا تھا تو ملائکہ کو دیکھا کہ جبرئیل کے ساتھ زمین پر آئے اور قبر رسول اکرمؐ کے کھودنے اور غسل دینے میں میری مدد فرمائی اور جب میں نے آنحضرتؐ کا جنازہ قبر میں رکھا تو ملائکہ بھی اسی قبر میں روپوش ہو گئے

اور جس وقت امام حسنؑ امام حسینؑ امیرالمومنین علیہ السلام کو غسل دے رہے تو فرشتے رسول اللہ کی معیت میں آئے اور شہزادوں کی مدد کی،

اور جس وقت امام حسن کو سید الشہداء غسل دے رہے تھے آپ کی نصرت کے لئے پیغمبر اسلامؐ اور امیرالمومنین علیہ السلام تشریف لائے تھے، اور جس وقت امام محمد باقرؑ حضرت سید سجاد علیہ السلام کو غسل دے رہے تو اس وقت حضرت مرسل اعظمؐ حضرت امیرالمومنینؑ اور حضرات حسنینؑ زمین پر تشریف لائے تھے،

---

۱ کنز الفوائد، مراۃ العقول ج ا ص ۳۷۳، منہج الرشاد، ص ۵۱،

۲ دار السلام ج ا ص ۲۸۹،

بہر حال یہ بات ثابت ہے کہ جس وقت روح قفس عنصری سے پرواز کرتی ہے تو یہ حضرات عالم قدس کی طرف پرواز کرتے ہیں ان حقائق کو ہم درک نہیں کر سکتے ہیں خواہ طاعت و بندگی کے اعلیٰ مدارج ہی پر کیوں نہ پہنچ چکے ہوں،

اس کے برخلاف حضرت عباس علمدارؑ ایک عبد صالح کی حیثیت سے سید الشہداءؑ کے ساتھ کھلی آنکھوں سے امام حسن علیہ السلام کے غسل میں شریک رہے گذشتہ روایت کی روشنی میں وقت غسل صرف امام حسینؑ ہی نہیں تھے بلکہ حضرت مرسل اعظمؐ امیرالمومنینؑ اور جناب جبرئیل و ملائکہ بھی موجود تھے اس وقت حضرت عباسؑ کا ہونا ان کی عظمت و مرتبت کو اور نمایاں کر دیتا ہے، اسی لئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے زیارت کرتے وقت ،،عبد صالح،، سے خطاب فرمایا ہے جو انبیاء مرسلین اور مقربین کیلئے استعمال ہوتا ہے،

حضرت عباس علمدارؑ کی جلالت و عظمت اس کی شاہد ہے کہ وہ اس نفس قدسی و ملکوتی کے مالک تھے جو ہمارے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے پاس تھا،

اسی وجہ سے روز قیامت سارے شہداء، صدیقین اور صلحاء حضرت عباسؑ کے مقام و مرتبہ پر غبطہ کرتے ہوئے ان کے مرتبہ کی تمنا کریں گے،

فدیہ عباسؑ

فوج یزید شب نہم محرم کو خیمہ گاہ سے قریب ہوتی ہے اس وقت امام حسینؑ نے اپنے بھائی سے کہا:

عباسؑ!

اِرْكَبْ بِنَفْسِي أَنْتَ يَا أَخِي، حَتَّىٰ تَسْأَلَهُمْ عَمَّا جَاءَهُمْ:

بھیا تم پر قربان جاؤں دیکھو دشمن اس وقت کیا چاہتے ہیں،

حضرت عباسؑ بیس سواروں کے ساتھ جس میں حبیب ابن مظاہر اور زہیر بن قین بھی تھے فوج اشقیاء تک پہونچے اور ان سے خیموں کے گرد جمع ہونے کی وجہ دریافت کی،

یزیدی فوجیوں نے کہا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ یا آپ ابھی یزید کی حاکمیت کو تسلیم کریں یا جنگ کیلئے تیار ہو جائیں،

قمر بنی ہاشم حضرت عباس ع نے فوج یزید کے جواب سے حضرت امام حسین ع کو باخبر فرمایا حضرت نے دوبارہ بھیجا کہ جاؤ ان سے ایک شب کی مہلت لے لو،

عقل حیران ہے کہ امام حسین ع کے اس جملے "حسین ع تم پر فدا ہو جائے" کی کیا تشریح کروں یہ کوئی معمولی جملہ نہیں ہے کیونکہ امام حسین ع علت کائنات کا نام ہے، مخلوق اول کا نام ہے اور باعتبار فیض الٰہی اشرف مخلوق کا نام ——— یہ حسین اپنے کو حضرت ابو الفضل العباس ع پر فدا کر رہا ہے،

زیارت جامعہ کا فقرہ ہے،

بِكُمْ فَتَحَ اللهُ، وَبِكُمْ يَخْتِمُ:

کائنات کی ابتداء وانتہا آپ ہی سے ہے،

صاحب بصیرت اور ژرف نگر "بنفس انت یا اخی" کی عظمت و لطافت کو محسوس کر سکتا ہے یہ وہ جملہ ہے جس میں کسی طرح کا نقص و عیب و مبالغہ نہیں ہے، حقیقت ہے ع

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری،

ایسا نہیں

زیارت وارثہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد اصحاب امام حسین ع کے لئے ہے،

بِأَبِى أَنْتُمْ وَأُمِّى، طِبْتُمْ وَطابَتِ الْأَرْضُ الَّتِى فِيهَا دُفِنْتُمْ.

لہٰذا اگر امام حسین ع نے حضرت عباس علیہ السلام کے لئے "میں تم پر فدا ہو جاؤں" فرمایا تو کوئی تعجب کی بات نہیں امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہی بات اصحاب

امام حسینؑ کیلئے فرمائی ہے،

لیکن ارباب نظر جانتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد خود زیارت کرتے وقت کا نہیں ہے بلکہ جس وقت جناب صفوان نے کربلا والوں کی زیارت کے اداب دریافت فرمائے تو حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا

ا : کربلا پہنچنے کے تین روز قبل سے روزے رکھنا شروع کردو،

ب : جب کربلا پہونچو تو اللهُ أكبرُ كبيراً کہو، اور جب شہداءؑ کی زیارت کرنا تو ان الفاظ میں انھیں سلام کرنا اَلسَّلامُ عَلَيْكُمْ يا أوْلياءَ اللهِ.... ۱ے

شب عاشور

اس رات نے بھی عظمت ابو الفضل العباسؑ کو اجاگر کیا ہے، اندھیرا چھاتا جارہا ہے، سپاہ حسینی اور فوج یزیدؑ کے درمیان ایک خیمہ میں امام حسینؑ اتمام حجت کے لئے عمر سعد سے ملاقات کرتے ہیں تاکہ یزید کے گھناؤنے کردار اور خود حضرت کے لئے سرور کائنات نے جو ارشاد فرمایا ہے اس کو یاد دلائیں،

اس موقع پر امام حسینؑ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ،

عباسؑ و علی اکبر کے علاوہ سب اس جگہ رکے رہیں، ادہر عمر سعد نے بھی اپنے بیٹے اور غلام کے علاوہ سب کو خیمہ میں داخل ہونے سے روک دیا،

صحرائے کربلا میں جمع ہونے والے اصحاب و اعزار کے اخلاص نیت جذبہ وفاداری حضرت سید الشہداءؑ کے نزدیک مسلم تھی لیکن اس کے باوجود ان میں سے صرف حضرت عباسؑ و علی اکبر کو ہمراہ رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں پر حضرت عباسؑ و علی اکبرؑ کی وہ خصوصیت و برتری واضح ہوجائے جس سے دوسرے آگاہ نہیں تھے،

۱ے مصباح المتہجد،

حضرت عباسؑ واقعہ کربلا کے ہر موڑ پر امام حسینؑ کے ناصر و مددگار تھے اور سیدالشہداءؑ کی توجہ کا مرکز بنے رہے اس کا ایک منظر اس وقت دیکھنے میں آیا جب عاشور کے دن حضرت لشکر یزیدؑ کے روبرو خطبہ فرمارہے تھے درمیان خطبہ بچوں اور عورتوں کے نالہ وشیون کی آواز حضرت کے کانوں سے ٹکرائی فوراً حضرت عباسؑ کو حکم دیا کہ بچوں اور عورتوں کو خاموش کرائیں تاکہ دشمنوں کے نجس کانوں تک ان کی آوازیں نہ پہنچیں اور انکے حوصلے بلند نہ ہونے پائیں ،

تاخیر کیوں ؟

ایک سوال یہ ہے کہ عباسؑ جیسے ملکوتی صفات انسان نے سب کے بعد میں جان کیوں دی جب کہ ان کا ضمیر انھیں ہر آن ولمحہ فداکاری کی دعوت دے رہا تھا ،

عباسؑ جری نے کیونکر اپنی آنکھوں سے الٰ اللہ کو خون میں تڑپتے ہوئے دیکھا اہل حرم کے نالہ وشیون کو برداشت کیا جس سے پتھروں کے دل آب آب ہو رہے تھے ، حجت خدا امام حسینؑ پر یزیدی درندوں کی طرف سے کئے جانے والے مصائب والام کو تحمل کیا ، یہ ایسے موارد ہیں جنکے بعد ایک لمحہ کیلئے تاخیر پرچمدار کربلا کیلئے روا نہیں تھی ،

اس کا جواب کلام امام حسینؑ میں موجود ہے حضرت عباسؑ کو جو اہمیت وحیثیت تھی اس کے پیش نظر ان کا سب سے پہلے شہید ہونا مناسب نہیں تھا ،

امام حسینؑ آپ کو اپنی بقا کا ذریعہ اور آپ کی شہادت کو لشکر کی پراگندگی کا سبب تصور فرمارہے تھے لہٰذا جس وقت حضرت نے اجازت چاہی تو فرمایا

إذا مَضَيْتَ تَفَرَّقَ عَسْكَرِی:

اگر تم گئے تو لشکر تتر بتر ہو جائے گا ،

بلکہ آخر تک حضرت عباسؑ کو اجازت جنگ نہیں ملی صرف پانی لانے کے لئے اجازت دی تھی ،

کلام نور

ایک حدیث محقق عالیقدر السید محمد علی شاہ نے پیش کیا ہے جو حضرت عباسؑ کی فضیلت وعظمت پر روشنی ڈالتی ہے اس حدیث سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عباسؑ جس مرتبہ پر فائز تھے وہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کے مرتبہ سے ملتا ہے،

روایت یہ ہے!

واقعہ کربلا کے بعد جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام دفن شہداءؑ کے لئے تشریف لائے تو بنی اسد کو شہداء کے دفن کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی لیکن امام حسینؑ اور علمدار کے جنازوں کیلئے فرمایا کہ، میں خود انھیں دفن کروں گا کوئی ہے جو میری مدد کرے

امام حسینؑ کے لئے حضرت کا یہ اقدام تو واضح ہے چونکہ امام کے دفن وکفن کا ذمہ دار امام ہوتا ہے لیکن حضرت عباسؑ کو بھی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے امام حسینؑ ہی کے انداز سے خود دفن کیا یہ اس کی دلیل ہے کہ چونکہ دفن معصوم بدست معصوم ہوتا ہے، لہٰذا بنی اسد کو لاشہ ابوالفضلؑ کے دفن کرنے کی اجازت نہیں دی،

گذشتہ صفحات پر اشارہ کرچکا ہوں کہ معصوم روح کے فراق کے بعد مقام "قاب قوسین اوادنی" کی منزل میں ہوتا ہے یہاں تک رسائی انھیں لوگوں کی ہوسکتی ہے جنہیں خدا نے عصمت عطا فرمائی ہے،

عباس بن علیؑ کی عظمت ال محمد علیہم السلام کے نزدیک مسلم ہے، حضرت فاطمہ زہراؑ قیامت کے دن آل محمدؐ پر کئے جانے والے مظالم میں صرف حضرت عباسؑ کے بازوں کے قلم ہونے کا شکوہ فرمائیں گی اور انہیں دونوں ہاتھوں کو لیکر میدان محشر میں شفاعت کیلئے بڑھیں گی [1]

---

[1] اسرار الشہادۃ ص ۱۲۵، جواہر الایقان ص ۱۹۴،

عصمت ابوالفضل ؑ

حضرت باری تعالیٰ کیلئے ممکن ہے کہ وہ ایک ایسی مخلوق کو پیدا کرے جس میں کسی طرح کا نقص وعیب نہ ہو یا ایسا انسان پیدا کرے جس میں عصمت پائی جاتی ہو یعنی ہر طرح کے رجس وگناہ سے مبرّا ہو ،

جیسا کہ آیۂ تطہیر میں اہلبیت علیہم السلام کے ہر قسم کے رجس وگناہ کے دور رکھنے کا تذکرہ کر رہا ہے

اس آیۂ کریمہ کیلئے ارباب حدیث ورجال نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اس سے مراد پنجتن پاک ہیں ،

لیکن بعض سنی اہل قلم نے اس آیۂ مبارک کے ذیل میں ایسی بات لکھی ہے جس کو سنکر ما در داغدار بھی کھل کھلا کر ہنس پڑے ،

انھیں خرافات کیوجہ سے غیروں کو اسلام کی عیب جوئی کا موقع ملا ہے ،

یہ قلمکار حضرات لکھتے ہیں کہ ، حلیمہ سعدیہ آپ کی پرورش کے لئے اپنے قبیلہ میں لے گئی تھی آپ کا دو سال کا سن تھا بچوں کے ہمراہ تھے کہ دو سفید پوش نمودار ہوئے ایک کے پاس سونے کا ایک طشت تھا جس میں برف بھری ہوئی تھی دوسرے سفید پوش نے آنحضرت ؐ کے سینہ اطہر کو چاک کیا اور اس نقطہ سیاہ کو نکال لیا جو شیطان کے وسوسہ کا مرکز تھا ،

اس ابلہانہ بیان کے بعد یہ قلمکار اظہار خوشی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ خدا کا لطف آنحضرت ؐ کے شامل حال ہوا کہ انھیں اس مادہ فساد سے پاک وپاکیزہ کر دیا ،

مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ دو سالہ بچے پر کیسے اس آپریشن کو انجام دیا گیا نہ درد ہوا نہ خون ریزی ،

اگر دو سال کے بعد خدا آنحضرت ؐ سے اس نقطہ سیاہ کو آپریشن کے ذریعہ برطرف

کرسکتا ہے تو کیا آنحضرت ص جیسی شخصیت کو اس نقطہ سیاہ سے محفوظ نہیں رکھ سکتا؟

یقیناً خدا آنحضرت ص کو نقطہ سیاہ سے محفوظ رکھ سکتا تھا بلکہ رکھا آپ کو اپنے نور سے خلق فرمایا اور اپنے جلال وکبریائی کا مظہر قرار دیا سارے انبیاء پر فضیلت و برتری بخشی خود آنحضرت کا ارشاد ہے،

اللہ نے مجھے نور مخصوص سے خلق فرمایا مجھے آواز دی تو میں نے لبیک کہا،

آیا اس حدیث کے بعد تصور کیا جا سکتا ہے کہ خالق نے آپ کے وجود اقدس میں کسی قسم کا عیب ونقص رکھا ہوگا، اس کی ذات اس سے بلند وبرتر ہے،

آنحضرت ص کی توصیف کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے،

تِلْكَ نَفْسٌ عَزَّتْ عَلَى اللهِ قَدْراً ... فَارْتَضَاهَا لِنَفْسِهِ وَاصْطَفَاهَا

حَازَ مِنْ جَوْهَرِ التَّقَدُّسِ ذَاتاً ... تَاهَتِ الْأَنْبِيَاءُ فِي مَعْنَاهَا

لَا تَجُلْ فِي صِفَاتِ أَحْمَدَ فِكْراً ... فَهِيَ الصُّورَةُ الَّتِي لَنْ تَرَاهَا

اللہ کے نزدیک آپ کی بہت قدر ومنزلت تھی آپ کو اس نے اپنے لئے منتخب ومخصوص فرمایا،

آپ کو اس جوہر قدس سے خلق فرمایا کہ انبیاء اس حقیقت کے ادراک سے قاصر ہیں،

اپنی فکر کو احمد مرسل کے صفات کے ادراک میں مشغول نہ کرو وہ ایک ایسی حقیقت ہیں جو قابل فہم نہیں ہے،

اس آپریشن کی توجیہہ مختلف دانشمندوں نے کی ہے انھیں میں "سبکی" بھی ہے وہ لکھتا ہے،

خدا کو گوارہ نہیں تھا کہ نبی اکرم ص کے اعضاء جسم اور لوگوں سے کم ہوں لہذا وہ نقطہ سیاہ پیدا کردیا لیکن اس کی موجودگی شیطان کے وسوسہ کا سبب تھی لہذا بعد میں آپریشن کے ذریعہ برطرف کردیا،

تعجب ہے کہ "سبکی" نے اس نقطہ سیاہ کو عضو بدن قرار دیتے ہوئے ابتدائے خلقت میں اس کو ضروری سمجھا تا کہ آنحضرت ص باعتبار خلقت لوگوں کے برابر ہوسکیں، درآنحالیکہ خود سبکی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ص ختنہ شدہ پیدا ہوئے،

اگر خدا یہی چاہتا تھا کہ آنحضرت ص باعتبار خلقت لوگوں کے برابر رہیں تو ختنہ شدہ بھی نہیں پیدا کرنا چاہیے تھا چونکہ مساوات باقی نہیں رہتی، لہٰذا جب خدا نے ظاہر بظاہر نبی کے جسم میں کمی کردی تو اگر سینہ کے اندر ایک نقطہ سیاہ کو خلق نہ فرماتا تو کوئی مضائقہ نہیں تھا،

اگرچہ حلبی[1] نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ خدا نہیں چاہتا تھا کہ کسی کی آپ کے مقام مستور پر نگاہ نہ پڑے لہٰذا مختون پیدا کیا لیکن یہ جواب "سبکی" کے "قانون مساوات" کو حل نہیں کرتا،

بہرحال یہ ثابت ہے کہ خداوند قادر کیلئے ممکن ہے کہ وہ گناہوں سے پاک و پاکیزہ انسان کو خلق فرمائے جو اپنی عصمت کی وجہ سے لوگوں کے درمیان اس کی حجت قرار پا سکے اس کی حجتوں کیلئے یہ عصمت واجب ہے تاکہ انسانوں کو ہدایت مل سکے لیکن جن لوگوں کو اس نے اپنی حجت قرار نہیں دیا ہے ان کے لئے عصمت کا ہونا ضروری نہیں ہے لیکن ضروری نہ ہونے کے معنی یہ نہیں ہے کہ محال ہے،

ممکن ہے کہ خداوند عزیز نے کچھ ایسے بندے پیدا کئے ہوں جو اپنی طہارت باطنی اخلاص اور تقویٰ میں یگانہ روزگار ہوں اور ان لوگوں کو ان سے کم تر افراد پر پیشوا قرار دیا ہو ایسے صالح افراد باعتبار مرتبہ انبیاء سے کم ہوتے ہیں،

یہ افراد اگر ہمیشہ ذکر و فکر الٰہی میں غرق ہوں اور کبھی بھی خدا کی نافرمانی نہ کی ہو اس کے باوجود طرز زندگی و بندگی میں نبی کے محتاج ہوں گے،

لہٰذا جن لوگوں کے لئے عصمت حتمی و قطعی ہوتی ہے جیسے ہمارے معصومین علیہم السلام ان کی عصمت کو "عصمت استکفائیہ یعنی عصمت بے نیاز کہا جاتا ہے،

---

[1] حلبی ج ۱ ص ۵،

اس خود کفائی و بے نیازی کی وجہ علم لدنی ہوا کرتا ہے اس علم کی وجہ سے صاحب عصمت اپنی دنیوی واخروی زندگی میں کسی کی رہنمود کا محتاج نہیں ہوا کرتا ہے لیکن جو لوگ طرز زندگی و بندگی کے لئے کسی راہنما کے محتاج ہوتے ہیں ان کی عصمت " عصمت غیر استکفائیہ ہوتی ہے،

یہ دونوں صاحبان عصمت اپنی عصمتوں کے باوجود مذکورہ فرق کی وجہ سے اپنے علم ویقین میں بھی تفاوت رکھتے ہیں،

قمر بنی ہاشم حضرت عباس ؑ اپنی پاکیزگی و طہارت کے ساتھ ساتھ عصمت کے مرتبہ پر فائز تھے،

شیخ الطائفہ شیخ محمد طہ قدس سرہ نے اپنی کتاب اتقان المقال میں اس کا اعتراف فرمایا ہے وہ کہتے ہیں ۱؎

حضرت عباس ؑ کی عظمت اس قسم کی گفتگو سے بالاتر ہے مناسب ہے آپ کو حضرات آئمہ طاہرین ؑ کے ساتھ ذکر کیا جائے،

شیخ الطائفہ محمد طہ قدس سرہ نے یہ نہیں فرمایا کہ حضرت عباس علیہ السلام کو خاندان وحی میں شمار کیا جائے بلکہ صاف وصریح لکھا ہے کہ، حضرات ائمہ طاہرین میں شمار کیا جائے،

علامہ میرزا محمد علی اردو آبادی نے اپنے قصیدہ میں اسی نظریہ کو نظم فرمایا ہے،

أُجِلُّ عَبَّاسَ الْكِتَابِ وَالْهُدٰى — وَالْعِلْمِ وَالدِّيْنِ وَأَصْحَابِ الْعَبَا
عَنْ أَنْ يَطِيشَ سَهْمُهُ فَيَنْثَنِي — وَالْإِثْمُ قَدْ أَثْقَلَ مِنْهُ مَنْكِبَا
لَمْ نَشْتَرِطْ فِي ابْنِ النَّبِيِّ عِصْمَةً — وَلَا نَقُوْلُ إِنَّهُ قَدْ أَذْنَبَا
وَلَا أَقُوْلُ غَيْرَ مَا قَالَ بِهِ — «طٰهَ الْإِمَامُ» فِي الرِّجَالِ النُّجَبَا
فَالْفِعْلُ مِنْهُ حُجَّةٌ كَقَوْلِهِ — فِي الْكُلِّ يَرْوِي عَنْ ذَوِيهِ النُّقَبَا

حضرت عباس ؑ عالم قرآن ہیں راہ ہدایت اور علم ودین سے باخبر

۱؎ ص ۷۵

ہیں اور پنجتن پاک میں شامل ہیں ،

وہ ایسے پاک و پاکیزہ کردار کے حامل ہیں جس میں کسی طرح کی آلودگی نہیں جس طرح سے نشانہ باز کا تیر خطا نہیں کرتا ہے ،

میں مثل امام حسنؑ و حسینؑ انہیں عصمت کو شرط نہیں سمجھتا لیکن ان کے لئے کسی گناہ کا بھی قائل نہیں ہوں ،

برگزیدۂ الٰہی عباسؑ کیلئے میرا بھی وہی نظریہ ہے جو شیخ الطائفہ امام طہ نے اختیار کیا ہے ،

حضرت عباسؑ کا فعل بھی قول کی طرح حجت ہے آپ نے ہر جگہ ائمہ اطہار علیہم السلام کے اقوال کو نقل کیا ہے ،

کسی بھی صاحب تحقیق جید علماء شیعہ نے عصمت حضرت عباسؑ کا انکار نہیں کیا ہے ، آیۃ اللہ العظمیٰ الشیخ محمد حسین اصفہانی قدس سرہ نے آپ کی مدح میں جو قصیدہ کہا ہے اس میں حضرت عباسؑ کی جن عظمت و منزلت کا تذکرہ کیا ہے وہ قمر بنی ہاشم کو عصمت سے بھی بالاتر مقام تک پہونچاتی ہے ،

سقائے سکینہ کی عصمت کی مستحکم دلیل وہی ارشاد امام جعفر صادقؑ ہے جس کو گذشتہ صفحات پر نقل کر چکا ہوں جس میں حضرت نے فرمایا کہ خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جنہوں نے آپؑ کو شہید کر کے حرمت الٰہی کو ضائع کیا ،

یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ مسلمان خواہ کتنا ہی باعظمت کیوں نہ ہو اور اسلام کی خواہ کیسی ہی خدمت کیوں نہ کی ہو اس کے چلے جانے سے اسلام کی آبرو ضائع نہیں ہوتی ، اسلام کی آبرو فقط اور فقط امام معصوم سے مخصوص ہے لہٰذا جب تک حضرت عباس علیہ السلام کو علم و عمل میں حضرات ائمہ طاہرین کا ہم مرتبہ تسلیم نہ کیا جائے اس وقت تک ان الفاظ سے مخاطب نہیں کیا جا سکتا ، صرف فرق یہ ہے کہ آپ کی عصمت ، عصمت غیر واجب تھی ،

مزید حضرت عباسؑ کی عصمت کے اثبات کے لئے امام زین العابدینؑ کا یہ ارشاد ہے کہ :

چچا عباسؑ کی جو منزلت ہے قیامت کے دن تمام شہداء اس پر غبطہ کریں گے ،

امام زین العابدین علیہ السلام کے اس ارشاد میں " جمع الشہداء " نے ہر شہید کو شامل کر لیا ہے لہٰذا خود حضرت علی اکبر معصوم بھی اس میں شامل ہو گئے اگر حضرت عباسؑ معصوم نہ ہوتے تو کیا صاحب عصمت علی اکبرؑ ان کے مرتبہ کی تمنا کر سکتے تھے ، معصوم اپنے جیسے مرتبہ کو دیکھ کر غبطہ نہیں کرتا چہ جائیکہ اپنے سے پست کے مرتبہ و منزلت پر غبطہ کرے گا ،

ان تمام پہلوؤں کو دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ حضرات ائمہ طاہرینؑ کے بعد حضرت عباسؑ عصمت کے اعلیٰ و ارفع مرتبہ پر فائز تھے ، آپ کے علاوہ کوئی شہید اس مرتبہ پر فائز نہیں تھا ، اسی لئے قیامت کے دن شہداء اس مرتبہ کو پانے کی تمنا کریں گے ،

معجزات

اولیائے خدا ، یعنی وہ بندے جن کا گہرا ربط حضرت احدیت سے ہو ایسے خدا رسیدہ بندوں کو معبود قیامت میں تو اپنی نعمتوں سے نوازے ہی گا دنیا میں بھی اپنے اور بندے کے گہرے ربط کا اظہار کرتا رہتا ہے تاکہ دنیا والوں کو اس کی عظمت کا پتہ چل سکے اور دوسرے بھی مقام عمل میں اپنے کو اس کے جیسا بنا سکیں ،

بندہ جس قدر اپنے اعمال کو مخفی انجام دے خدا کا لطف اس پر زیادہ ہوتا رہتا ہے چونکہ وہ خوبیوں کو ظاہر کرتا ہے اور برائیوں پر پردے ڈالتا ہے ،

اسی اصول کی روشنی میں جو لوگ اس کی بارگاہ میں مقرب ہیں اور جنہوں نے اس کی راہ میں اپنی جانیں نثار کی ہیں ان کے قبوں اور مزاروں سے کرامات ظاہر ہوتے رہتے ہیں لہٰذا جس نے بھی ان اولیائے خدا کے توسل سے دعائیں کیں اس کی دعا مستجاب ہو گی اور مشکلات کا دم نکل کر رہ جائیگا ،

کیا کہنا اگر یہیں یہ قبہ و مزار کسی امام معصوم علیہ السلام کا ہو کیونکہ ساری کائنات

خداوند حکیم نے اہلبیت عصمت و طہارت ؑ کے لئے پیدا کی ہے تاکہ لوگ اہلبیت ؑ کی عظمت ومنزلت سے روشناس ہو سکیں، اور دنیا و آخرت کے ہر موڑ میں انہیں ذوات مقدسہ کے توسّل سے حاجتیں طلب کریں اور خدا کے لطف وکرم کا تقاضہ بھی ہے کہ دعاؤں کو مستجاب فرماکر لوگوں پر آل محمد ؐ کی عظمت کو آشکار فرماتا رہے ،

حضرت عباس علمدار اسی گھرانے کی ایک فرد ہیں جنکے لئے خدا کا فیصلہ ہے کہ جس طرح اس گھر کا نام بلند ہے اسی طرح حضرت عباس ؑ کا نام نامی بھی ساری دنیا میں بلند رہے گا چونکہ عباس ؑ بن علی ؑ نے راہ خدا میں جو کچھ تھا قربان کر دیا ،

لہٰذا خدا نے بھی اپنے صدیقین واولیاء کے لئے جو فیصلہ کیا ہے اسی کی روشنی میں حرم عباس ؑ کو حاجتمندوں کا قبلہ بنا دیا کوئی آپ کے حرم میں پہنچکر کرم کا تقاضہ کرتا ہے تو کوئی سلامتی کا خواہاں ہے تو کوئی رنج ومحن سے رہائی کی آرزو رکھتا ہے، ہزاروں حاجتمند اپنی حاجتیں لیکر آتے ہیں اور بامراد واپس جاتے ہیں ، علمدار کربلا کے حرم سے دعاؤں کو پانا نہ خدا کے لئے شاق ہے اور نہ عباس ؑ علمدار جیسے مقرب بارگاہ الٰہی کیلئے بعید ہے ،

حضرت عباس ؑ کے معجزات وکرامات حد سے زیادہ ہیں میں یہاں صرف تبرک گا چند معجزوں کا تذکرہ کر رہا ہوں تاکہ یہ کتاب اس سے خالی نہ رہے ،

حکایت اوّل

علامہ جلیل شیخ عبد الرحیم تستری کہتے ہیں کہ میں نے کربلا میں امام حسین ؑ کی زیارت کی زیارت کے بعد حرم حضرت عباس ؑ میں پہنچا وہاں میں نے دیکھا کہ ایک بدّو اپنے بیمار لڑکے کو لیکر آیا جس کے پیروں پر فالج کا اثر تھا ضریح حضرت سے اس کو باندھ دیا اور رو رو کر دعائیں کرنے لگا تھوڑی دیر گذری تھی کہ بچہ صحیح وسالم ہوکر حرم میں با آواز بلند کہنے لگا، عباس علمدار ؑ نے مجھ کو شفا دی لوگوں نے اس کو گھیر لیا تبرک کیلئے اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے ،

میں نے جس وقت یہ منظر دیکھا ضریح کے قریب گیا اور حضرت سے کہا کہ آپ ناآشنائے ادب کی دعاؤں کو سن لیتے ہیں اور ہماری دعاؤں کو جبکہ ہمیں آپ کی معرفت بھی ہے مستجاب نہیں فرماتے، ٹھیک ہے اب میں آئندہ آپ کی زیارت کیلئے نہیں آؤنگا، بعد میں مجھے یہ خیال ہوا کہ میں نے گستاخی کی ہے خدا سے اپنی غلطی کی معافی مانگتا رہا،

جب میں نجف پہنچا تو استاد بزرگوار شیخ مرتضیٰ انصاری رہ، مرے پاس تشریف لائے اور پیسوں کی دو تھیلیاں دیتے ہوئے فرمایا: لو یہ تمہارے پیسے ہیں جو تم نے حضرت عباس ع سے طلب کئے تھے ایک سے اپنا مکان بنوالو اور ایک سے حج کر ڈالو،

میں نے بھی حضرت سے یہی دو سوال کئے تھے،

وَمَا عَجِبْتُ مِنْ أَبِي الْفَضْلِ كَمَا عَجِبْتُ مِنْ أُسْتَادِنَا إِذْ عَلِمَا
لِأَنَّ شِبْلَ الْمُرْتَضَى لَمْ يَغْرُبِ إِذَا أَتَى بِمُعْجِزٍ أَوْ مُعْجِبِ
بِكُلِّ يَوْمٍ بَلْ بِكُلِّ سَاعَةٍ لِمَنْ أَتَاهُ قَاصِداً رِبَاعَةً
وَهُوَ مِنَ الشَّيْخِ عَجِيبٌ بَيِّنٌ لٰكِنَّ نُورَ اللهِ يَرْنُو الْمُؤْمِنُ

شیخ سماوی نے اس موقع پر فرمایا کہ مجھے حضرت عباس ع کی عطا پر تعجب نہیں ہے بلکہ حیرت شیخ انصاری پر ہے کہ انہیں اس کی خبر کیسے ہوئی،

کیونکہ صاحب اعجاز علی ع کے فرزند سے معجزہ کا ظہور قابل تعجب نہیں ہے، ہر روز بلکہ ہر وقت ہر شخص آپ کے حرم مطہر میں آتا رہتا ہے اور حاجتیں لیکر چلا جاتا ہے

لیکن شیخ انصاری سے یہ علم غیب تعجب خیز ہے لیکن پھر تعجب نہیں کیونکہ نور الٰہی سے مومن خالص منور ہوا کرتا ہے،

دوسری داستان

صاحب اسرار الشہادہ لکھتے ہیں،

علامہ خبیر سید احمد نے کہا کہ میں چند خادموں کے ہمراہ صحن مطہر حضرت عباس ع

میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص کو حرم سے بھاگتے ہوئے دیکھا کہ اس کی سب سے چھوٹی انگلی کٹی ہوئی تھی اور خون بہہ رہا تھا ہم لوگوں نے اس کو روکا اور وجہ معلوم کرنا چاہی تو اس نے کہا،

عباسؑ نے میری انگلی کاٹ دی، ہم لوگ پھر ضریح اطہر کے پاس گئے تو دیکھا کہ ضریح سے اس کی انگلی چپکی ہوئی تھی اور خون اس میں خشک تھا ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کسی مردہ کے جسم سے کٹی ہو،

دوسرے دن یہ شخص مرگیا کہا جاتا ہے کہ اس نے حرم میں کوئی توہین کی تھی،

تیسری داستان

علامہ متبحر شیخ حسن دخیل ناقل ہیں،

گرمیوں کا زمانہ تھا اور عثمانی سلطنت کا آخری دور، میں حضرت سید الشہداء کی زیارت کیلئے گیا تھا حضرت کی زیارت کے بعد قمر بنی ہاشم کی زیارت کے لئے حرم پہنچا، ہوا اس قدر گرم تھی کہ وقت ظہر کے باوجود کوئی حرم میں نہیں تھا صرف ایک ساٹھ سالہ خادم پہلے در حرم پر بیٹھا حرم اطہر کی حفاظت کر رہا تھا،

میں نے زیارت پڑھی اس کے بعد ظہرین بجالایا حضرت کے بالائے سر بیٹھا ہوا قمر بنی ہاشمؑ کی عظمت وجلالت، ایثار و فداکاری اور مصائب و آلام سے متعلق خیالات میں غرق تھا اتنے میں ایک کردی عورت اپنے بچہ کے ہمراہ داخل ہوئی سر سے پیر تک چادر میں چھپی ہوئی تھی چہرے سے ظاہر تھا کہ شریف گھرانے کی ہے، تقریبًا سولہ سال کا بچہ بھی کردی کپڑا پہنے ہوئے ماں کے ساتھ ادب واحترام کے ساتھ ضریح اطہر کے طواف میں مصروف ہوگیا،

تھوڑے وقفہ سے ایک سرخ وسفید قدآور شخص بھی کردی کپڑا پہنے ہوئے وارد ہوا لیکن بجائے زیارت و راز و نیاز کے حرم کی عمارت کو دیکھ رہا تھا اور بادشاہوں نے حرم مطہر پر جو قیمتی تلواریں جواہرات چڑھائے تھے اس کا مشاہدہ کر رہا تھا،

میرا گمان یہ تھا کہ یہ مرد اسی عورت کا شوہر ہے لیکن میں اپنے تئیں یہ سوچ رہا تھا کہ دونوں میں کس قدر فرق ہے یہ عورت وبچہ ادب واحترام سے حضرت کے حضور میں گریہ وزاری کر رہے ہیں اور یہ گستاخانہ ادھر ادھر تماشا دیکھ رہا ہے ، اس کی یہ روش مجھے کھلی ،

اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ یہی مرد زمین سے اچھلا کس نے اس کو اچھالا یہ نہیں بتا سکتا ضریح سے ٹکرایا اور دیوانہ وار ضریح کا طواف کرنے لگا عجیب تشنجی حالات تھی زور زور سے چیخ رہا تھا نہ ضریح کے پاس تھا اور نہ اس سے دور ایسا لگتا تھا کہ بجلی کے جھٹکے لگ رہے ہوں پہلے تو اس کا چہرہ سرخ ہوا اس کے بعد نیلگوں ہونا شروع ہوگیا اس کے گلے میں چاندی کی زنجیر میں گھڑی پڑی ہوئی تھی جو بے چینی کی حالت میں ضریح سے ٹکراتے ٹکراتے ٹوٹ گئی ،

کثرت اضطراب سے اس کی عبا پارہ پارہ ہوگئی اس کی اس وحشتناک کیفیت کو دیکھ اس کی بیوی اپنے بچے کو آغوش میں لیکر حضرت ابوالفضلؑ کو مخاطب کرکے کہہ رہی تھی ، میں اپنے بچے کے ساتھ آپ کی پناہ میں ہوں ،

میں بھی اس منظر کو دیکھ کر لرز گیا سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں وہ آدمی بھی لحیم وشحیم تھا حرم میں کوئی دوسرا بھی نہ تھا جو میری مدد کرتا ،

اس شخص نے گھڑی کی سوئی کی طرف بے اختیار دوبار ضریح اطہر کا طواف کیا ،

در پر بیٹھے ہوئے جب بوڑھے خادم نے اس منظر کو دیکھا تو جعفر نامی ایک دوسرے خادم کو آواز دی خادم نے آکر ایک تین ہاتھ کی رسی لی اور اس کے گلے میں باندھی اور حرم سے کھینچ کر باہر لائے اور حرم امام حسینؑ کی طرف لے چلے بغیر کسی مزاحمت کے سر جھکائے ہمراہ ہو لیا لیکن چیختا جا رہا تھا دونوں حرم کے درمیان سے گزرتے وقت جس کسی نے اس کی آواز سنی ساتھ ہو لیا حرم امام حسینؑ میں پہنچکر اس کو حضرت علی اکبرؑ کی ضریح اطہر سے باندھ دیا ،

باندھتے ہی قدرے سکون ہوا اور سوگیا پندرہ منٹ کے بعد بیدار ہوا پسینہ میں شرابور چہرے سے خوف ووحشت جھلک رہی تھی لیکن خدا کی توحید رسول اللہؐ کی رسالتؐ

اور امیر المومنینؑ سے امام زمانہؑ تک کی امامت کا اقرار کرتا جا رہا تھا،
لوگوں نے جس وقت اس سے حالات دریافت کیے تو وہ ماجرا اس طرح بیان کرتا ہے،

میں نے ابھی خواب میں رسول خداؐ کو دیکھا کہ فرما رہے تھے کہ مرے سامنے آل محمدؐ کی امامت کا اعتراف کرو ورنہ عباسؑ تجھ کو ہلاک کر ڈالیں گے،
لہٰذا میں نے بھی سب کا اعتراف کرلیا اور ان کے علاوہ جو تھے ان سے اظہار بیزاری کی،
اس کے بعد اس شخص سے حرم قمر بنی ہاشم کے حالات لوگوں نے دریافت کئے جس کے جواب میں اس نے کہا کہ:
میں حرم ابوالفضلؑ میں تھا میں نے دیکھا کہ ایک بلند قامت شخص نمودار ہوا اور مجھے پکڑتے ہوئے کہا!
او کتے! ابھی تک اپنی گمراہی پر ڈٹا ہوا ہے، پھر مجھکو زور سے ضریح اطہر سے ٹکرایا اور عصا سے میری پشت پر پیہم مار رہا تھا اور میں بھاگ رہا تھا،
عورت نے داستان کا آغاز اس طرح کیا:
میں بغداد کی رہنے والی ہوں اور شیعہ ہوں میرا شوہر سلیمانیہ کا ہے لیکن اس وقت بغداد میں رہتا ہے اور سنی ہے لیکن سنی ہونے کے باوجود اپنے مذہب کے اعتبار سے دیندار ہے گناہ نہیں کرتا نیکی کو پسند کرتا ہے اور برائی سے متنفر ہے،
میری شادی سے پہلے تمباکو کا کاروبار کرتا تھا میرے دو بھائی بھی اسی کے ہمراہ اسی کاروبار میں لگے تھے تقریبا دوسو عثمانی لیرہ اس شخص کا میرے بھائیوں پر قرض تھا جس کی ادائیگی مرے بھائیوں سے ممکن نہ ہوئی لہٰذا ایک دن اس شخص کو ظہر کے وقت اپنے گھر پر بلایا اور بھائیوں نے کہا کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس گھر کو قرض میں تمہیں دے دوں چونکہ قرض ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے صرف تمہارا مقروض ہوں، تمہارے علاوہ کسی اور کا کوئی قرض نہیں ہے اس نے

جب میرے بھائیوں کا فیصلہ سنا تو پہلے ان ساری دستاویزات کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جس پر قرض کا حساب وکتاب تحریر تھا اس کے بعد اسے جلا دیا اور میرے بھائیوں کو یقین دلایا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی قرض نہیں ہے اور جب بھی پیسے کی ضرورت ہوے سکتے ہو،

میرے دونوں بھائی اس کے جرأتمندانہ اقدام سے بہت متاثر اور خوش ہوئے چونکہ اس میں بھائیوں نے پہلے سے کوئی بے دینی کی حرکت نہیں دیکھی تھی اور اس واقعہ کے بعد اس کی طرف سے اور مطمئن ہو گئے لہٰذا جس وقت اس نے مرے بھائیوں سے اپنی شادی کے لئے مناسب خاتون تلاش کرنے کی خواہش کی تو بھائیوں نے اس کے سامنے میرا ذکر کیا طرفین اس رشتہ پر راضی ہو گئے اور شادی ہو گئی،

کچھ دنوں کے بعد میں نے اپنے شوہر سے کاظمین کی زیارت کی خواہش کی لیکن اس نے خرافات "نعوذ باللہ" کہکر جانے سے روک دیا جب میں حاملہ ہوئی تو میں نے پھر اس سے کہا کہ اگر خدا نے فرزند عطا فرمایا تو کاظمین امام موسیٰ کاظمؑ وامام جوادؑ کی زیارت کیلئے جاؤں گی، شوہر نے وعدہ کر لیا لیکن ولادت کے بعد پھر انکار کر دیا اور کہا کہ جب بچہ بالغ ہو جائیگا تب جاؤں گا،

سولہ سال کے بعد مرے شوہر نے لڑکے کی شادی کرنا چاہی میں نے اس کے جواب میں کہا کہ جب اپنی نذر پوری نہیں کروں گی اس وقت تک شادی نہیں کرنے دوں گی مجبوراً میرے شوہر نے قبول کر لیا،

پہلے میں کاظمین پہنچی اور بارگاہ امام موسیٰ کاظمؑ اور امام جوادؑ سے کہا کہ اس کو تشیعت کی طرف راہنمائی فرمائے لیکن میری دعا مستجاب نہ ہوئی بلکہ اس کی بے دینی میں اور اضافہ ہوا کاظمین کے بعد سامراء پہنچی اور امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکری علیہ السلام سے شوہر کی ہدایت کے لئے دعائیں کیں لیکن اس جگہ بھی میری دعا مستجاب نہ ہو، زیارت امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کی نیت سے

کربلا پہنچی پہلے حرم حضرت عباسؑ میں وارد ہوئی اور حضرت سے کہا کہ اگر آپ کے حرم میں مری دعا مستجاب نہ ہوئی تو نہ آپ کے بھائی امام حسینؑ کی زیارت کروں گی اور نہ آپ کے بابا امیرالمومنینؑ کی زیارت کیلئے نجف جاؤں گی،
حضرت نے میری دعا کو سنا آپ کا دریائے کرم جوش میں آیا اور ہمیں ہماری مراد مل گئی،

داستان چہارم

اعلام الناس فی فضائل العباسؑ "کے مصنف لکھتے ہیں،
میں نے ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ میں شادی کے ایک ہفتہ کے بعد زکام اور بخار میں مبتلا ہوا نجف کے حکیموں سے علاج کرایا لیکن مرض بڑھتا گیا،
تقریباً ڈھائی سال بعد جمادی الاول ۱۳۵۳ھ میں کوفہ گیا اور رجب تک اسی جگہ قیام کیا، روز بروز کمزوری بڑھتی جا رہی تھی یہ حالت ہو چکی تھی کہ کھڑا ہونا ممکن نہیں تھا کوفہ سے پھر نجف آیا اور ذی قعدہ تک بغیر کسی علاج و معالجہ کے پڑا رہا،
اسی سال میرے پرانے ڈاکٹر اور چند بغداد سے آئے ہوئے ماہر ڈاکٹروں نے مجھے دیکھا اور فیصلہ کر دیا کہ مرض لا علاج ہو چکا ہے ایک ماہ بعد مری موت ہو جائے گی،
۱۳۵۴ھ محرم کا چاند نمودار ہوا میرے والد ماجد مجلسوں کیلئے امام موسیٰ کاظمؑ کے فرزند شہزادہ قاسم کے حرم میں تشریف لے گئے جو قاسم آباد دیہات میں تھا میری تیمارداری میری والدہ کر رہی تھیں میری گرتی صحت کی وجہ سے ہر آن ولحہ روتی رہتی،
شب ہفتم محرم تھی سید رشتی سے ملتے جلتے ایک وجیہ صورت بزرگ کو خواب

میں دیکھا جنہوں نے پوچھا تمہارے والد کہاں ہیں؟ میں نے جواب میں کہا قاسم آباد تشریف لے گئے ہیں، میرے جواب پر فرمایا کہ میری شب پنجشنبہ کی مجلس کون کرے گا؟ اچھا تم ہی نوحہ پڑھو اور مجلس منعقد کرو،

یہ کہتے ہوئے وہ بزرگ گزر گئے لیکن پھر واپس ہوتے ہوئے فرمایا کہ میرا لڑکا سید سعید کربلا اپنی نذر بڑھانے گیا ہے تم بھی جاؤ اور حضرت عباسؑ کی مجلس عزا میں شریک ہو جاؤ، یہ کہہ کر یہ بزرگ روپوش ہوئے،

میری آنکھ کھل گئی دیکھا والدہ بیٹھی ہوئی رو رہی ہیں، مجھے پھر نیند آگئی پھر انہیں سید کو دیکھا کہ تشریف لائے اور فرمایا تم کربلا کیوں نہیں جاتے ہیں؟

میرا لڑکا سعید وہاں پہنچ چکا ہے تم بھی جاؤ اور مجلس قمر بنی ہاشم میں شرکت کرو، پھر آنکھ کھل گئی، تیسری بار پھر سو گیا اور انھیں سید کو پھر دیکھا کہ تشریف لائے اس بار ذرا تیز و تند لہجہ میں فرمایا کہ تم کربلا کیوں نہیں جاتے تاخیر کس لئے کر رہے ہو؟ خوف کی سی کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی خواب کو والدہ ماجدہ سے بیان کیا انہوں نے اس کو بشارت سمجھا، کربلا لے جانے کی سعی کرنے لگیں لیکن میری خستہ حالی کو دیکھ کر کوئی لے جانے پر تیار نہیں تھا، سواریوں پر بیٹھنے کی طاقت نہیں تھی بارہویں محرم آگئی اور کربلا نہ پہنچ سکا مری والدہ کوشش کرتی رہیں آخر کچھ عزیزوں نے مشورہ دیا کہ تابوت میں رکھ کر کربلا پہنچایا جائے، آخر کار اسی طرح بارہویں محرم کو کربلا پہنچا حضرت کے حرم میں باریابی ہوئی،

شب تیرہویں تھی قدرے غنودگی سی کیفیت طاری تھی پھر وہی سید دکھائی دیئے اور فرمایا کیوں نہیں ساتویں کو آئے سعید تمہارا انتظار کر رہا تھا آج، تیرہویں دفن حضرت عباسؑ کا دن ہے بہر کیف اٹھو مصائب حضرت ابو الفضلؑ کو پڑھو، یہ کہکر غائب ہو گئے، لیکن پھر ظاہر ہوئے اور مجھے شانوں سے سہارا دیکر اٹھایا اور فرمایا کب تک پڑے رہو گے،

اٹھو میرے مصائب بیان کرو،

یہ سنکر پورا وجود ہیبت سے لرز رہا تھا جلدی اٹھا لیکن ایسی دہشت مجھ پر مستولی تھی کہ زمین پر گر گیا جو بھی حرم میں تھا سب نے مجھے گرتے دیکھا،
پسینے میں شرابور تھا تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آیا بیماری کے آثار یک لخت جا چکے تھے لوگوں کی تکبیر کی آواز سے حرم گونج رہا تھا ہر طرف سے لوگوں نے مجھے گھیر لیا تبرکاً کپڑے پارہ کئے آخر کار خدام حرم نے مجھے ایک حجرہ میں بند کر دیا صبح تک وہاں رہا نماز صبح کے وقت حرم حضرت ابوالفضلؑ میں پہنچا نماز پڑھی اور حضرت کے مصائب بیان کئے،

داستان پنجم

اس داستان کے راوی صاحب جواہر کے خاندان کے بزرگ شیخ حسن ہیں،
شیخ صاحب کہتے ہیں:
"مخیلف،، نامی ایک شخص خرمّ شہر کا رہنے والا پیر دل سے شدید مریض ہوا رفتہ رفتہ مرض بڑھ کر پورے پیر تک پہنچ گیا جسکے نتیجہ میں یہ شخص نقل وحرکت سے محروم ہو گیا
سارے شہر والے شاہد ہیں کہ تین سال تک اسی طرح رہا اور جب ایام عزا آتا تو زمین پر گھسٹ کر مجلسوں میں شرکت کرتا،
اسی شہر میں شیخ خزعلی کعبی کا عزاخانہ تھا جس میں محرم کے پہلے عشرہ کی مجلسیں ہوتی یہ شخص بھی مجلسوں میں شریک ہوتا، یہاں کا دستور یہ تھا کہ جب مصائب شروع ہوتا تو حاضرین کھڑے ہو کر سر وسینہ پیٹتے اور ماتم کرتے،
ساتویں تاریخ حضرت ابوالفضل العباسؑ سے مخصوص تھی ذاکر نے جس وقت مصائب شروع کیا مجمع کھڑا ہو گیا یہ شخص معذور بھی سب کے ساتھ اچانک کھڑا ہو گیا اور ماتم داروں کے دوش بدوش ماتم کرنے لگا اور نوحہ کرتے

ہوئے کہہ رہا تھا " مجھے عباسؑ نے کھڑا کیا ہے "،
پھر کیا تھا حاضرین نے اس کو گھیر لیا تبرک کیلئے لباس پھاڑ ڈالے آخر کار صاحب عزا خانہ نے اس کو ایک کمرہ میں بند کیا،
اس سال یہ دن لوگوں کیلئے عاشور سے زیادہ گریہ و ماتم کا رہا پورا عزا خانہ آہوں اور سسکیوں میں ڈوبا رہا صاحب عزا نے لوگوں کے لئے کھانے کی نذر رکھی تھی لیکن گریہ و ماتم میں پورا دن گذر گیا دن کا کھانا رات کے ۹/ بجے شروع ہوا،
جس وقت مجمع نے مخلف سے پوچھا تم نے کیا دیکھا تو اس نے بتایا :
جب لوگ مصائب کے وقت سر و سینہ کا ماتم کر رہے تھے مجھے قدرے غنودگی آگئی خواب میں کیا دیکھا کہ ایک قوی ہیکل و جیہہ انسان سفید گھوڑے پر سوار تشریف لائے اور مجھ سے کہا کہ کیوں نہیں مجلس عباسؑ میں ماتم کرتے ؟
میں نے جواب دیا آقا اٹھ نہیں سکتا ہوں، فرمایا اٹھو اور ماتم کرو! میں نے کہا آقا اپنا ہاتھ بڑھائے تاکہ اٹھ سکوں، آقا نے جواب دیا کہ میرے ہاتھ نہیں ہیں میرے راہوار کی رکاب پکڑ لو اور اٹھ جاؤ میں نے راہوار کی رکاب پکڑی راہوار نے ایک جھٹکا دیا میں زمین سے کھڑا ہو گیا پھر وہ سوار نظروں سے اوجھل ہو گئے،

حکایت ششم

عالم جلیل مرزا عباس کرمانی نے بیان کیا ہے کہ انہیں ایک حاجت درپیش تھی جسکے انجام کی کوئی صورت سامنے نہیں تھی ہر طرف سے مایوس ہو کر ضریح حضرت عباسؑ تک گیا حضرت سے اپنی حاجت بیان کی ناامیدیوں میں امید کی کرن پھوٹنے لگی، کچھ دنوں بعد مجھے میری مراد مل گئی،
ہزاروں حضرت کے معجزات ہیں میں نے چند پیش کئے ہیں اگر ان سارے

معجزات کو جمع کروں تو ضخیم جلد تیار ہو جائے گی ،

حضرت احدیت نے علمدار کربلا کو جو مرتبہ و منزلت بخشی ہے اپنے مقربین اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے علاوہ کسی کو نہیں عطا فرمائی یہ صرف حضرت کی فداکاری جاں نثاری اور خدمت اسلام کے صلے میں ملی ہے ،

انھیں کرامات پر حضرت کے معجزات کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ زمانہ بدلتا رہے گا اور نسلیں آتی رہیں گی اور حضرت کے فیوض و برکات کا سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا ،

باب

۹

دلاوری و شهادت ابوالفضل

علیه السلام

تاریخ علم

عربی میں علم کی جگہ "رایت" اور "لِواء" کی لفظ بھی استعمال کرتے ہیں لغوی اعتبار سے تینوں میں تھوڑا فرق ہے،

علَم و رایت اس پرچم کو کہتے ہیں جو بڑا ہو اور نیزہ یا لکڑی پر لگایا جائے، اور جس میں یہ خصوصیت نہ پائی جائے اس کو "لِواء" کہتے ہیں"

مورخین نے لغوین کی تعریف سے اختلاف کیا ہے، مورخین کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے رمضان ۱ھ میں جناب حمزہ کو جو پرچم عنایت فرمایا تھا اس کا نام لِواء تھا، اور اسی سال مسلمانوں کیلئے جو پرچم ترتیب دیا تھا اس کا نام "رایت" تھا[1]

اگر علَم بہت بڑا ہو تو اس کو "بند وعقاب" بھی کہتے تھے، اس کی وجہ تسمیہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ "بند وعقاب" درحقیقت رومی لفظ ہے، رومیوں کا اصول تھا کہ وہ اپنے پرچموں اور عمارتوں کی چوٹیوں پر "باز و گدھ" کی شکل بناتے تھے لہٰذا عربوں نے بھی رومیوں کی تاسی میں علم کو بند وعقاب کہنا شروع کیا،

بند وعقاب نامی پرچم والیان حکومت سے مخصوص ہوتے تھے[2]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام درحاشیہ الروض الانف ج ۲ ص ۵۶ ، [2] تاج العروس مادہ عقب، التمدن اسلامی ج ۱ ص ۱۹۵

رومیوں کے علم کے پیچھے دس ہزار یا اس سے زیادہ سپاہی جمع ہوتے تھے،
درفش کاویانی [1] " نامی پرچم کسریٰ کا تھا جس کو عربوں کی جنگ میں استعمال کیا گیا تھا یہ پرچم شیر کی کھال کا تھا اس کی لمبائی بارہ ہاتھ اور چوڑائی آٹھ ہاتھ تھی، یہ پرچم ان کے خزانوں میں تبرک کے طور پر رکھا ہوا تھا چونکہ اس پرچم سے متعلق ایک داستان تھی،

داستان

ایران کے بادشاہ ضحاک کے شانوں پر دو زخم ایسے تھے جسے مندمل کرنے کیلئے ہر روز دو آدمی کے مغز کی ضرورت تھی جو اس پر ملا جاتا تھا، بادشاہ کے ظلم و ستم سے عوام تنگ آ چکی تھی، اصفہان کے کاوہ نامی شخص کے دو بیٹوں کے نام قرعہ میں نکلے اور باپ کے سامنے بیٹوں کا سر قلم کر لیا گیا،

کاوہ پر بیٹوں کی جدائی شاق ہوئی اس نے چمڑے کے ایک ٹکڑے کو ایک لکڑی پر لگایا اور بادشاہ کے خلاف تحریک چلائی، عوام چونکہ پہلے سے تنگ آ چکی تھی لہٰذا کاوہ کے ہمراہ ہوئے اور سب نے ملکر ضحاک کے تخت و تاج پر حملہ کر دیا،

عوامی طاقت نے شاہی سطوت کو زیر کر دیا، لہٰذا اس پرچم کو فال نیک سمجھتے ہوئے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور بعد میں یہ پرچم ایرانی بادشاہوں کا پرچم قرار پایا [2]

امام حسین علیہ السلام کے خلاف ابن زیاد ملعون نے جب لشکر جمع کیا تھا اور اس کے ہاتھ میں اس وقت جو پرچم تھا اس پرچم نجس و نحس کو بھی بنی امیہ نے بابرکت سمجھا تھا،

آیتی نے اپنی کتاب " تاریخ یزد " میں لکھا ہے،

ابو علا " اور اس کا باپ بنی امیہ کے طرفداروں میں تھا، ابو علا کو طوفی،

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۱ ص ۱۶۸،

[2] طبری ج ۱ ص ۱۰۰، تاریخ ابن اثیر ج ۱ ص ۲۶،

کہتے ہیں اس کی وجہ ہے یہ کہ اس نے بنی امیہ کی بیعت لینے کیلئے قریہ قریہ شہر شہر چکر لگایا تھا،

ابو علا ، ہشام بن عبدالملک کا استاد بھی تھا لہٰذا جس وقت ہشام سریر سلطنت تک پہنچا تو اس نے اپنے استاد کو صلہ دیتے ہوئے یزد کا حاکم مقرر کیا اور ابن زیاد ہی والا پرچم اسے دیا ابو علا اس پرچم کو لیکر یزد پہنچا اور اپنے نام کے باغ میں اس کو نصب کیا اور یزدیوں کو بنی امیہ کی اطاعت کی طرف بلایا،

چونکہ اہل یزد خاندان عصمت و طہارت علیہم السلام کے طرفدار تھے ، ابو علاء کی ایک نہ سنی جس کی وجہ سے اس نے ان لوگوں پر طرح طرح کے ظلم روا رکھے ،

اس کی ظلم وزیادتی کا دور ابو مسلم خراسانی کے خروج تک جاری رہا ۱۳۲ھ تھا ،

مروان حمار کے دور حکومت میں مسلم خراسانی نے خراسان اور فارس پر قبضہ کیا جس وقت اہل یزد کو اس کی اطلاع ہوئی انہوں نے ابو مسلم خراسانی کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم لوگوں کو ابو علاء کے شر سے نجات دلاؤ ،

ابو مسلم خراسانی نے یزدیوں کی دعوت پر "محمد زمجی" کو اصفہان ویزد کی طرف روانہ کیا ادھر ابو علاء بھی لشکر جرار کے ساتھ جس میں خود یزدی بھی شامل تھے مقابلہ کیلئے نکلا ،

رات کے وقت یزد سے قریہ "ابرند آباد" ، جاتے وقت محمد زمجی کے فوجیوں نے اسے گرفتار کر کیا اور یزد لائے ،

جس وقت ابو علاء اسیر ہوکر یزد پہنچا ہے تو شہر کے سبھی عورت مرد کی رائے تھی کہ " ابو علاء " کو اس کے پرچم نجس کے ساتھ جلا دیا جائے ، لہٰذا یہی ہوا شہر والوں نے قصر اور باغ کو لوٹ لیا ،

تاریخی اعتبار سے کوئی مضبوط ثبوت نہیں جس سے یہ کہا جاسکے کہ سب سے پہلے "لواء" کس نے بلند کیا تھا لیکن گمان غالب یہی ہے کہ کاوہ اصفہانی ہی پہلی فرد ہے جس نے لواء کو بلند کیا تھا ،

جس طرح حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام پہلی فرد ہیں جنہوں نے "رایت" ، بلند کیا ،

یہ اس وقت کی بات ہے جب رومیوں نے لوط پر فتح پائی اور انہیں گرفتار کیا جناب خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے رایت اپنے ہاتھ میں لیا اور رومیوں سے جنگ کے لئے آٹھ کھڑے ہوئے رومیوں کو شکست ہوئی لوط کو ان کی قید سے رہا کرایا[1]

اسلام نے جب عرصہ حیات میں قدم رکھا اور عربوں کو شام فارس اور مصر پر تسلط حاصل ہوا تو جہاں طرح طرح کی حکومتیں وجود میں آئیں وہیں رنگ برنگے ناموں اور اندازوں ، سائزوں ، کے پرچم بھی سامنے آئے ،

پرچموں نے اس قدر عروج پایا کہ والیان حکومت پرچموں کی کثرت پر فخر کرتے لہٰذا جس وقت فاطمی سربراہ عزیز باللہ تک اقتدار پہنچا ہے اور شام پر حملہ آور ہوا تو اس کے ہمراہ پانچسو پرچم اور پانچ ہی سو نفیریاں بھی تھیں ،

یہ لوگ دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے اپنے پرچموں پر خلفاء ، سلاطین ، اور فوجی افسران کے نام لکھتے اور اسے فال نیک تصور کرتے کبھی کبھی قرآن کی آیات بھی تحریر کراتے ،

تمدن اسلامی میں لکھا ہے کہ اندلس کے شہر " دیرا نظاہر " میں حریر کا بنا ہوا پرچم ملا ہے جس پر خوبصورت نقش ونگار کے ساتھ ساتھ قرانی کی آیات بھی ہیں[2]

ابومسلم خراسانی نے روشنائی سے اپنے پرچم پر سورہ حج کی انتالیسویں آیت تحریر کرائی تھی اس کے تیرہ چودہ ہاتھ کے دو بڑے نیزوں پر جو پرچم نصب تھے ان میں سے ایک کا نام " سحاب " دوسرے کا نام " ظل " تھا[3]

رنگوں کے سلسلہ میں مستند تاریخی ثبوت فراہم نہیں ہیں جس سے کوئی قطعی بات کہی جا سکے ، صرف پرچم عقاب کیلئے کہا جاتا ہے کہ اس کا رنگ سیاہ تھا اور زمانہ جاہلیت کے پرچموں کا رنگ سفید تھا[4] ،

۱۔ تہذیب شیخ نوادر کتاب الجہاد ، مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۲۶۶ ،

۲۔ ج ۱ ، ص ۶۸ ۔ ۱۶۶ ، ۳۔ آثار الدول ،

۴۔ مناقب شہر آشوب ج ۲ ص ۲۲ ،

حضرت مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرچموں " علم " کے رنگ بھی یکساں نہ رہے مختلف جنگوں میں علیحدہ علیحدہ رنگ استعمال کئے گئے ،

بدر میں حضرت علیؑ کے علم کا رنگ زرد تھا ،

بدر میں حضرت حمزہ کے علم کا رنگ سرخ تھا ،

احد و خیبر میں سفید تھا ؎۱

واقعہ عین الوردہ میں خاکی ؎۲

بنی امیہ کے پرچم کا رنگ سرخ تھا ، علویین کا سفید اور عباسیوں کا سیاہ ، علویین کے پرچم کیلئے گمان یہ ہے کہ وہ سبز رنگ تھا شاید اس کی وجہ مامون کی تاسی رہی ہو چونکہ جس وقت مامون نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو ولیعہد معین کیا اور لوگوں کو آپؑ کی ولیعہدی سے باخبر کیا تو سبز رنگ کو اختیار کیا اور عباسیوں کے منتخب کردہ سیاہ رنگ کو چھوڑ دیا ،

جس وقت متوکل عباسی نے اپنے دو بیٹوں کیلئے بیعت لینا شروع کیا تو دو پرچم نصب کئے ایک کا رنگ سیاہ تھا اور دوسرے کا سفید جو ولیعہدی اور حمایت عمل کی علامت تھے ،

بہر حال علم فوج کی تنظیم و ترتیب کا بہت بڑا ذریعہ ہے جب تک ہوا میں اس کے پھریرے لہراتے ہوتے ہیں سپاہ کے عزم و حوصلے بلند رہتے ہیں اور کامیابی و کامرانی قدم چومتی رہتی ہے ،

ہمیشہ فوج کا علم ان کو دیا جاتا ہے جن میں جرأت ہمت ، اور غیرت ہوتی ہے ، فراریوں اور بزدلوں کو کبھی علمدار لشکر نہیں بنایا جاتا ،

اس حقیقت کی طرف کلام سید الوصیین امیر المومنین علیہ السلام میں اشارہ ملتا ہے

؎۱ مناقب ابن شہر آشوب ج ۲ ص ۲۲ ،

؎۲ طبری ج ۷ ص ۷۹ ،

جنگ صفین میں جاتے ہوئے آپؑ نے حاضرین سے فرمایا :

علم کو ایک جگہ پر نصب کرنا اسے تنہا نہ چھوڑنا، ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں دینا جو جری و بہادر ہوں جو تم سے ہر آنے والے خطرے کو برطرف کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں اور سختیوں کو برداشت کر سکتے ہوں،

علمدار اس کو ہونا چاہیئے جو حتی الامکان دفاع کرتا رہے، حقیقی پاسدار و حافظ حریم اسلام و ناموس وہ لوگ ہیں جو علم کو چھوڑ کر نہ بھاگیں اور ہر چہار سمت سے علم کو خطروں سے بچاتے رہیں،

پاسدار اسلام وہ ہیں جو نہ پیچھے رہ کر خود کو دشمن کے حوالے کریں اور نہ آگے بڑھ کر علم کو تنہا چھوڑ دیں ۔[1]

انہیں اسباب کی وجہ سے علمدار کی ذمہ داری جنگوں میں بہت زیادہ ہوتی تھی آخری قطرہ خون تک پایداری و پامردی کا ثبوت دینا رہتا ہے، علمدار کی غیرت، شجاعت اور شرافت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ جنگ جیسے بحرانی حالات میں علم کو پھینک کر اپنی جان بچا لے اور ہمیشہ کی لعنت و نفرین کا سبب بنے،

اسی لئے اسلامی جنگوں میں علم صرف اور صرف حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں میں رہا کوئی جنگ ایسی نہیں ہے جس میں آپ کی شرکت نہ رہی ہو صرف ایک تبوک ہے جس میں آپ نے شرکت نہیں کی شاید عدم شرکت کی وجہ یہ رہی ہو کہ اس میں خون خرابا نہیں تھا ورنہ اگر کہیں قتل و غارت ہوتی تو حضرت ختمی مرتبتؐ قطعاً آپ کو مدینہ میں نہ چھوڑتے ۔[2]

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۱۲۴،

[2] صواعق محرقہ ص ۷۲،

بدر میں جس وقت لشکر اسلام کی علمداری آپ کو ملی ہے فوج اسلام کے حوصلے بلند ہو گئے، مسلمانوں نے آپ کے علم کے زیر سایہ دشمن پر حملہ کر دیا، حضرت امیرؑ نے اس جنگ میں جس شجاعت دلیری اور دلاوری کا مظاہرہ کیا اس نے عرب کے ساونتوں کے غرور کو خاک میں ملا دیا تھا در آنحالیکہ اس وقت آپ کا سن مبارک پچیس سال کا تھا،

بدر میں حضرتؑ نے جس شجاعت و دلیری کا مظاہرہ فرمایا ہے وہ فقط آپ سے مخصوص تھی آپ کی اسی فوق العادت جرأت نے مشرکین کی شوکت وحشمت کو خاک میں ملا کر رکھ دیا،

یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ حضرت نے بدر میں اتنا بڑا معرکہ سر فرمالیا جبکہ اس کے قبل حضرت نے نہ کوئی جنگ لڑی تھی اور نہ کسی بہادر سے پنجہ آزمائی فرمائی تھی، لیکن ان ساری باتوں کے باوجود اس قدر مشرکین کو تہ تیغ فرمایا کہ سابق میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی در آنحالیکہ مقابل میں ایک سے ایک شدید آزمودہ جنگ تھے جنہوں نے برسوں اس میدان کی مہارت وصعوبت کا مزہ چکھا تھا اور طرح طرح کے بہادروں سے زور آزمائی کی تھی،

جنگ احد میں حضرت ختمی مرتبتؐ نے مصلحت جنگی کے پیش نظر علمدار لشکر مصعب بن عمیر کو بنایا تا کہ ان کا قبیلہ " بنی عبد الدار " آپ کا زیادہ سے زیادہ طرفدار بن سکے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرکین احد کا پرچمدار بھی اسی قبیلہ سے تھا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرتؐ کے علمدار مصعب نے حق علمداری ادا کر دیا آخر وقت تک علم کی حفاظت کرتے رہے جب دونوں ہاتھ قلم ہوئے تو سینہ سے علم کو گرنے سے روکے رہے لیکن جس وقت دشمن نے پشت پر نیزہ مارا اور زمین پر گرے تو علم زمین پر گرا جناب مصعب کی شہادت کے بعد آنحضرتؐ نے علم فوج حقیقی مستحق جناب امیر المومنین علیہ السلام کے حوالے فرمایا،

حضرت امیر المومنینؑ نے اس جنگ میں دشمنوں کے بے شمار پرچمداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، آپ کی ہیبت سے انسان تو انسان ملاء اعلیٰ میں ہلچل مچی ہوئی

تھی، جس وقت سارے مسلمان آنحضرتؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تنہا حضرت امیرالمومنینؑ تھے جو پروانہ وار آپ کے گرد پھرتے رہے اور جو کوئی بری نیت سے آنحضرتؐ کی طرف بڑھتا اس کا سر نذر شمشیر ہو جاتا، جس وقت جبرئیل نے حضرت امیرالمومنینؑ کی اس جاں نثاری و سرفروشی کو دیکھا تو فرمایا اس کو ایثار و ہمدردی کہتے ہیں جس کے جواب میں حضرت ختمی مرتبتؐ نے فرمایا کیوں نہ علیؑ ایسا کریں،، میں علیؑ سے ہوں اور علیؑ مجھ سے ہیں،، یہ سنکر حضرت جبرائیل نے فرمایا کہ اور میں آپ دونوں سے ہوں،، اسی وقت ندائے غیبی لوگوں نے سنا،

علیؑ کے جیسا کوئی جوان نہیں اور ذوالفقار کے جیسی کوئی تلوار نہیں[۱]،

اسی طرح جنگ خیبر میں جب پے در پے دو روز دو جانے والوں کے ذریعہ شکست ہوئی تو مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور یہودیوں کے حوصلے بلند لہٰذا آنحضرتؐ نے اس وقت فرمایا:

میں کل علم اس کو دونگا جو خدا و رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور خدا رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے جب تک فتح نہ پائے واپس نہیں ہوگا،

اس بیان سے ہزاروں گردنیں مجمع میں بلند رہیں تاکہ پیغمبرؐ کی نظر اگر ان پر نہ پڑی ہو تو اب پڑ جائے لیکن سب کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں جب آنحضرتؐ نے علم کو اسکے حقیقی حقدار و وارث امیرالمومنینؑ کو مرحمت فرمایا،

جنگ حنین میں بھی یہی ہوا، مسلمانوں نے اس سے زیادہ بھیانک کوئی رن نہیں دیکھا تھا زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہو چکی تھی اور موت کا عفریت آنکھوں کے سامنے ناچنے لگا تھا یہ سب کیوں ہوا چونکہ مسلمان خدا کے حبیب کو نرغۂ اعداء میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے لہٰذا جس وقت امیرالمومنینؑ نے یہ صورت حال مشاہدہ فرمائی دشمن

---

[۱] طبری ج ۳ ص ۱۷، ابن اثیر ج ۲ ص ۷۵، اغانی ج ۱۴ ص ۱۷،

کے مقابلہ پر اتر آئے اور غول پیکر کفر کے جتھے کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا اور مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عزت کو بحال کر دیا،

لیکن افسوس یہ علم جس نے اسلام کے سر کو اونچا کر دیا تھا پچیس سال تک اس کا پھریرا لپٹا رہا پہلی بار جنگ جمل میں آپ کے نور نظر محمد بن حنفیہ کے ذریعہ لہرایا، جس وقت محمد حنفیہ کو یہ علم ملا تو انہوں نے کہا:

یہ رسول اکرمؐ کا علم ہے جو آج تک سرنگوں نہیں ہوا ہے،

محمد حنفیہ علم لیکر آگے بڑھ رہے تھے اور مسلمانوں کا لشکر آپ کے پیچھے تھا اسی موقع پر قیس بن سعد بن عبادہ نے کہا:

یہ وہ علم ہے جس کے زیر سایہ ہم نے آنحضرتؐ کی رہبری میں جنگ کی تھی، جبرئیل ہماری مدد کر رہے تھے جو انصار جیسے یار و یاور رکھتے ہیں انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے ہم وہ لوگ ہیں جب عزم و ارادہ جنگ کر لیتے ہیں اور مشرقی تلواروں کے قبضہ پر ہاتھ رکھ دیتے تو اس وقت تک نہیں رکتے جب تک شہر پر قبضہ نہیں کر لیتے [1]

جناب محمد حنفیہ نے حق علمداری کو جنگ جمل میں اسی کر و فر سے انجام دیا جس کی پروردۂ آغوش علیؑ سے امید کی جاتی ہے، لشکر عائشہ کو شکست ہوئی لشکر اسلام فاتحانہ پلٹا،

محمد حنفیہ جنگ نہروان میں علمدار لشکر رہے اور اس جنگ میں بھی آپ نے اپنے فریضہ کو خوب اچھی طرح انجام دیا،

جنگ صفین میں ہمدانیوں کے علم کو سفیان بن یزید نے اٹھایا تھا ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی عبید اور پھر دوسرے بھائی کرب علمدار بنے لیکن ان تینوں بھائیوں کی شہادت کے بعد بالترتیب عمیر بن بشیر، حرث بن بشیر اور وہب بن کرب علمدار قرار پائے لیکن سب نے جام شہادت نوش کیا،

---

[1] الجمل شیخ مفید ص ۱۷۵،

جنگ صفین میں امیرالمومنین عؑ کے علمداروں نے جس شجاعت وشجاعت کا مظاہرہ کیا تھا اگر تقدیر الٰہی بھی ساتھ ہوتی تو اموی دار و دربار کا نام ونشان مٹ کر رہ جاتا،

اس جنگ میں دلیروں نے اس کا اہتمام کیا تھا کہ علم ہمیشہ نمایاں جگہ پر رہے تا کہ لشکر والوں کے حوصلے بلند رہیں چونکہ شکست اسی وقت ہوتی ہے جب علمدار مارا جائے اور علم سرنگوں ہو جائے،

اسی جگہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عباس عؑ کی کارزار کربلا میں کیا اہمیت وحیثیت تھی اور امام حسین علیہ السلام نے دوسرے تمام بھائیوں پر آپ کو کیوں منتخب فرمایا تھا درآنحالیکہ کار آموزدہ وتجربہ کار بزرگ صحابہ بھی کربلا میں موجود تھے

حضرت عباس علیہ السلام کے انتخاب کی صرف وجہ یہ تھی کہ امام حسین عؑ کیلئے آپ دوسروں کی بہ نسبت وفادار ترین فرد تھے، آپ میں اوروں کے مقابلے میں علمداری کی لیاقت وصلاحیت زیادہ تھی فلسفہ انقلاب حسینی کے اصول واساس سے بہت زیادہ واقف تھے اور لوگوں کو شہادت کی حقیقت سے دوسروں کی بہ نسبت بہت زیادہ آشنا کر سکتے تھے،

حضرت عباس میں لشکر کو متحد کرنے ان کے حقوق کی نگرانی کی بھی بے پناہ قوت تھی جنگ کے نشیب وفراز میں آپ انہیں ثابت قدم رکھ سکتے تھے،

قمر بنی ہاشم کربلا کے خونین معرکہ میں امام حسین کے نظریات کے سچے اور ثابت قدم ومطمئن حامی تھے اور شیر غضبناک کی طرح مطمئن ہو کر امام وقت کا دفاع کر رہے تھے، شیر سے حضرت عباس علیہ السلام کو نسبت بھی اپنی مجبوری ہے ورنہ عباس عؑ جری کے قلب کے سکون واطمینان کو شیر سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے،

بہترین تعبیر حضرت عباس عؑ کیلئے یہ ہے کہ وہ صولت وشجاعت میں اپنے والد ماجد کے وارث تھے، حضرت عباس عؑ اگرچہ بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والے تھے تلوار کے دھنی نیزہ وشمشیر کے ماہر لیکن اس کے باوجود آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ دگرگوں حالات

اور پریشانی و آلام و مصائب کے باوجود متاثر نہیں ہوتے تھے ورنہ ساتھیوں کے ٹکڑے ٹکڑے جنازہ کو دیکھنے اور بچوں کی آواز العطش کے بعد حوصلہ مضمحل ہو جانا چاہیے تھا بلکہ ایسے درد بھرے مناظر کو دیکھنے کے بعد ہو سکتا ہے کہ ایک جری کے نظریات میں انقلاب آجائے بلکہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ جائے لیکن فریادرس اہلبیت ع حضرت عباس ع ان سارے مصائب و آلام میں گھرے رہنے کے باوجود علم حسینی کو سربلند کئے رہے،

آپ کے ایک ہاتھ میں علم تھا لیکن دوسرے ہاتھ سے پیک اجل بنکر یزیدی فوج کے سروں پر پرواز فرما رہے تھے لہٰذا اگر عباس ع جری کی تلوار سے ڈر کر روباہ صفت یزیدی فوج بھاگتی پھر رہی تھی تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے چونکہ عباس ع پروردۂ آغوش حیدر کرار تھے،

کربلا سے پہلے

بعض مورخین کا خیال ہے کہ عباس بن علی ع نے کربلا سے پہلے بھی عرب کے بہادروں کے ساتھ معرکے سر کئے ہیں اور ان سے اپنی شجاعت کا لوہا منوایا ہے،

بلکہ صاحب منتخب نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ،

قمر بنی ہاشم مثل کوہ عظیم تھے اور آپ کا دل مثل فولاد مضبوط و مطمئن تھا، آپ کی اس صفت کا مشاہدہ اس وقت ہوتا جب آپ تیروں تلواروں اور نیزوں کے سامنے آتے۔

صاحب کتاب " الکبریت الاحمر " نے بعض مستند کتابوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عباس ع نے جنگ صفین میں شرکت کی اور جس وقت امام حسین ع نے گھاٹ کو معاویہ کی سپاہ سے چھینا ہے اس وقت آپ امام ع کے مددگار تھے،

اسی کتاب میں ہے کہ صفین کے معرکہ میں ایک سترہ سالہ نوجوان چہرہ پر نقاب ڈال کر لشکر امیرالمومنین ع سے نکلا اور لشکر معاویہ سے مبارز طلب ہوا شامی فوج مقابلے

سے کترانے لگی معاویہ نے آخر کار ابوشعثاء سے مقابلہ کیلئے کہا اس نے کہاکہ اہل شام مجھے بہادری میں ایک ہزار سواروں کے برابر تصور کرتے ہیں، لہٰذا اس جوان کے مقابلے کیلئے جانا مرے شایان شان نہیں ہے میں اپنے سات بیٹوں میں سے کسی ایک کو بھیج دیتا ہوں، نقاب پوش نے یکے بعد دیگرے اس کے ساتوں بیٹوں کو واصل جہنم کیا، بیٹوں کی ہلاکت کا ابوشعثاء کو یقین نہیں تھا غیظ و غضب میں بل کھاتا ہوا جوان نقاب پوش کے روبرو ہوا اور بہت جلد اپنے بیٹوں کے ساتھ جہنم تک پہنچ گیا،

معاویہ کی فوج نے جوان نقاب پوش کی اس شجاعت کو دیکھنے کے بعد مقابلہ کی ہمت نہ کی، سپاہ امیرالمومنینؑ کو بھی اس جوان نے حیرت میں ڈال دیا تھا اگرچہ فن سپہ گری سے سب نے طے کرلیا تھا کہ یہ نوجوان بنی ہاشم کے گھرانے کی فرد ہے لیکن نقاب کی وجہ سے معین نہ کرپا رہی تھی کہ کون ہے،

جس وقت جوان نقاب پوش فاتحانہ کارزار سے پلٹتا ہے تو حضرت امیرالمومنینؑ نے بلایا اور نقاب چہرے سے الٹ دی تو سب نے پہچانا کہ " قمر بنی ہاشم تھے "،

صاحب کتاب لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ بعید نہیں ہے چونکہ حضرت عباسؑ کی عمر تقریباً سترہ سال ہی کی تھی، خوارزمی کے بیان کے مطابق تو حضرت عباسؑ کی شرکت جنگ صفین میں یقینی ہے،

خوارزمی کا بیان ہے :

سپاہ شام سے کریب نامی جنگجو نکلا جس کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ درہم کو چٹکیوں میں دبا کر اس کے نقش کو مٹا دیا کرتا تھا،

میدان کارزار میں پہنچکر اس نے امیرالمومنینؑ کو دعوت جنگ دی حضرتؑ نے اپنی سپاہ میں سے مرتفع زبیدی کو بھیجا کریب نے اسکو شہید کردیا اس کے بعد شرحبیل کو بھیجا یہ بھی شہید ہوئے پھر حرث شیبانی پہنچے اور یہ بھی شہید ہوئے، رفقاء کی شہادت حضرت امیرالمومنینؑ کو شاق گذری مزاج برہم ہوا حضرت عباسؑ کو

بلایا جو اس وقت کے بہادروں سے کسی طرح کم نہ تھے،
حضرت عباسؑ کے لباس کو خود پہنا اور اپنا لباس حضرت عباسؑ کو پہنایا تاکہ دشمن حضرت کو پہچان کر خوف زدہ نہ ہو لیکن کریب نے حضرت امیر المومنینؑ کو پہچان لیا پہلے تو حضرت نے اس کو خدا کے عذاب اور قیامت کی حاضری سے ڈرایا، جب اس شقی پر اثر نہ ہوا اس نے جواب میں حضرت سے کہا کہ تمہارے جیسے کتنوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں یہ کہکر اس نے حضرت پر حملہ کر دیا حضرت نے سپر پر اس کے وار کو روکا اور ایک ایسا حملہ کیا کہ اس کا سر دو نیم ہو کر رہ گیا، حضرت میدان سے واپس ہوئے اور اپنے نور نظر محمد حنفیہ سے فرمایا: کہ جاؤ ابھی اس کے ورثاء قاتل کو تلاش کرتے ہوئے آئیں گے، محمد حنفیہ میدان میں پہنچے کریب ملعون کا چچا زاد بھائی پہنچا اور قاتل سے متعلق سوال کیا جناب محمد نے فرمایا میں اس کی جگہ پر ہوں اس نے حملہ کر دیا جنگ ہوئی محمد حنفیہ نے اسکو موت کے گھاٹ اتارا دوسرا آیا تیسرا آیا یہاں تک کہ سات عدد شامی جناب محمد کے ہاتھوں سے واصل جہنم ہوئے [1]!

کتاب مذکورہ ہی میں ہے کہ جنگ صفین میں عباسؑ بن حارث بن عبد المطلب امیر المومنینؑ کی سپاہ سے میدان کارزار میں گئے اور عثمان بن وائل شامی سے مبارز طلب ہوئے، ایک ہی وار میں عثمان بن وائل واصل جہنم ہوا، عثمان کے بعد اس کا بھائی حمزہ جو دیو پیکر تھا میدان میں اترا اور جناب عباسؑ بن حارث کو مقابلہ کیلئے بلایا لیکن حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا تم نہ جاؤ اپنا لباس اور زرہ مجھ کو دو حضرتؑ نے عباس بن حارث کے لباس کو پہنا اور مقابلہ کیلئے میدان کارزار میں پہنچے اور ایسی ضرب لگائی

---

[1] مناقب ص ۱۷۸،

کہ پورا جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گیا،

صاحب مناقب کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ جنگ صفین میں دو بار حضرت امیرالمومنین ع لباس بدل بدل کر وارد میدان ہوئے ایک بار عباس بن حارث کے قیافہ میں اور ایک بار اپنے فرزند قمر بنی ہاشم کی جگہ پر "

لیکن محدث نوری کے خیال میں حضرت عباس جنگ صفین میں اپنی کم سنی کی وجہ سے موجود نہیں تھے راویوں نے عباس بن حارث کو عباس ع علمدار سمجھ لیا ہے،

لیکن محدث نوری کا یہ خیال صحیح نہیں ہے چونکہ اہل بیت علیہم السلام کے گھرانے کے نوجوانوں میں وہ سارے فضائل ومناقب ومحامد تھے جو عرب کے سورماؤں اور بہادروں میں پائے جاتے تھے، خاندان رسالت کے نابالغ بچوں نے وہ مظاہرۂ شجاعت کیا کہ آزمودہ جنگ نہ کر سکے، اس کی زندہ مثال حضرت قاسم علیہ السلام ہیں اگرچہ جناب قاسم کربلا میں بالغ نہیں تھے لیکن وہ رعب ودبدبہ وصولت تھی کہ بہادروں کے دل ہلکر رہ گئے تھے، بغیر کسی خوف وہراس کے قلب لشکر میں کود پڑے تھے اور ۳۵ یزیدی سپاہی کو ہدیہ جہنم قرار دیا[1]

جس طرح آل محمد ص کے گھرانے کے بچے اور بوڑھے پاکیزگی وطہارت میں برابر تھے اسی طرح شجاعت وشجاعت میں بھی یکساں تھے،

جناب قاسم اگرچہ کم سن تھے لیکن دشمن میں جرأت نہ ہو سکی کہ انہیں شہید کرے جس وقت آپ اپنی نعلین کے تسموں کو باندھ رہے تھے دشمن نے اسی عالم میں حملہ کر کے شہید کر دیا،

دشمن جناب قاسم ع کو میدان جنگ میں جنگ کرتے ہوئے شہید نہ کر سکا اور حضرت قاسم ع جیسے شیر نیستان حیدر کرار کو یہ گوارہ نہیں تھا کہ تسمہ کو میدان جنگ سے دور جا کر باندھے جناب عبداللہ بن مسلم تو جناب قاسم ع سے بھی زیادہ کم سن تھے لیکن اس کے باوجود

---

[1] نفس المہموم ص ۱۷۰، امالی صدوق میں ہے کہ تین ہزار کو واصل جہنم کیا تھا،

جب وارد میدان ہوئے، محمد بن ابی طالب کے بیان کے مطابق ۹۳ نفر کو موت کے گھاٹ اتارا تھا،

شرافت وکرامت وشجاعت اور طہارت میں خاندان بنی ہاشم کی فردیں چھوٹی بڑی سب برابر ہیں اور ع این خانہ ہمہ افتاب است ...

اسی کا ایک نمونہ جنگ جمل و نہروان میں نظر آتا ہے،

جناب محمد حنفیہ ان دونوں جنگوں میں علمدار لشکر تھے اور منصب کے شایان شان ذمہ داری کو ادا بھی کیا، اسلام آپ کی شجاعت کا مرہون منت ہے درانحالیکہ اسوقت آپ کا سن شریف بہت زیادہ نہیں تھا،

آپ کی وفات کے لئے سبط جوزی اور ابن اثیر کا خیال ہے کہ ۸۱ھ میں ہوئی[۱] اور وقت وفات آپ کا سن شریف ۶۵ سال تھا اس حساب سے آپ کی ولادت ۱۶ ھ رہی ہوگی لہذا ۳۶ھ میں جب جنگ جمل چھڑی تو تقریباً بیس سال عمر تھی لیکن بھرپور فن حرب وضرب سے آشنا تھے [۱]

ان موارد کے بعد حضرت عباس علمدار ع کی صولت وشجاعت قابل تعجب نہیں ہے، عباس ابو طالب علیہ السلام کے پوتے ہیں اور آنحضرت ص کا ارشاد ہے،

اگر ساری دنیا اولاد ابو طالب ہوتی تو سب ہی دلیر وشجاع ہوتے،

عباس ع کو جلال

امام حسن علیہ السلام کی شہادت ہوتی ہے قمر بنی ہاشم حضرت عباس ع کا سن مبارک اس وقت ۲۴ سال کا ہے[۲] جس وقت بنی امیہ نے پیکر امام ع پر تیر بارانی کرائی

۱۔ تذکرۃ الخواص، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۸،

۲۔ قمر بنی ہاشم ص ۸۴،

ہے شبیر نیستان علیؑ کو جلال آگیا قبضہ شمشیر پر ہاتھ تھا شب عقبہ جنہوں نے شہادت آنحضرت کا منصوبہ بنایا تھا ان کی اولادیں آج نواسے رسولؐ کے جنازہ کی بے حرمتی کر رہی تھیں عباسؑ ابن علیؑ نے ان کی سرکوبی کی ٹھان لی لیکن امام حسنؑ کی وصیت کے مطابق سرکار سید الشہداءؑ نے علمدار کو روکا جری زہر کے گھونٹ پی کر رہ گیا ،

شاید عباسؑ کو انتظار رہا ہو کہ اگر مدینہ میں نہ سہی تو کربلا میں ان کے غول در غول جتھے سے بدلا لوں گا ، لیکن جری کی یہ آروز وہاں بھی پوری نہ ہوسکی دین اسلام کی سربلندی کیلئے عباسؑ نے شجاعت انانیت کے ساتھ اپنے سر کو قلم کرا دیا ،

عباسؑ کربلا میں

دشت نینوا میں علمدار حسینی نے جس شجاعت کا مظاہرہ کیا وہ افتاب نیم روز کی طرح سب پر واضح ہے لیکن بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ بہت زیادہ وضاحت کی وجہ سے بہت سی چیزیں پردہ خفا میں چلی جاتی ہیں ،

بنی ہاشم کی سب سے واضح اور اہم خصوصیت یہی تھی کہ یہ شجاع و بہادر تھے شجاعت ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کی ہوئی تھی بنی ہاشم میں بھی بالخصوص ابی طالب کی شجاعت و بہادری بے مثال و بے نظیر تھی ، ان کی شجاعت کی گواہی آنحضرتؐ نے بھی ان الفاظ میں دی تھی "

اگر ساری دنیا اولاد ابو طالب ہوتی تو سبھی میں شجاعت و دلیری آجاتی ،

عباس علمدارؑ کی شجاعت و شہامت کا احساس لگانا ناممکن ہے ، عباس ابو طالب کے پوتے ، قاتل مرحب و عنتر کے لخت جگر اور فاتح خیبر کے لوز نظر تھے ، شجاعت آپ کو ورثہ میں ملی تھی حضرت علیؑ نے اپنے سارے بچوں کو خود فنون سپہ گری تعلیم دی تھی ،

حضرت عباسؑ نے بھیانک جنگوں اور سنگین معرکوں میں پرورش پائی تھی عباسؑ کا ننھیالی رشتہ عرب کے مشہور بہادروں یعنی عامریوں تک منتہی ہوتا اس گھرانے کی بہادری

کا اعتراف خود جناب عقیل نے فرمایا تھا:

پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں کہ بچوں میں ماموں اور چچا دونوں کے صفات منتقل ہوتے ہیں، لہٰذا ابو الفضل العباس ؑ میں نانھیال و دادیھال کے صفات منتقل ہوئے تھے،

حضرت علی ؑ کا جناب ام البنین سے عقد کا مقصد بھی یہی تھا کہ ایک جری و بہادر بچہ پیدا ہو اور حضرت اپنے مقصد میں کامیاب رہے حضرت عباس ؑ شجاعت کا ہمالہ تھے آپ کی صولت ہیبت اور بے باکی آپ کی جبین سے آشکار تھی جب آپ تلوار کو کسی پر علم کرتے تو موت بھی ہمراہ ہوتی اگر کسی بہادر کے سامنے جاتے تو وہ میدان چھوڑ دیتا جنگوں میں عباس ؑ کی داستانیں ہیں سر و تن کو عباس ؑ سے شکوے ہیں، کسی جنگ میں قدم نہیں رکھا مگر یہ کہ دشمن پر زمانہ تیر و تار کر دیا، ہمیشہ اپنے دشمن کا معرکوں میں تمسخرانہ انداز سے استقبال کیا عرب کا شاعر کہتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے

يـمثل الكـرار فـي كـراتـه	بل في المعاني الغر من صفاته
ليس يـد الله سـوى ابـيه	و قـدرة الله تـجلت فـيه
فـهو يـدالله و هـذا سـاعده	تغنيك عـن اثـباته مشاهده
صـولته عـند النـزال صـولته	لولا الغو قـلت جـلت قـدر ته

وہ حملوں میں مثل حیدر کرار تھے بلکہ تمام خصال میں حضرت علی ؑ کی شبیہ تھے،

آپ کے والد اگر "یداللہ" تھے تو آپ قدرت اللہ تھے،

امیر المومنین ؑ ید اللہ تھے اور عباس ؑ ید اللہ کے مددگار معرکوں میں ان کی موجودگی ہمارے دعوے کی دلیل ہے،

جنگ میں عباس ؑ ہو بہو حضرت علی ؑ کی شوکت وصولت کا نمونہ تھے

اگر مبالغہ نہ ہو تو کہونگا کہ بے نظیر ہیں عباس ؑ اپنی قدرت و منزلت میں

کیا کسی شاعر کے طائر بلند پرواز میں یہ دم ہے کہ عباس ؑ کی بلندیوں کو نظم کر سکے اور کسی اہل قلم میں یہ توانائی ہے کہ عباس ؑ جیسے شیر نیستان حیدر کرار کے صفات کا احاطہ کرے جسکا مظاہرہ آپ نے کربلا میں فرمایا ہے،

خدائے قہار کی قسم حادثہ کربلا میں حسینی بہادروں نے جس شجاعت وجان بازی کا مظاہرہ کیا نہ تاریخ گذشتہ میں اس کی نظیر ہے اور نہ آنے والا زمانہ اس کا مقابلہ کر سکتا ہے

دنیا میں ہونے والی ساری عرب وعجم جنگوں کو اگر دیکھا جائے تو اس میں طرفین کے درمیان قوت کا بہرحال تناسب وتوازن تھا، یہ صرف کربلا کی جنگ تھی بہتر ۷۲ کا مقابلہ تیس ہزار سے تھا، پیاسوں کا مقابلہ سیراب انسانوں سے تھا لیکن اس کے باوجود پیاسوں کی شجاعت کا کوئی مقابلہ نہ کر سکا،

تاریخ نویسوں نے جب کربلا کی تاریخ لکھنا چاہی تو بڑے شدّ و مد سے داستان ربیعہ بن مکرم کو پیش کیا ہے لیکن کہاں ربیعہ کی غیرت اور کہاں عباس ع کی غیرت، ؟!

داستان ربیعہ یہ ہے!

ربیعہ قبیلہ مضر کا نامی گرامی بہادر تھا ایک دن وہ اپنی ماں، بہن، اور بھائی کے ساتھ ہودج میں جارہا تھا جس وقت درید بن صمّہ کی نظر ہودج پر پڑی تو اس نے اپنے ایک ساتھی کو روانہ کیا اور پیغام کہلایا کہ اس ہودج والے سے کہدو کہ! ہودج سے ہاتھ اٹھائے اور اپنی خیر منائے، درید کو اس کی خبر نہیں تھی کہ ربیعہ جیسے نامی گرامی کا یہ ہودج ہے،

جس وقت ربیعہ نے محسوس کیا کہ درید کا پیغام بر ناقہ چھیننے پر تلا ہوا ہے تو فوراً مہار ناقہ چھوڑ دی اور لمحوں میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا، درید نے دوسرے ساتھی کو بھیجا اس کا انجام بھی یہی ہوا، پھر اس نے تیسرے ساتھی کو بھیجا کہ دونوں کی خبر لائے کہ کیا ہوا، ربیعہ نے اس کو بھی ٹھکانے لگا دیا لیکن ربیعہ کا نیزہ بھی اس میں ٹوٹ گیا جس وقت ساتھیوں کی خبر گیری کے لئے خود درید چلا تو کیا دیکھا کہ تین ساتھی مردہ پڑے ہیں اور ربیعہ کا نیزہ بھی ٹوٹا ہوا ہے،

درید نے کہا: اے جوان تیرے جیسے کو ان ساتھیوں کے بدلے نہیں ماروں گا چونکہ تیرے پاس نیزہ نہیں ہے، یہ میرا نیزہ لے اور اپنے ہودج کی حفاظت کر درید نے اسے اپنا نیزہ دیا اور قوم وقبیلہ والوں کو خبر کر دی کہ، ربیعہ نے اس کے

تین ساتھیوں کو قتل کر دیا اور خود اس کا نیزہ بھی چھین لیا ہے لہٰذا اب اس سے مزید چوں وچرا کرنے کی ضرورت نہیں ہے،

تاریخ نے بطور افتخار اس داستان کو پیش کیا ہے جس نے نیزہ ٹوٹ جانے کے باوجود ناموس کی حفاظت کی لیکن کیا مقابلہ عباسؑ کی غیرت وحمیت کا،

غیرت عباسؑ جری تو اس وقت بھی سامنے آئی جب یاران امام حسینؑ درجہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے پیاسے بچوں کی سیرابی کے لئے سید وسردار کربلا امام حسینؑ کی اجازت سے عباسؑ علمدار نے مشک کو کاندھوں پر رکھا گھاٹ پر پہنچے، شیر کے آہنگ سے پہرہ دار کائی کی طرح پھٹ گئے مشک کو پانی سے بھرا شانوں پر رکھا حرم کی طرف چل پڑے اس امید کے ساتھ کہ پانی سوختہ جگر بچوں تک پہنچ جائے گا،

امام حسینؑ روباہ صفت شامی فوجیوں کی بزدلی اور شیر بیشہ شجاعت کی جنگ ملاحظہ فرمارہے تھے مثل عقاب حضرت عباسؑ خیمہ کی طرف رواں دواں تھے ال اللہ کی آس عباسؑ کے پرچم سے بندھی ہوئی تھی،

دو موڑ ہیں جس میں عباس بن علیؑ کی شجاعت وشہامت کی ایک جھلک دیکھنے میں آتی ہے اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح وہ موت کے منھ میں ہونے کے باوجود ثابت قدم ومطمئن تھے،

ساتویں محرم ہے خیمہ امام حسینؑ وانصار حسینی کا پورا محاصرہ ہو چکا ہے پانی تک اب کسی کی رسائی ممکن نہیں کچھ وقفہ سے وہ پانی کا ذخیرہ تمام ہو گیا، صحرائے کربلا کی گرمی تپتے ریگستان کی جھلسا دینے والی ہواؤں سے پیاس اور بھڑک چکی تھی انصار حسینی وخاندان رسالت کی فردوں کے دل پیاس کی شدت سے چٹخ رہے تھے اور اگر کسی جری میں ہمت بھی ہوئی کہ پانی جاکر لائے تو گھاٹ پر بیٹھے ہوئے پہرہ داروں کے مسلح دستے آگے بڑھنے نہیں دیتے ان سارے خوفناک حالات کے باوجود حضرت عباسؑ ہر آن ولمحہ حاضر تھے کہ خود کو بلاؤں کی زد پر رکھتے ہوئے پانی فراہم کریں،

بڑھتی ہوئی پیاس کو دیکھتے ہوئے امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ سے فرمایا کہ ان

بچوں کیلئے پانی کی سبیل کرو، خونخوار پہرہ داروں کی بے رحمیوں کی پرواہ کئے بغیر عباس علمدارؑ کامیابی کے تصور سے سرشار تیس سواروں اور بیس مشکوں کو لیکر فرات کی طرف چل پڑے نافع بن ہلال آگے آگے چل رہے تھے نہ دشمن کی کثرت سے مرعوب اور نہ پہرہ داروں کی بھیڑ سے متاثر پانی کے تصور میں گھاٹ سے قریب ہوتے جا رہے تھے،

جب دریا کے قریب پہنچے ہیں تو یزیدی فوج کا افسر عمرو بن حجاج نے کہا:

تم کون ہو اور کیوں آئے ہو؟

نافع : جس پانی کو تم لوگوں نے ہم لوگوں پر بند کر دیا ہے اس کو لینے آیا ہوں،

افسر نے جواب میں کہا : آجاؤ، نافع نے کہا خدا کی قسم جب تک امام حسینؑ اور انصار امام تشنہ لب ہیں ایک قطرہ نہیں پی سکتا،

عمرو نے جواب میں کہا کہ ان لوگوں تک پانی نہیں پہنچ سکتا ہے مجھے یہاں بٹھلایا گیا ہے کہ پانی خیام حسینی تک پہنچنے نہ دوں لیکن نافع نے اس کی ایک نہ سنی ساتھیوں سے کہا مشکوں کو بھر لو ایک حصّہ پانی سے مشکوں کو بھر رہا تھا اور دوسرا حصّہ یزیدی فوج سے مقابلہ کر رہا تھا ان حسینی پیادوں اور سواروں کی حمایت حضرت عباسؑ کر رہے تھے اور کارزار میں مثل حیدر کرار شجاعت کا مظاہرہ فرما رہے تھے،

حسینی سپاہی مشکیں بھر کر خیام کی طرف بڑھ گئے فوج یزید میں جرأت و ہمت نہ ہو سکی کہ انہیں روکتی و ٹوکتی ؎۱

صاحب کتاب نے بھی طبری کے اس بیان کو ہفتم محرم ہی سے تعبیر کیا ہے درآنحالیکہ یہ واقعہ ہفتم سے پہلے کا ہے، ہفتم سے آل محمدؐ وانصار امام حسینؑ کے خیموں میں پانی کا ایک قطرہ نہیں تھا" حسینی "

(۲) پہلے ہی حملہ میں امام حسینؑ کے پچاس ساتھی درجہ شہادت پر فائز ہوگئے لہذا طے یہ پایا کہ دو دو تین تین میدان جنگ میں جائیں تاکہ ایک جنگ کرے اور

؎۱ طبری ج ۶ ص ۲۴۴،

دوسرا دشمن کے حملہ کو روکتا رہے، حضرت کے دو جابری انصار میدان کربلا میں گئے اور شہید ہوئے پھر دو غفاری صحابی نے جہاد کیا اور جام شہادت نوش کیا، یوں ہی جنگ جاری رہی اگر ایک ساتھی دشمن کے ہاتھوں قید ہوتا تو دوسرا حملہ کر کے دشمن سے چھڑا لیتا، یہاں تک کہ حر میدان کربلا میں پہنچے ان کے ہمراہ زہیر بن قین تھے تو ان کے پیچھے ان کی مدد کر رہے تھے یہاں تک کہ شہید ہوئے،

طبری کا بیان ہے کہ عمرو بن خالد آپ کے غلام سعد، جابر بن حارث سلمانی مجمع بن عبداللہ عائدی نے ایک ساتھ فوج کوفہ پر حملہ کر دیا اور قلب لشکر تک پہنچ گئے ادھر دشمن نے بھی چار سمت سے گھیر کر ان کا رابطہ لشکر امام حسینؑ سے منقطع کر دیا امام حسینؑ نے فوراً حضرت عباسؑ کو ان کی نصرت کے لئے روانہ کیا حضرت عباسؑ نے ایک ہی حملہ میں ان لوگوں کو دشمن کے چنگل سے رہائی دلائی، لیکن دشمن کی اس جھڑپ میں انصار حسینی زخمی ہو چکے تھے خون چہرے سے بہ رہا تھا دشمن نے دوبارہ حملہ کیا اور یہ لوگ ہمیشہ کیلئے شہادت کی آغوش میں پہنچ گئے،

شہادت

حضرت عباسؑ ابتداء عمر سے حق کی سربلندی کے خواہاں اور ذلت و رسوائی سے بے زار و متنفر تھے، آغوش عصمت کی پرورش نے آپ میں شجاعت و شوق شہادت زندہ کر دیا تھا لہٰذا اسلام کی حفاظت کیلئے آپ کا ہی مطمح نظر رہا یا دشمن کو تہہ تیغ کر دیں یا خود جام شہادت نوش کریں،

عباسؑ علمدار کے لئے ممکن نہیں تھا وہ ذلت بار حیات کو شہادت پر ترجیح دیں۔

عباسؑ اس زندگی کے خواہاں نہیں تھے جس میں ان کا بھائی حسینؑ اپنے اہل حرم کے ساتھ سختی و اذیت میں زندگی گذار رہا ہو، بلکہ عباسؑ کا وجود کربلا میں امام حسینؑ کے

حامیوں میں زبردست حامی کی حیثیت رکھتا تھا آپ کے وجود سے اہل حرم میں ڈھارس تھی جب تک علم بلند رہتا اہل حرم کے دل کو قرار رہتا امام حسینؑ نے آخری وقت تک اس مجاہد کو اجازت جنگ نہیں دی،

یہ نہیں کہ صرف امام حسینؑ نے آپ کو لڑنے کی اجازت نہیں دی بلکہ اہل حرم بھی راضی نہیں تھے کہ علمدار مرنے جائیں اور خود قمر بنی ہاشم کا ضمیر بھی اس کی اجازت نہیں دے رہا تھا کہ آل اللہ دست نینوا میں یزیدی کتوں کے ذریعہ کشاں کشاں پھرائی جائے

کربلا میں قمر بنی ہاشم جسمانی اذیتوں کے ساتھ ساتھ روحی اذیتوں میں بھی مبتلا تھے ایک طرف شجاعت کا مطالبہ تھا کہ جاؤ اور دشمن کو تہ و بالا کرو، دوسری طرف اطاعت امام وقت کرتے ہوئے دشمن کی جراءتوں کو آنکھوں سے دیکھ رہے تھے لیکن رگ حمیت عباسؑ اس وقت بھڑک اٹھی جب بہادر نے اہل حرم کی آواز العطش العطش سنی، دشمن کا محاصرہ شدید ہو چکا تھا، امام وقت دشمنوں کے نرغے میں تھا ساری راہیں امام حسینؑ کے لئے بند تھیں جو اصحاب تھے وہ اپنے خون میں غلطاں ریگ زار کربلا پر سو چکے تھے،

یہ وہ موقع تھا جب عباسؑ سے رہا نہ گیا ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے اور حضرت سے اجازت جہاد چاہی اب امام حسینؑ کے لئے کوئی چارہ نہیں تھا چونکہ عباسؑ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرنے والی تھی اب جری سے کربلا کے دلدوز حادثے دیکھے نہیں جا رہے تھے،

حضرت عباسؑ کے سامنے سر کٹانے یا دشمن سے بھرپور انتقام کے علاوہ کوئی دوسری راہ نہیں تھی،

امام حسینؑ نے آخر وقت پھر فرمایا:

عباسؑ جب تمہارے بلند علم کو دیکھتا ہوں تو اپنی فوج کو زندہ پاتا ہوں اور دشمن کو تمہاری صولت وہیبت سے بھاگتا ہوا محسوس کرتا ہوں تمہارے علم کو دیکھ کر اہل حرم کو بھی ڈھارس ہے، گویا امام حسینؑ

پھر در پردہ عباسؑ کو جانے کی اجازت نہیں دیتے ہیں،
حالات ناگزیر ہیں، عباسؑ عزم شہادت کر چکے ہیں امام حسینؑ نے غازی سے پھر کہا عباس تم میرے علمدار ہو ذرا بچوں کیلئے پانی کی سبیل کر د،
غازی دریا کی طرف چل پڑا، دشمن کے روبرو پہنچنے کے بعد فوج کو خدا کے عذاب سے ڈرایا لیکن جب ان سیاہ دلوں پر اثر نہ ہوا تو امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے اور یزیدی فوج کی قساوت قلبی سے باخبر کیا، اسی قت بچوں کی صدائے العطش علمدار کے کانوں سے ٹکرائی قمر بنی ہاشم کی غیرت کو جوش آگیا تاب ضبط نہ رہی مشکیزہ کو لیا راہوار پر سوار ہوئے اور فرات کی طرف چل پڑے،
ٹڈی دل فوج یزید کچھ نہ کر سکی فرزند علی مرتضیٰؑ نے گھاٹ پر متعین پہرہ داروں کو تتر بتر کر دیا فرات میں قدم رکھا سرد ہواؤں کے جھونکے محسوس ہوئے ساتھ ہی ساتھ امام حسینؑ کی تشنگی آنکھوں میں پھر گئی کیونکہ حضرت اور آپ کے ہمراہیوں پر پیاس کا شدید غلبہ تھا لہذا فوراً مشک کو پانی سے بھرا اور پوری کوشش تھی کہ سوختہ جگر بچوں تک کسی طرح پانی پہنچ جائے اور تشنہ لب امام کی جان خواہ ایک لمحہ کیلئے سہی بچ جائے،
حضرت عباسؑ حرم حسینی کی طرف رواں دواں تھے یہ شعر پڑھتے جا رہے تھے،

يَا نَفْسُ مِنْ بَعْدِ الْحُسَيْنِ هُونِي وَبَعْدَهُ لَا كُنْتِ إِنْ تَكُونِي
هٰذَا الْحُسَيْنُ وَارِدُ الْمَنُونِ وَتَشْرَبِينَ بَارِدَ الْمَعِينِ
تَاللّٰهِ مَا هٰذَا فِعَالُ دِينِي

اے نفس امام حسینؑ کے بعد زندگی بے کیف ہے ہرگز ان کے بعد زندہ رہنا نہیں چاہتا،
حسینؑ تو عازم شہادت ہیں اور تو آب خوشگوار کا آرزومند ہے
خدا کی قسم یہ عباسؑ کا شیوہ نہیں ہے،
جس وقت دشمن نے عباس علمدارؑ کو خیمہ کی طرف پانی لے جاتے ہوئے دیکھا ہر طرف سے گھیر لیا لیکن آپ کو ان کی قطعاً پرواہ نہیں تھی تلوار سے ان کو منتشر

کرتے ہوئے بڑھتے جارہے تھے اور ان اشعار کو زمزمہ فرمارہے تھے،

لَا أَرْهَبُ الْمَوْتَ إِذَا الْمَوْتُ زَقَا   حَتّٰى أُوَارىٰ فِي الْمَصَالِيتِ لَقَا

إِنِّي أَنَا الْعَبَّاسُ أَغْدُو بِالسَّقَا   وَلَا أَهَابُ الْمَوْتَ يَوْمَ الْمُلْتَقَىٰ

جب ہر طرف موت کا بازار گرم ہو تو میں اس وقت بھی موت سے خائف نہیں ہوتا یہاں تک کہ تلوار کے سایہ میں زمین پہ نہ گر جاؤں،

میں عباسؑ ہوں مشک لے جاؤں گا اور ضرور لے جاؤں گا اور جب موت کا رن پڑا ہو اس وقت بھی موت سے ہراساں نہیں ہوتا،

خیمہ اور فرات کے درمیان کمین گاہ میں رقاد جہنی حکیم بن طفیل ملعون کی مدد کیلئے چھپ گیا اور حضرت پر حملہ کیا داہنا ہاتھ قلم ہو گیا شیر نے بائیں ہاتھ میں تلوار لی اور دشمن پر حملہ آور ہوئے اس وقت آپ یہ دو شعر پڑھ رہے تھے،

وَاللّٰهِ إِنْ قَطَعْتُمُوا يَمِينِي   إِنِّي أُحَامِي أَبَدًا عَنْ دِينِي

وَعَنْ إِمَامٍ صَادِقِ الْيَقِينِ   نَجْلِ النَّبِيِّ الطَّاهِرِ الْأَمِينِ

خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے میرا داہنا ہاتھ قلم کر دیا ہے تو میں اسکے باوجود اپنے دین کی حمایت کرتا رہوں گا،

میں اپنی اس حالت کے باوجود امام وقت حسینؑ کی نصرت کرتا رہوں گا جو مرحلہ یقین پر فائز ہے جو طاہر و امین نبیؐ کا نور نظر ہے

ہاتھ کے قلم ہو جانے کے باوجود حضرت بہت تیزی سے حرم کی طرف بڑھتے جارہے تھے حکیم بن طفیل ملعون نے درخت خرمہ کے پیچھے سے چھپ کر دوبارہ حضرت پر حملہ کیا اور بایاں ہاتھ بھی قلم ہو گیا،

اس بے چارگی کے عالم میں بھی علمدار نے علم کو گرنے نہ دیا سینے کے سہارے علم کو بلند کئے رہے دشمن کی جرأتیں بڑھ چکی تھیں ہر طرف سے گھیر لیا لیکن اس کے

باوجود دشمن میں قریب آنے کی ہمت نہ تھی تیروں کی بارش شروع کردی ایک تیر مشکیزہ پر لگا پانی بہہ گیا ایک تیر حضرت کے سینہ اطہر اور ایک تیر آنکھ میں پیوست ہوا اسی حالت میں ایک شقی نے ایک گرز گراں سر اقدس پر مارا آرزدے الحرم زمین پر آیا خون سے پیکر نازنین غرق تھا ایک نحیف آواز فضائے کربلا میں بلند ہوئی :

آقا حسینؑ آپ پر میرا سلام آخر ہو۔[1]

علمدار کے سلام کو سنتے ہی امام حسینؑ نے اپنے کو بھائی کے سرہانے پہنچا دیا پتہ نہیں اس وقت حضرت پر کیا گذری ہوگی کیا حضرت میں یہ قوت و توانائی تھی کہ علمدار کو خاک و خون میں غلطاں دیکھیں یا فقط عباسؑ کی محبت تھی جس نے حسینؑ کو ان کے جنازے پر پہنچا دیا تھا؟

جس وقت امام حسینؑ سرہانے پہنچے ہیں عباسؑ کو تیروں سے چھلنی پایا پیکر شجاعت خود اپنے خون میں غرق تھا زمین کربلا عباسؑ کے لہو سے لالہ زار تھی جسم کا کوئی حصہ سالم نہیں تھا، پتھروں، تلواروں، اور نیزوں نے جسم کو چور چور کر دیا تھا،

امام حسینؑ آج جس عباسؑ کے سرہانے پہنچے ہیں نہ آج اس کے بازو ہیں جو اپنی شجاعت کا مظاہرہ کر سکے اور نہ زبان ہے جو رجز خوان ہو سکے اور نہ صولت و ہیبت ہے جس سے دشمن مرعوب ہو سکیں اور نہ وہ نظر ہے جس سے شیروں کے پتے مر سکیں اور نہ وہ سر ہے جو دشمن کے منصوبوں کو نقش بر آب بنا رہا تھا،

کیا ایسا منظر دیکھنے کے بعد امام حسینؑ کے پیکر صد پارہ میں یہ قوت تھی کہ وہ لاشہ عباسؑ کو اٹھا سکتے ؟

ہرگز نہیں عباسؑ کے بعد حسینؑ صرف ایک پیکر بے روح تھے خود امام حسینؑ نے اپنی قلبی کیفیت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے،

---

[1] تظلم الزہرا ص ۱۲۰،

اَلْآنَ انْكَسَرَ ظَهْرِي، وَقَلَّتْ حِيلَتِي، وَشَمَتَ بِي عَدُوِّي:
عباسؑ تمہارے بعد کمر ٹوٹ گئی، چارۂ تدبیر ختم ہو گئی اور دشمن
مری بے چارگی پر طعنہ زن ہیں،

عرب کا شاعر کہتا ہے:

و بان الانكسار في جبينه ... فانكدت الجبال من جنينه
كافل اهله و ساقي صبيته ... و حامل اللوا بعالي همته
و كيف لا و هو جمال بهجته ... و في محياه سرور مهجته

شکستگی کے آثار آپ کے وجود اطہر پر نمایاں تھے، حسینؑ کے گریہ سے بہادروں میں لرزش تھی عباسؑ اہل حرم کے سرپرست بچوں کے سقاء اور امام حسینؑ کے عالی ہمت علمدار تھے، عباسؑ کی شہادت پر امام حسینؑ کی یہ کیفیت ہونا ہی چاہیئے تھی کیونکہ وہ سید الشہداءؑ کی مسرتوں کا مرکز تھے،

خواب

سید محمد ابراہیم قزوینی حرم حضرت ابوالفضلؑ کے امام جماعت تھے ایک دن وہ مشہور خطیب شیخ محمد علی خراسانی کی مجلس میں تشریف لے گئے خطیب نے مصائب میں یہ پڑھا کہ حضرت عباسؑ کی آنکھ میں تیر پیوست ہو گیا تھا اس بیان سے سید محمد ابراہیم خوب روئے لیکن بعد از مجلس ذاکر سے کہا کہ اتنا سخت مصائب جس کی سند بھی نہیں ہے کیوں پڑھتے ہو؟

اسی شب ان عالم نے خواب میں حضرت ابوالفضلؑ کو دیکھا کہ حضرت نے فرمایا سید محمد ابراہیم تم کربلا میں تھے جو تمہیں خبر ہوتی کہ مجھ پر کیا گذری، سنو! جس وقت مرے دونوں بازو قلم ہو گئے دشمن نے مجھ پر تیر کی بارش کر دی ایک تیر میری آنکھ میں پیوست ہوا میں نے سر کو کئی بار جھٹکا دیا لیکن وہ تیر نہ نکلا عمامہ سر سے گر گیا، سوچا کہ سر کو

جھکاؤں اور دونوں رانوں سے دباکر تیر کو نکال لوں کہ گرز گراں سر پر لگا،

حضرت سید الشہداءؑ جس وقت جنازۂ عباس علمدار سے خیمہ گاہ کی طرف چلے ہیں غم واندوہ چہرے سے آشکار تھا دل شکستہ تھا آستین سے آنسوؤں کو خشک کر رہے تھے تا کہ اہل حرم کی نظر نہ پڑے [۱] عباسؑ کے مرتے ہی دشمن نے خیمہ پر حملہ کردیا امام حسینؑ نے بلند آواز سے انہیں مخاطب فرمایا:

أما مِنْ مُجيرٍ يُجيرُنا؟ أما مِنْ مُغيثٍ يُغيثُنا؟ أما مِنْ طالِبِ حَقٍّ يَنْصُرُنا؟ أما مِنْ خائِفٍ مِنَ النّارِ فَيَذُبُّ عَنّا؟

کوئی ہے جو مجھے پناہ دے، کوئی فریاد رس ہے جو میری فریاد رسی کو پہنچے، کیا کوئی حق پسند ہے جو مری مدد کرے آیا کوئی جہنم سے ڈرنے والا ہے جو میری حمایت کرے،

امام حسینؑ کا یہ استغاثہ درحقیقت اتمام حجت تھا تاکہ کوئی روز محشر خدائے قہّار کے حضور میں یہ نہ کہہ سکے کہ میں نے فریاد مظلوم نہیں سنی،

جس وقت جناب سکینہ سلام اللہ علیہا نے آپ کو خیمہ کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو سوال کیا بابا چچا عباسؑ کہاں ہیں؟ کیوں نہیں میرے لئے پانی لائے،

حضرت نے فرمایا:

تمہارے چچا شہید ہوگئے،

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے جس وقت عباسؑ کی خبر شہادت سنی روتے ہوئے بھائی کو پکارا، ہائے عباسؑ ہائے ابوالفضلؑ میں تمہارے بعد بے یار و مددگار ہوگئی، اہل حرم میں کہرام تھا امام حسینؑ بھی ہائے عباسؑ ہائے علمدار کہہ کر رو رہے تھے اور روح عباسؑ سے اس طرح مخاطب تھے،

عباسؑ تمہارے بعد تباہیوں نے گھیر لیا ہے ألا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّالِمينَ.

---

[۱] الکبریت الاحمر ص ۱۵۹،

جنازہ نہ آیا

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام حسینؑ نے شہیدوں کے جنازوں کو مقتل کربلا میں نہیں چھوڑا بلکہ شہادت کے بعد خیمہ تک اٹھا کر لاتے، شہیدوں کی فرد فرد کے لئے یہ انداز صراحت سے نہیں ملتا لیکن جو روایات ہم تک پہنچی ہیں اگر ان پر غور کیا جائے تو اس سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ امام شہداء کے جنازوں کو قتل گاہ سے خیمہ گاہ تک لاتے تھے،

حالات کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ امام حسینؑ نے جنازہ قاسم کو خیمہ میں لاش علی اکبرؑ کے پہلو میں رکھا تھا، حر بن یزید ریاحی کا جنازہ بھی اسی جگہ تھا جہاں حضرت علی اکبرؑ کا لاشہ تھا،

یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ امام حسینؑ اپنے عزیزوں کی لاشوں کو تو مقتل سے اٹھا لائیں اور اصحاب کے لاشوں کو وہیں چھوڑ دیں جب کہ امام اپنے اصحاب کے لئے فرما چکے تھے کہ میں اپنے اصحاب سے بہتر و نجیب کسی کے اصحاب کو نہیں پاتا مرے اصحاب تو نانا جان اور بابا جان کے اصحاب سے بہتر ہیں،

کیا ان تمام حالات کے پیش نظر امام حسینؑ جیسا غیور اپنے عزیزوں کے جنازوں کو میدان سے لائے اور اصحاب کو چھوڑ دے، ہرگز نہیں،،

لہٰذا عدم صراحت کے باوجود میرا عقیدہ ہے کہ امام حسینؑ نے جنازوں کو میدان میں نہیں چھوڑا اس نظریہ کو تقویت امام محمد باقر علیہ السلام کے اس ارشاد سے ہوتی ہے،

كَانَ الْحُسَيْنُ يَضَعُ قَتْلَاهُ بَعْضَهُمْ مَعَ بَعْضٍ وَيَقُولُ: قَتْلَةٌ مِثْلُ قَتْلَةِ النَّبِيِّينَ وَآلِ النَّبِيِّينَ.

امام حسینؑ شہداء کو ایک دوسرے کے پہلو میں لاکر رکھتے اور فرماتے یہ شہداء انبیاء کرام اور اولاد انبیاء کرام کے شہیدوں جیسے ہیں،

ان سارے وجوہات کے باوجود بغیر کسی شک وشبہ کے علمدار کا لاشہ ترائی سے خیمہ گاہ تک نہیں آیا اس کی متعدد وجہیں بیان کی جاتی ہیں،

(۱) لاشہ صد پارہ اٹھانے کے قابل نہیں تھا،

(۲) امام حسینؑ کو علمدار نے قسم دلائی تھی کہ مجھے خیمہ گاہ تک نہ لے جائیگا میں نے سکینہ سے پانی کا وعدہ کیا تھا اس سے شرم آئے گی ۱؎

(۳) خود امام حسینؑ میں جنازہ عباسؑ اٹھانے کی طاقت باقی نہ رہ گئی تھی،

یہ ساری وجہیں ایسی نہیں کہ جس پر کوئی دلیل قاطع ہو اور اگر امام حسینؑ بشری طاقت سے جنازہ عباسؑ اٹھانے کی توانائی نہیں رکھتے تھے تو ربانی طاقت سے ہر جگہ منتقل کرنے پر قادر تھے،

شاید ایک راز رہا ہو جس کی وجہ سے جنازۂ علمدار کو امام حسینؑ نے ترائی پر چھوڑ دیا اس راز کو دقیق نظر اور نکتہ رس ہی محسوس کر سکتے ہیں ورنہ اگر یہ راز نہ ہوتا تو ہر قیمت پر امام حسینؑ آپ کے جنازہ کو ترائی سے خیمہ گاہ تک لائے،

گذرتے ہوئے زمانہ نے اس راز کو آشکار کیا، حضرت عباسؑ کا جو مرتبہ و منزلت تھی اس کے پیش نظر ضرورت تھی کہ آپ کی قبر اطہر جدا بنائی جائے تاکہ صاحبان حاجت آپ کی طرف رجوع کرتے رہیں اور یہاں ان کے درد کا درمان ہوتا رہے،

عباس علمدارؑ کا سر بہ فلک قبۂ مطہرہ دنیا کے شکستہ دلوں کی آرزوں کا مرکز و مصدر قرار پائے اور اس حرم کے ذریعہ خدا سے قریب ہوتے رہیں،

لاشہ عباسؑ کے نہ لانے کی وجہ یہ تھی کہ معجزے وکرامات لوگوں پر ظاہر ہوں اور لوگوں پر آپ کی عظمت و منزلت آشکار ہو اور رہتی دنیا تک لوگوں کے دل آپ کی طرف کھیچتے رہیں اور اس طرح حضرت عباسؑ خدا و بندوں کے درمیان کا رابطہ قرار پا سکیں،

۱؎ الکبریت احمر ج ۱ ص ۱۵۸،

خداوند متعال اور امام وقت امام حسینؑ کا یہ ارادہ تھا کہ حضرت عباسؑ کی ظاہری قدر و منزلت بھی معنوی جلالت و منزلت کی طرح لوگوں پر واضح ہو جائے لہٰذا آپ کے لاشہ کو شہداء کے پہلو میں نہ رکھا اگر قبر حضرت عباسؑ اطراف حرم امام حسینؑ میں ہوئی تو عظمت عباس علمدار کھل کر سامنے نہیں آسکتی تھی لہٰذا حضرت نے آپ کی لاش کو اس جگہ چھوڑ دیا تا کہ کرامات و اختیارات قمر بنی ہاشم جو آئمہ طاہرینؑ کے اختیارات سے ملتے جلتے ہیں لوگوں پر واضح ہو جائیں ،

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے فقرات بھی اس کے شاہد ہیں جس وقت آپ کربلا زیارت کیلئے تشریف لے گئے تو تمام شہداء کے لئے ایک زیارت پڑھی لیکن حضرت عباسؑ کو ان شہداء کی زیارت میں شامل نہیں فرمایا بلکہ جس طرح امام حسینؑ کی زیارت علیحدہ پڑھی تھی حضرت علمدار کی زیارت بھی علیحدہ انشاء فرمائی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ انداز خود آپ کی عظمت کی طرف نمایاں اشارہ ہے ،

قبر اطہر

حضرت عباسؑ کے مرقد مطہر کی جگہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے روایات حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام نے موجودہ قبر کی تائید فرمائی ہے ،

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے ،

جس وقت حضرت عباسؑ بن علیؑ کی زیارت کا قصد کرنا تو حائر کے مقابل فرات کے کنارے دروازہ سقیفہ کے پہلو میں کھڑے ہو کر کہنا[۱]

---

[۱] کامل الزیارات ص ۲۵۶ ،

مرحوم مجلسی نے بھی شیخ مفید اور ابن مشہدی کی کتابوں سے امام جعفر صادق ؑ کی دوسری زیارت تحریر کی ہے جس میں موجودہ حرم کو محل دفن قرار دیا ہے [۱]

مرحوم مجلسی نے شیخ مفید، شہید اول، اور سید ابن طاؤس کے حوالے سے نیمہ رجب، شب قدر، عید فطر و قربان کے لئے ایک زیارت نقل کی ہے جس کو علامہ نوری نے "تحیہ الزائر" میں بھی نقل کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عباس ؑ کی قبر اطہر اسی جگہ ہے جہاں شہید ہوئے تھے،

شیخ مفید نے ارشاد میں جو روایت نقل کی ہے وہ صراحتًا کامل الزیارت کی تائید کرتی ہے،

شیخ کے الفاظ یہ ہیں:

> سارے شہداء حضرت امام حسین ؑ کے پائین پا دفن ہیں لیکن عباس بن علی ؑ غاضریہ کے راستے میں فرات کے کنارے دفن ہیں حضرت عباس ؑ کے بھائیوں کی قبر کے نشان معلوم نہیں ہیں لہٰذا زائر کو قبر امام حسین ؑ کے پاس کھڑا ہو کر پائے مبارک کی طرف اشارہ کرکے حضرت عباس ؑ کے بھائیوں کی زیارت کرنا ہے کہا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ امام حسین ؑ سے نزدیک جناب علی اکبر ؑ کی قبر ہے اور دوسرے شہداء علیہم السلام کیلئے معین طور سے نہیں کہا جا سکتا کہ کہاں ہیں پس اتنا معلوم ہے کہ سارے کے سارے شہداء حائر حسینی میں دفن ہیں،

اسی لئے محققین علماء کا نظریہ ہے کہ حضرت عباس ؑ کی قبر فرات کے کنارے ہے موجودہ حرم اسی قبر پر بنایا گیا ہے، اس حقیقت کا اعتراف مرحوم طبرسی، مرحوم نعمت اللہ جزائری، مرحوم طریحی، مرحوم سید داودی نے اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے [۲]

۱۔ بحار الانوار جلد مزار، ۲۔ اعلام الوری ص ۱۴۷، انوار النعمانیہ ص ۳۴۴، منتخب، عمدۃ الطالب ص ۳۴۹،

صاحب ریاض الاحزان نے بھی کامل السقیفہ کے حوالے سے اس کی تائید کی ہے ،
بعد کے علماء نے بھی اس کو صحیح مانا ہے ،

توجیہ

بحار الانوار کے حوالے سے یہ نقل کر چکا ہوں کہ جنازۂ جناب حر میدان کربلا سے امام حسینؑ کے سامنے ہی لاکر رکھا گیا تھا اس بیان کی روشنی میں حر بھی حرم امام حسینؑ میں مدفون ہیں لیکن صاحب کبریت احمر ،، نے سید نعمت اللہ جزائری کی کتاب مدینۃ العلم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے حر کو شہداء سے دور دفن کیا ہے ،

اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ قبیلہ حر نے پامالی سے بچانے کیلئے انہیں وہاں سے ہٹا لیا تھا اور وہاں سے جاکر دفن کیا جہاں اس وقت ان کی قبر ہے ،

ایک قول یہ ہے کہ حر کی ماں کربلا میں موجود تھیں لہٰذا ان کے حکم سے حر کی قبر شہداء سے الگ بنائی گئی ،

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حر کو ان کے قبیلہ والوں نے دفن کیا تھا تو پھر جناب سید نعمت اللہ جزائری کا بیان جس میں انہوں نے امام زین العابدین علیہ السلام کے ہاتھوں دفن کو لکھا ہے بے معنی ہو جاتا ہے ، کیونکہ عجیب سا لگتا ہے کہ قبیلۂ حر اگر حر کو تو دفن کر دے اور فرزند رسولؐ امام وقت کے جنازہ کو اسی طرح چھوڑ دے ،

بہر حال حر کی موجودہ قبر بلا شبہ ان کی قبر ہے ثقات علماء کا شیوہ رہا ہے کہ وہ اسی جگہ زیارت حر کیلئے تشریف لائے جناب شہید اول کا نظریہ بھی یہی ہے کہ حر کی موجودہ قبر ہی ان کی صحیح قبر ہے ،

زائر امام حسینؑ کی زیارت کے بعد جناب علی اکبرؑ ، شہدائے کربلا ، حضرت عباسؑ اور حر بن یزید ریاحی کی زیارت کرے ،

علامہ نوری[۱] اور اعتماد السلطنہ محمد حسن مراغی[۲] کا بھی یہی نظریہ ہے کہ موجودہ حرم میں ہی حر کی قبر ہے،

مرحوم مجلسی بحار میں عموم شہداء کے سلسلہ میں کلام معصومؑ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں " اس جگہ شہداء کا مدفن ہے " مرحوم مجلسی کی مراد حضرت عباسؑ و حرؑ کے علاوہ جو شہید ہوئے ہیں ان سے ہے،

حر کی موجودہ ہی قبر ان کی صحیح قبر ہے اس کا ایک ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ شاہ اسماعیل نے جب بغداد پر قبضہ کیا تو کچھ لوگوں نے اس سے نقل کیا کہ بعض علماء کو شک ہے کہ حقیقتاً حر امام حسینؑ کے طرفدار تھے یا نہیں بادشاہ نے اس خبر کے بعد قبر حر کو کھولنے کا حکم دیا تاکہ حقیقت حال آشکار ہو سکے جب قبر کھولی گئی تو ان کو اسی طرح پایا گیا جس طرح شہید ہوئے تھے، آپ کی پیشانی پر ایک رومال بندھا تھا جب اس کو کھولا گیا تو خون کا فوارہ بہنے لگا دوسری پٹیوں سے اس زخم کو باندھا گیا لیکن خون نہ تھما آخرکار اسی رومال کو دوبارہ باندھ دیا گیا

بادشاہ پر حقیقت حال آشکار ہو گئی قبر حر پر حرم تعمیر کرایا خادم معین کئے اور جاگیریں وقف کیں،

حائر حسینی

حائر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سرکار سید الشہداءؑ کو شہید کیا گیا تھا اس کی وجہ تسمیہ کیلئے جو یہ بات کہی جاتی ہے کہ جب متوکل عباسی نے پانی کی نہر قبر اطہر سے گذارنا چاہی تو پانی گردش کرنے لگا تھا صحیح نہیں ہے چونکہ متوکل کی حکومت سے قبل بھی اس کو

---

[۱] لولو مرجان، ص ۱۱۵،

[۲] ناصر الدین شاہ کے دور کا مؤلف ہے جس کی کتاب کا نام حجۃ السعادہ علی حجۃ الشہادہ ہے، ص ۵۱ "

حائر کہتے تھے امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے حائر کے نام سے یاد کیا ہے،
اللہ نے پانی کو اپنی ساری مخلوق پر مباح قرار دیا ہے لیکن یہ پانی اس کی حجت پر بند کیا گیا اور دشمن متوکل نے نشان قبر مٹانے کے لئے پانی کی نہر کھروادی لیکن خدا کو یہ گوارہ نہ تھا کہ نشان قبر محو ہو جائے لہٰذا پانی سے قبر کے نشان کو مٹایا نہیں بلکہ قبر کے گرد گردش کر کے ہمیشہ کیلئے مرکز توجہ بنا دیا،

بہت جلد یہ واقعہ زبان زد خاص و عام ہو گیا محفلوں میں مجلسوں میں علماء و خطباء نے اس کا تذکرہ کیا نسلاً بعد نسلٍ یہ واقعہ نقل ہوتا رہا اور اس ظلم کا بانی متوکل ہر عصر و نسل کی لعنت کا مستحق قرار پایا،

جن علماء نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے ان میں شہید اول ، اردبیلی ، سبزواری شیخ طریحی اور شیخ محقق ہیں [۱]

اگرچہ کینہ توزوں اور حاسدوں نے کرامات و معجزات آل اطہار کو چھپانے کی کوششیں کیں لیکن ان کے ستاروں کی طرح بکھرے ہوئے مناقب و محامد ہمیشہ اہل حق کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے رہے ۔ آل محمدؑ نور الٰہی کا نام ہیں اور خدا کو یہ گوارہ نہیں کہ دشمن اس کے نور کو بجھا دیں،

یافعی نے مراۃ الجنان میں لکھا ہے کہ ایک وقت دجلہ میں طغیان آیا احمد بن حنبل کا سارا مقبرہ پانی میں ڈوب گیا صرف وہ کمرہ محفوظ رہا جس میں ان کی قبر تھی پانی اس کمرے تک بڑھا جس میں احمد بن حنبل کی قبر تھی لیکن دہلیز سے ایک ہاتھ کے فاصلہ پر رکا رہا پورا مقبرہ پانی میں ڈوبا رہا لیکن قبر پر پڑی ہوئی خاک متاثر نہ ہوئی [۲]

یافعی احمد بن حنبل کیلئے اس کرامات کو ثابت کرتا ہے لیکن جگر گوشہ رسولؐ سردار جنت امام حسینؑ کیلئے انکار کرتا ہے،

---

[۱] ذکری، شرح ارشاد، ذخیرہ، منتخب جواہر،

[۲] ج ۴ ص ۲۷۳،

لیکن یافعی سے سوال کروں گا کہ اگر آب دجلہ قبر کو متاثر نہ کرسکا تو جب دوسری مرتبہ دجلہ میں باڑھ آئی ہے تو احمد بن حنبل کا مقبرہ کیوں نہیں بچا بلکہ سارے نشان مٹا دیئے خود آج تک قبر کا پتہ نہیں ہے ۱؎

آل محمدؐ کے مقابلے میں اس طرح کے کرامات کو اہلسنت نے اپنی کتابوں میں فراواں بیان کیا ہے اگرچہ یہ موضوع میری کتاب سے خارج ہے لیکن چند نمونے پیش کر رہا ہوں تاکہ واضح ہوجائے دشمنی آل محمدؐ کے بعد کیونکر حقائق سے منکر ہوگئے،

یافعی اپنی اسی کتاب میں رقمطراز ہے:

جس وقت ابواسحاق شیرازی وارد عجم ہوئے تو عورت مرد بچے ان کے استقبال کیلئے آئے اور اپنے کپڑے تبرک کیلئے ان سے مس کرتے اور سواری کے جانور کے سم کی خاک کو شفا کیلئے اکٹھا کر رہے تھے، ۲؎

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو فرزند رسولؐ سردار جوانان جنت امام حسین علیہ السلام کے خون سے آغشتہ خاک کربلا سے کیوں کر شفا حاصل نہیں کی جاسکتی ہے،

اسی کتاب میں یافعی نے ان فضائل ومناقب احمد کا تذکرہ کیا ہے جو خدا نے خدمت اسلام کے صلے میں انہیں عنایت فرمائے ہیں،

یافعی کا بیان ہے کہ ایک دن ابراہیم حربی نے بشر حافی کو خواب میں دیکھا کہ مسجد رصافہ سے نکل رہے ہیں اور اپنی آستین میں کچھ چھپائے ہوئے ہیں، میں نے پوچھا کہ کیا چھپائے ہوئے ہو تو انہوں نے جواب دیا روح احمد ہمارے پاس آئی تھی اس پر جواہرات نثار کئے گئے یہ وہی جواہرات ہیں جو میں نے ان میں سے چنے ہیں،

یہ واقعہ تو صحیح ہو لیکن آنحضرتؐ کی یہ حدیث صحیح نہ ہو جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ علیؑ و زہراؑ کی شادی کے وقت اللہ نے جنت کے درخت طوبیٰ کو حکم دیا کہ امان

۱؎ بغداد فی عہد العباسیین ص ۱۴۶،

۲؎ ج ۳ ص ۱۱۳، و ص ۱۳۳،

نامہ علیؑ و فاطمہؑ کے دوستوں کیلئے نثار کرے اور اس درخت کے نیچے فرشتے خلق فرمائے جو اکرام و احترام علیؑ زہراؑ میں سے چن رہے تھے،

احمد بن حنبل کے کرامات میں اس طرح کے واقعات نقل کئے جائیں اور علی ابن ابی طالبؑ کے لئے انکار کر دیا جائے درآنحالیکہ حضرت ختمی مرتبتؐ نے آپ کو ہارون کا مثل قرار دیا ہے اگر علیؑ نہ ہوتے تو اسلام کی بنیادیں مستحکم نہیں ہوسکتی تھیں،،

اس صریحی تعصب کا کیا علاج ہے کرامات احمد کا راوی معتبر ہے اور روایت شجرہ طوبی کا راوی رافضی اور روایت بھی جعلی ہے [۱] درآنحالیکہ یہ روایت محدثین کے نزدیک خاصی شہرت رکھتی ہے،

سبکی کا بیان ہے کہ جب احمد بن نصر خزاعی کو خلیفہ عباسی واثق نے اس جرم میں قتل کرا دیا کہ اس کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے،، سر کے جدا ہونے کے بعد بھی قرأت قرآن کی آواز کٹے سر سے آتی رہی،

لیکن یہی حضرات اس کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں کہ سر امام حسینؑ قلم ہو جانے کے بعد تلاوت قرآن کی تھی جب کہ امام حسینؑ نے جام شہادت صرف حیات و بقاء اسلام کیلئے نوش فرمایا تھا، اس واقعہ کے راوی کو رافضی و جاہل قرار دے کر حقیقت سے انکار کر دیا کرتے ہیں،

جب کہ حضرت ختمی مرتبت کا صاف و صریح ارشاد موجود ہے حسن و حسینؑ امام ہیں خواہ صلح کریں یا جنگ، حسن و حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں،

خود امام حسینؑ نے فرمایا تھا کہ میں نہ شر و فساد کیلئے نکلا ہوں اور نہ حق الناس کو ضائع کرنے کیلئے بلکہ میرا مقصد نانا کے دین میں پیدا ہونے والی خرابی کو برطرف کرنا ہے،

سبکی نے ایک اور دلچسپ واقعہ لکھا ہے اور اس واقعہ کیلئے لکھا ہے کہ متواتر

---

[۱] اللیالی المصنوعہ ج ا ص ۱۹۸،

ہے، واقعہ یہ ہے،

اسماعیل بن محمد حضرمی اپنے خادم کے ہمراہ سفر کر رہے تھے نماز نہیں پڑھی تھی سورج ڈوبنے والا تھا اسماعیل نے خادم سے کہا کہ ذرا اس سورج سے کہدو کہ اس وقت تک نہ ڈوبے جب تک کسی مناسب جگہ پر پہنچ کر نماز نہ پڑھ لوں، خادم نے سورج کو اپنے آقا کا پیغام سنا دیا، سورج یہ سنتے ہی اپنی جگہ پر رک گیا جب اسماعیل اپنے گھر پہنچ گئے اور نماز پڑھ لی تو خادم سے کہا کہ " اس قیدی کو رہا نہیں کروگے "، خادم نے سورج سے کہا غروب کرو سورج ڈوب گیا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا،

سبکی اس واقعہ کو اللہ کے ایک ولی کیلئے ناقابل انکار تصور کرتا ہے اور واقعہ ردشمس کو حضرت علیؑ کیلئے جو رکن نبوت تھے انکار کرتا ہے،

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ جب احمد بن حنبل نے وفات پائی تو یہود ونصاریٰ و آتش پرست سب نے ان کی وفات پر سوگ منایا تھا[۱]

احمد کے انتقال پر اظہار غم کرنا بدعت نہیں ہے لیکن فرزند رسولؐ کے غم میں عزاداری کرنا بدعت و حرام ہے،

غزالی نے کہا ہے ! نوحہ و ماتم سے گریز کرنا چاہئیے یہ شیعوں کی بدعت ہے جو مومنین کے اخلاق کے برخلاف ہے،

اس نوحہ و ماتم کو بدعت اوروں نے بھی قرار دیا ہے درآنحالیکہ امام حسینؑ کی حیات میں آپ کے مصائب کو سنکر آنحضرتؐ روئے اور روتے ہوئے مسجد تک تشریف لے گئے اصحاب نے بھی گریہ فرمایا، جس میں ابوبکر عمر ابوذر اور عمار بھی تھے، اصحاب نے گریہ کا سبب دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا:

ابھی جبرئیل آئے تھے اور جو مصائب حسینؑ پر ہونے والے ہیں مجھے اس کی خبر دی ہے[۲]

---

[۱] تاریخ بغدادی ج ۴ ص ۴۲۳،

[۲] اعلام النبوہ ص ۵۳، الخصائص الکبریٰ سیوطی ج ۲ ص ۱۲۵،

امام حسینؑ زندہ تھے جب امیرالمومنینؑ صفین کی طرف جاتے ہوئے کربلا سے گذرے تھے کربلا پہنچکر حضرت خوب روئے اور فرمایا یہ وہ جگہ ہے جہاں محملیں اتریں گی خون بہایا جائے گا، اے زمین کربلا کیا کہنا تیرے نصیب کا تجھ میں اولیائے خدا کے خون جذب ہوں گے۔[۱]

اے غزالی وطر فداران غزالی !! کیا حضرت ختمی مرتبت اور وصی برحق امیرالمومنین علیہ السلام کی تاسی کرتے ہوئے غم امام حسینؑ میں رونا بدعت ہے جس نے حق کو بچانے اور علم اسلام کو سربلند رکھنے کیلئے اپنا سر کٹایا تھا،

جب کہ قرآن کہتا ہے رسولؐ کی سیرت تمہارے لئے نمونہ عمل ہے۔[۲]

اس کے علاوہ خود ان کے ائمہ کی صحیح حدیثیں ہیں جس میں ان چیزوں کو منعقد کرنے کی تاکید کی گئی ہے جس سے اسلام کو حیات وبقا ملتی، امام حسینؑ پر گریہ و ماتم بھی حیات اسلام کے اسباب میں سے ایک سبب ہے،

ہمارے امام جعفر صادقؑ نے بھی ایک طولانی دعائے سجدہ میں فرمایا:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ تِلْكَ الصَّرْخَةَ الَّتی كانَتْ لَنا، اَللّٰهُمَّ إِنَّ أَعْداءَنا عابُوا عَلَيْهِمْ خُرُوجَهُمْ إِلَيْنا، فَلَمْ يَنْهَهُمْ ذٰلِكَ عَنِ الشُّخُوصِ إِلَيْنا رَغْبَةً فی بِرِّنا، وَصِلَةً لِرَسُولِكَ، وَخِلافاً مِنْهُمْ عَلیٰ مَنْ خالَفَنا، اَللّٰهُمَّ أَعْطِهِمْ أَفْضَلَ ما يَأْمُلُونَ فی غُرْبَتِهِمْ عَنْ أَوْطانِهِمْ وَما آثَرُونا بِهِ عَلیٰ أَبْنائِهِمْ:

بار الہا! ان لوگوں پر رحمتیں فرما جن کی آہیں ہماری مصیبتوں پر بلند ہوئیں ہمارے دشمنوں کو پسند نہیں تھا کہ ہمارے چاہنے والے ہم تک پہنچیں لیکن چاہنے والوں نے دشمنوں کی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر اپنے کو ہم تک پہنچایا، ہماری محبت اور آنحضرت سے ہماری قرابت

۱؎ قرب الاسناد،

۲؎ احزاب ۲۱،

کا پاس ولحاظ رکھا،
خدایا! ان لوگوں کو بہترین جزا کرامت فرما چونکہ انہوں نے زحمت سفر برداشت کی اور ہمیں اپنی اولاد پر ترجیح دی،
حضرت نے حماد کوفی سے فرمایا:
سنا ہے نیمہ شعبان میں کوفہ واطراف کوفہ سے لوگ حرم امام حسینؑ میں جاتے ہیں کچھ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں کچھ اپنے حالات بیان کرتے ہیں کچھ مرثیہ خوانی کرتے ہیں اور عورتیں بھی ان کے ساتھ نوحہ وماتم کرتی ہیں،
میں نے کہا آقا آپ نے جو فرمایا میں نے خود آنکھوں سے دیکھا ہے،
امام صادقؑ نے فرمایا:

اَلحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذی جَعَلَ فی شیعَتِنا مَنْ یَفِدُ اِلَیْنا وَیَمْدَحُنا وَیَرْثی لَنا، وَجَعَلَ فی عَدُوِّنا مَنْ یُقَبِّحُ ما یَصْنَعُونَ:

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے شیعوں میں کچھ ایسے ہیں جو ہماری زیارتوں کیلئے آتے ہیں اور مرثیہ خوانی کرتے ہیں اور ہمارے دشمنوں میں کچھ وہ ہیں جو ہمارے زائروں کے عمل کو مذموم سمجھتے ہیں [۱]
ذریح محاربی نے امام جعفر صادقؑ سے کہا کہ میں نے فضیلت زیارت امام حسین علیہ السلام کچھ لوگوں سے بیان کی لیکن میرے لڑکے اس کو دروغ گوئی سے تعبیر کرتے ہیں،
حضرت نے جواب میں فرمایا:
لوگوں کو ان کی راہ پر چھوڑ دو، تم ہمارے ساتھ رہو،
بے شمار روایتیں شعائر الٰہی کی تعظیم کا حکم دیتی ہیں اور شیعہ اسی کی روشنی میں

---

[۱] کامل الزیارات ص ۳۲۶،

عزائے امام حسین ؑ کو برپا کرتے ہیں چونکہ عزائے حضرت سید الشہداءؑ شعائر الٰہی ہے، لیکن اس کے باوجود شیعوں کی مذمت کی جاتی ہے، اور جو درحقیقت مجرم ہیں مثلاً خالد بن ولید ان کے اقدام کو صحیح قرار دیا جاتا ہے،

شیعوں کو اس قدر گمراہ و بدعتی اور مورد طعن و تشنیع قرار دینے کی وجہ صرف یہ ہے جب یہ مظلومیت آل محمد علیہم السلام کو آشکار کرتے ہیں تو ظلم بنی امیہ سامنے آتا ہے اس حقیقت کا اعتراف ابن کثیر نے کیا ہے،

عزاداری امام حسین ؑ سے شیعوں کا مقصد یہ ہے کہ حکومت بنی امیہ کو رسوا کریں کیونکہ امام حسین ؑ اسی حکومت میں شہید ہوئے ہیں [۱]

ابن کثیر کی عبارت سے واضح ہوگیا کہ ان لوگوں کے نزدیک ستمگروں کے ظلم کو آشکار کرنا خدا کی خوشنودی کے خلاف ہے اور جس حاکم جبار نے سردار جنت کو شہید کیا آیت الٰہی کا مذاق اڑایا اس کی پردہ پوشی کرنا خدا کے تقرب کا سبب ہے،

نہر علقمہ

کربلا میں پائی جانے والی نہر کو ارباب معاجم نے نہر علقمہ کے نام سے ذکر نہیں کیا ہے،

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی جو زیارت گذر چکی ہے اس میں بھی "فرات" کی لفظ نہیں آئی ہے لیکن مرحوم طریحی نے حداد کوفی کے جس واقعہ کو نقل کیا ہے اس میں نہر علقمہ کا نام آیا ہے،

حداد کوفی نے واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے،

میں یزید کی سپاہ کے ساتھ کربلا پہونچا ہم لوگوں کا خیمہ نہر علقمہ کے پاس تھا ہمارے

---

[۱] البدایہ والنہایہ،

ساتھیوں نے حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کر دیا یہاں تک کہ وہ سب کے سب تشنہ لب شہید ہو گئے ، واقعہ کربلا کے بعد کوفہ پلٹ آیا جب اسرائے شہداء علیہم السلام کو ابن زیاد نے شام بھیج دیا تو میں نے انہیں دنوں یہ خواب دیکھا کہ قیامت آچکی انسانوں کا سمندر ہے سبھی پیاسے ہیں لیکن مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں سب سے زیادہ پیاسا ہوں ، آفتاب گویا سوا نیزوں کے برابر چمک رہا تھا ، سورج کی گرمی سے زمین مثل قیر کے پگھل رہی تھی ، میں نے اس وقت دیکھا کہ ایک نورانی شکل بزرگ نمودار ہوئے ان کے پیچھے ایک چودھویں کے چاند سے زیادہ نورانی شکل سوار بھی ہے ، میں اپنی جگہ پر کھڑا تھا کہ ایک شخص آیا اور ایک آہنی زنجیر مرے گلے میں ڈالکر اپنی طرف کھینچنے لگا ، میں نے اس سے کہا کہ تمہیں اسی کی قسم جس کے حکم سے یہاں آئے ہوئے ہو کون ہو ؟

اس نے کہا میں ملک ہوں !

پھر میں نے پوچھا یہ سوار کون ہے ؟ کہا علی ابن ابی طالبؑ :

میں نے پوچھا وہ نورانی شکل کون ہیں ؟ کہا محمد مصطفےٰ ص ،

میں نے عمر سعد اور کچھ لوگوں کو دیکھا کہ گردنوں میں زنجیریں پڑی ہیں اور آگ کے شعلے آنکھوں اور کانوں سے نکل رہے ہیں کچھ لوگ وہ تھے جن کو پہچانتا نہیں تھا ،

انبیاء وصدیقین آنحضرت ص کے گرد حلقہ بنائے کھڑے تھے آنحضرت ص نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ تم نے کیا کیا ؟

حضرت امیر نے جواب دیا ہر ایک قاتل حسینؑ کو گرفتار کر کے لایا ہوں ، سب کو آنحضرت ص کی خدمت میں لایا گیا حضرت ہر ایک سے سوال فرماتے تو نے میرے فرزند کے ساتھ کیا کیا ؟ ایک نے کہا حسینؑ پر پانی بند کیا تھا دوسرے نے کہا میں نے ان کی طرف تیر چلایا تھا ، تیسرے نے کہا : میں نے

ان کے سینہ پر قدم رکھا تھا چوتھے نے کہا میں نے ان کے فرزند کو شہید کیا،

حضرت ص یہ سنکر رو دیئے اور جو لوگ ارد گرد کھڑے تھے وہ بھی رہے تھے،

حضرت ص نے پھر فرمایا: سب کو جہنم میں جھوک دو،

حداد کوفی کہتا ہے کہ:

میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص آنحضرت ص کی خدمت میں حاضر کیا گیا حضرت انے پوچھا تونے کیا کیا اس نے جواب دیا میں سپاہ شام کا نجار تھا نہ میں نے کسی کو شہید کیا اور نہ کسی سے جنگ کی، حضرت نے فرمایا اس کو بھی جہنم میں ڈال دو چونکہ اس نے لشکر شام کے عدد میں اضافہ کیا تھا، پھر ہماری باری آئی میں نے بھی اپنے کرتوت سنائے حضرت نے ہمارے لئے بھی فرمایا کہ اس کو بھی جہنم میں ڈال دو،

جب اس خواب کو حدّاد کوفی نے لوگوں سے بیان کیا اس کی زبان خشک ہو گئی اور کچھ دنوں بعد بہت برے حال داصل جہنم ہوا جن لوگوں نے اس سے خواب سنا تھا اس سے نفرت کرنے لگے تھے،

صاحب مدینۃ المعاجز نے بھی ایک واقعہ لکھا ہے جس میں نہر علقمہ کا نام آیا ہے،

قبیلہ بنی اسد کا ایک شخص کہتا ہے کہ نہر علقمہ کے پاس ہماری کھیتیاں تھیں سپاہ شام جب چلی گئی تو میں نے میدان کربلا میں عجیب وغریب چیزیں دیکھیں چند کے علاوہ سب کو بیان بھی نہیں کر سکتا ہوں،

(۱) جب ہوا چلتی تھی تو مشک وعنبر کی خوشبو آتی تھی،

(۲) ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر آسمان سے آتے اور زمین سے آسمان کی طرف پلٹتے،

(۳) سورج کے غروب کے بعد ایک بھیانک شیر کو دیکھتا لاشوں کے بیچ

سے ہوتا ہوا ایک ایسی لاش کے قریب پہنچتا جس سے نور پھوٹتا ہوتا یہ شیر اپنے کو ان کے خون سے رنگین کرتا اور دہاڑتا،

(۴) کوئی دکھائی نہیں دیتا لیکن آہ و فغان کی آوازیں فضا میں گونجتی رہتی،

(۵) شمعیں فضا میں معلق رہتیں،

اسی طرح سے نہر علقمہ کا تذکرہ مناقب شہر آشوب میں بھی آیا ہے ۱؎

جب متوکل ملعون نے قبر امام حسینؑ کے مٹانے کا حکم دیا تھا تو اسی نہر علقمہ سے پانی لانے کی تاکید کی تھی زید مجنوں، و بہلول مجنون جب کربلا پہنچے تو ان لوگوں نے دیکھا کہ حضرت کی قبر مبارک کو ذرہ برابر کوئی نقصان نہیں ہوا تھا،

یہ تینوں بیان اس کی دلیل ہیں کہ نہر علقمہ اس وقت موجود تھی اس کی تائید بحار الانوار کی جلد مزار سے بھی ہوتی ہے، مرحوم مجلسی نے زیارت حضرت عباس سے متعلق ایک حدیث نقل کی ہے جس میں زائر کیلئے حکم ہے کہ جب زمین کربلا پر پہنچے تو نہر علقمہ کے قریب اترے لباس سفر کو اتار کر غسل زیارت بجا لائے،

کتاب تحیۃ الزائر، میں مرحوم نوری آداب زیارت امام حسینؑ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب پل علقمہ پر پہنچو تو یہ دعا پڑھو،

اس سے پتہ چلا کہ علقمہ روایت میں وارد ہوئی ہے صرف علماء کی ایجاد نہیں ہے اگرچہ علماء جب تک کسی چیز کی صحت کا اطمینان پیدا نہیں کر لیتے اس وقت تک اس کو تحریر نہیں کرتے،

بہر حال گذشتہ بیان سے واضح ہے کہ نہر علقمہ پہلے سے پائی جاتی تھی ساتویں صدی ہجری یعنی زمانہ ابن علقمی تک اس کا پتہ چلتا ہے، امام جعفر صادقؑ نے جب آداب زیارت صفوان جمال کو تعلیم دیئے تو فرمایا:

۱؎ ج ۲ ص ۱۱۰،۱۱۱

جب فرات تک پہنچنا تو اس دعا کو پڑھنا، فرات سے مراد علقمہ ہے،

علقمہ کیوں؟

فرات کا نام علقمہ کیوں رکھا گیا اس کی مناسب و معقول کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی اس سلسلہ میں مختلف خیالات ہیں،

(۱) اس نہر کا کھودنے والا شخص بنی علقمہ سے تعلق رکھتا تھا جسکا سلسلہ علقمہ بن زرارہ بن عدس تک پہنچتا ہے،

(۲) نہر کے دونوں طرف حنظل پائے جاتے تھے لہٰذا علقمہ کہا جانے لگا،

(۳) عصد الدولہ نے اس نہر کے کھودنے کا جس شخص کو حکم دیا تھا اس کا نام علقمہ تھا،

بہر حال یہ سب اقوال میں جس کی کوئی معقول سند نہیں کیوں کہ عصدلولدولہ سے پہلے بھی علقمہ کا نام موجود تھا،

(۴) وزیر ابن علقمی کو جب اس کی خبر ہوئی کہ امام جعفر صادقؑ نے اس فرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تو ابھی تک بہہ رہی ہے تیرے کنارے میرا جد تشنہ لب شہید کیا گیا،

وزیر بن علقمی نے نہر کو پاٹنے کا حکم دیا، اگرچہ کوفہ کی کھیتیاں اسی سے سیراب کی جاتی تھیں پاٹے جانے کے بعد شہر میں تباہی پھیل گئی،

سر کہاں ہیں؟

ارباب مقاتل لکھتے ہیں کہ کربلا میں اٹھتر۷۸ سر تھے عمر سعد نے جنکے قلم کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ سارے سر سپاہ شام میں تقسیم ہوئے قبیلۂ کندہ نے تیرہ سر،

عشیرہ ہوازن نے بارہ سر، تمیم نے سترہ سر، بنی اسد نے سولہ سر، مدحج نے سات سر، اور دوسرے سپاہی تیرہ سر نیزوں پر علم کئے ہوئے ابن زیاد تک کوفہ پہنچے، اس ملعون نے سر امام حسینؑ مع شہداء الحرم کے ہمراہ شام روانہ کیا۔[۱]

نوٹ نیزہ پر علم ہونے کے باوجود سر امام حسینؑ نے ظلم کی تشہیر فرمائی اور اسلام کی حقانیت کو آشکار فرمایا، نوک نیزہ پر بلند ہونے کے باوجود امام حسینؑ نے اپنی قربانی وشہادت کے اغراض ومقاصد سے بھرے بازار کے تماشائیوں کو باخبر فرمایا:

امام حسینؑ کا نوک نیزہ پر تبلیغ اسلام کرنا حیرت کی بات نہیں ہے چونکہ آپ کی ذات رکن ہدایت اور ستون دین تھی، اسلام آپ سے ہی لوگوں تک منتقل ہوا تھا اور معارف الٰہی کو آپ ہی منتشر فرمارہے تھے،

امام حسین صراط مستقیم وجادہ توحید تھے دین کی راہ میں قربانی دی اور ایمان کی وادی میں خود کو فدا کردیا،

سرکار سید الشہداء علیہم السلام روز اول سے قرآن کے ساتھ تھے انحضرتؐ نے فرمایا تھا میں تمہارے درمیان قرآن وعترت کو چھوڑے جارہا ہوں یہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے جاملیں،

قرآن سے امام حسینؑ کا ربط اس قدر گہرا تھا کہ کربلا جیسے پر آشوب ماحول میں بھی حضرت نے تلاوت قرآن ترک نہیں فرمائی، سفر ہو یا حضر ہر جگہ دعوت قرآن وپیغام قرآن عام فرماتے رہے، اتمام حجت کیلئے اپنے خون کے پیاسوں کو بھی دعوت حق دی،

امام حسینؑ نے نوک نیزہ کی بلندی سے قرآن کی تلاوت فرمائی اور اپنے ہدف ومقصد کی طرف لوگوں کو دعوت دی تاکہ شاید کسی کو راہ ہدایت مل سکے لیکن حضرت سید الشہداء جن لوگوں کے روبرو تھے ان کے دلوں پر مہریں لگی تھیں انھیں لوگوں کیلئے قرآن کہتا ہے "یہ وہ لوگ ہیں جنکے دلوں پر مہر ہے اور یہ لوگ گونگے و بہرے ہیں،

۱۔ لہوف ص۸۱، طبری ج۶ ص۲۶۴، ابن اثیر ج۴ ص۳۴، بدایہ ابن کثیر ج۸ ص۱۹۱، مقتل خوارزمی مخطوط اعلام الوریٰ

جس وقت سر امام حسینؑ کوفہ پہنچا ابن زیاد شقی نے کوفے کے کوچہ و بازار میں تشہیر کا حکم دیا، زید بن ارقم بالاخانہ پر بیٹھے اس منظر کو دیکھ رہے تھے جس وقت سر مبارک امام حسینؑ زید بن ارقم کے قریب سے گذرا حضرت سورہ کہف کی اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرما رہے تھے ؎

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَباً:

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری نشانیوں میں
عجیب و غریب نشانی تھے،

اور جس وقت بازار صارفہ میں پہنچا ہے، ہر طرف انسانوں کا ہجوم تھا بازار شور و غل میں ڈوبا ہوا تھا حضرت نے اس وقت لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا سر بریدہ سے ایک نحیف آواز بلند ہوئی جس وقت لوگ سر بریدہ امامؑ کی طرف متوجہ ہوئے حضرت نے اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی،

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدىً[۲۹]، فَلَمْ يَزِدْهُمْ إِلاَّ ضَلالاً.

وہ کچھ جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی
ہدایت میں اضافہ کر دیا تھا ... لیکن اس نے ان کی گمراہی میں
مزید اضافہ کر دیا،

اب تک مجمع نے کبھی کٹے ہوئے سر کو کلام کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لہٰذا جیسے ہی سر حضرت نے تلاوت قرآن فرمائی سب حیرت زدہ ہو کر رہ گئے اور جس وقت حضرت کے سر اطہر کو کوفہ میں ایک درخت پر لٹکایا ہے وہاں بھی آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی تھی

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ:

ص ۱۴۸، ارشاد مفید، بحار ج ۱۰ ص ۲۴۳،

؎ ارشاد مفید،

عنقریب جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں معلوم ہو جائیگا کہ ان
کی واپسی کہاں ہے ،

ہلال بن معاویہ کہتا ہے

جس شقی کے ہاتھوں میں سر امام حسینؑ تھا حضرت نے اس سے کہا تو نے مرے سر و تن میں جدائی ڈال دی ہے خدا تیرے گوشت و ہڈیوں کے درمیان جدائی ڈالے اور تجھے ساری کائنات کیلئے باعث عبرت قرار دے۔ یہ سنکر اس شقی نے حضرت کے سر اطہر پر تازیانہ مارا[1]

سلمہ بن کہیل کہتا ہے کہ میں نے بازار کوفہ میں نوک نیزہ پر سر امام حسینؑ کو اس آیۃ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تھا۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ:

ابن وکیدہ نے جس وقت حضرت کو تلاوت کرتے ہوئے سنا تو اسے تعجب ہوا کہ کیونکر سر بریدہ سے آواز آسکتی ہے تو خود حضرت نے اس کو مخاطب فرمایا:

اے پسر وکیدہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم گروہ آئمہ زندہ ہیں اور خدا کے یہاں سے روزی پاتے ہیں،

حضرت کے اس کلام سے اس کو اور حیرت ہوئی اور اس نے سر کو چوری کر لیا تا کہ دفن کر دے لیکن حضرت نے منع کرتے ہوئے فرمایا:

اے فرزند وکیدہ! ہمارا شہید کر دینا ہمارے سر کی تشہیر سے زیادہ خدا کے نزدیک عظیم ہے ان لوگوں کو انہیں کے حال پر چھوڑ دو عنقریب جب انہیں زنجیروں میں جکڑ کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو انہیں معلوم ہو گا۔[2]

---

۱ شرح قصیدہ ابی فراس،

۲ تظلم الزہرا ،

روتا راہب

شام جاتے ہوئے الحرم راہب کے صومعہ کے قریب روکے گئے، جب اندھیرا چھاگیا تو راہب نے سر بریدہ سے ایک نور بلند ہوتے ہوئے دیکھا اور سر سے تسبیح و تقدیس کی آواز آرہی تھی اور کوئی کہہ رہا تھا: اے ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام تم پر سلام، راہب کو تعجب ہوا صبح کے وقت جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو اس نے خولی سے پوچھا یہ سر کس کا ہے، اس نے جواب دیا حسین بن علیؑ کا ہے ان کی ماں کا نام فاطمہ ہے جو مرسل اعظم صلعم کی بیٹی ہیں،

یہ سنکر راہب نے خولی سے کہا سر کو تھوڑی دیر کیلئے مجھے دیدے لیکن خولی نے منظور نہ کیا، راہب نے اسے مال کثیر دیکر تھوڑی دیر کیلئے حضرت کے سر اطہر کو اس سے لیا آغوش میں رکھا بوسہ لیا اور روتا رہا اور یزیدیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

اے قوم جفاکار! یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جب یہ شخص قتل ہوگا آسمان سے خون کی بارش ہوگی،

سرسرکار سیدالشہداءؑ کی برکت سے راہب مسلمان ہوا اور جیسے ہی قافلہ وہاں سے بڑھا ہے سارا درہم و دینار جو راہب نے دیا تھا وہ ٹھیکری میں تبدیل ہوگیا جس پر یہ آیت لکھی تھی

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ.

منہال بن عمر کہتا ہے:

شہداء کے سروں کے ——— ساتھ سر امام حسینؑ جب دمشق پہنچا ہے ایک شخص سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا جس وقت آیۂ کہف و رقیم تک پہنچا ہے سر امامؑ گویا ہوا فرمایا:

اصحاب کہف سے زیادہ تعجب خیز میرا شہید کرنا اور دیار بدیار پھرانا ہے [1]

حیرت تو یہ ہے کہ پورے راستہ میں خون تازہ گلو مبارک سے بہہ رہا تھا اور خوشبو سے ماحول معطر تھا [2]

یزیدؑ نے آثار آل محمدؐ کو محو کرنے میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھی اہل حرم کی تحقیر کیلئے جو قید خانہ منتخب کیا اس میں دن کی دھوپ اور رات کی ٹھنڈک سے بچاؤ کے لئے کوئی سائبان نہیں تھا ، آل محمد علیہم السلام کی توہین کے لئے سر اطہر کو مسجد جامع کے دروازہ پر آویزاں کرایا ، تین دن تک دمشق میں گردش کرانے کے بعد اپنے قصر کے در پر آویزاں کرایا ، لیکن اس کے باوجود دمشق اور اطراف دمشق کے لوگوں نے امام حسینؑ کے سر اطہر سے ایسے معجزات مشاہدہ کئے جس کا ظہور صرف نبی و وصی نبی سے ہوا کرتا ہے جس کا اثر یہ ہوا کہ یزیدؑ نے جس عمل کو اپنی فتح کا ذریعہ قرار دیا تھا وہی اس کی گمراہی و زوال کا سبب قرار پایا بالخصوص بھرے دربار میں زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے خطبہ نے اس کے مکر و فریب اور گمراہیوں کو لوگوں پر آشکار کر دیا اور سب پر روشن ہو گیا کہ یزید نے اسلام پر کاری ضرب لگائی ہے ،

شہزادی نے اپنے خطبہ میں واضح کر دیا کہ یزیدؑ کا مقصد صرف عترت رسولؐ کو تہ تیغ کرنا تھا یزیدؑ نے خاندان رسولؐ کے ساتھ جو کیا ہے تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی ،

وہ رسولؐ جس نے عورتوں کے احترام کی شدید تاکید کی ہو آج اس کی ذریت کو کشاں کشاں پھرایا جا رہا ہے ، عورتوں کے احترام سے متعلق آنحضرتؐ

---

[1] الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۲۷ ،

[2] الخطط المقریزۃ ج ۴ ص ۲۸۴ ،

اس قدر شدید تھے کہ جب آپ کو خبر ملی کہ مسلمانوں نے جنگوں میں کافر عورتوں کو قتل کیا ہے تو آپ شدید برہم ہوتے،

جس وقت مسلمانوں نے ابن ابی حقیق کے قتل کرنے کی اجازت آپ سے طلب کی تو آپ نے تاکید فرمائی کہ اس کے بچوں اور عورتوں سے متعرض نہ ہونا درآنحالیکہ سب مشرک تھے،

آنحضرتؐ کے فرمودات پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کا رویہ بھی یہی تھا خود امیر المومنینؑ نے اس کی رعایت کی لہٰذا جس وقت عائشہ کو آپ کے بیت الشرف میں لایا گیا ہے ایک ازدی شخص نے کہا خدا کی قسم یہ عورت ہمارے چنگل سے بچ نہیں سکتی ہے، حضرت علیؑ کے جبین پر بل آ گئے آپؑ نے فرمایا:

خاموش! نہ گھروں میں داخل ہو نہ بے پردگی کرو اور نہ عورتوں کو ایذا رسانی پر آمادہ کرو اگرچہ وہ تم کو گالیاں ہی کیوں نہ دے رہی ہوں اور تمہارے اچھوں اور بزرگوں کو ناسزا ہی کیوں نہ کہہ رہی ہوں چونکہ عورتیں کمزور ہوتی ہیں،

مسلمان تو مسلمان مجھے تو حکم ہے کہ مشرک عورتوں کو معاف کردوں کیونکہ اگر کسی نے زدوکوب کے ذریعہ عورت کی تنبیہ کی تو اس کی نسلوں کی اس زدوکوب کی وجہ سے سرزنش کی جاتی ہے لہٰذا اگر مجھے یہ خبر ملی کہ تم میں سے کوئی عورتوں سے متعرض ہوا تو میں اس کو سزا دوں گا،

یہ وہ حقیقت ہے جس کی وجہ سے یزید کی لوگوں نے ملامت کی کہ اس نے عورتوں کے ساتھ وہ سلوک کیا جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا، یزید کے خلاف اٹھنے والے اعتراضات میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی شریک ہو گئے جسکا اندازہ دربار یزید میں موجود سفیر روم کی گفتگو سے لگایا جا سکتا ہے اس سفیر کی گفتگو نے دربار کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور یزید متوجہ ہو گیا کہ عوام اس کے اقدام سے متنفر ہے اور خاندان عصمت وطہارتؐ کے خلاف جو اتہامات لگائے تھے اس کی دروغ گوئی عوام پر

روشن ہوگئی لہٰذا جس وقت یزیدؑ نے سفیر روم کے قتل کا حکم صادر کیا حاضرین نے سر بریدہ امام حسینؑ سے " لاحول ولا قوۃ الا باللہ " کی صدا سنی ؎۱

اس سے قبل نہ کسی نے دیکھا تھا اور نہ سنا تھا کہ کبھی کوئی کٹا ہوا سر اس فصیح انداز سے گویا ہوا ہو،

کیا ممکن تھا میسون کا بیٹا یزید اسرار الٰہی کا مقابلہ کر سکے یا نور الٰہی کو خاموش کر سکے، حاشا وکلا،

اس نفرت کی لہر نے خود یزید کے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا ہند زوجہ یزید نے اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا ؎۲ جس وقت اس نے دار الامارہ کے دروازے پر سر امامؑ کو آویزاں اور اس سے خون تازہ ٹپکتے ہوئے پایا اور نور کو آسمان کی طرف بلند ہوتے ہوئے دیکھا تو خود بخود اس سر کی مظلومیت سے متاثر ہونے لگی اور سراسیمگی کی حالت میں بغیر چادر کے وارد دربار ہوگئی اور چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی " فرزند زہرا کا سر اور ہمارے دار الامارہ کے دروازے پر!

یزید جلدی سے اٹھا اور اس پر چادر ڈالتے ہوئے بولا، حسینؑ پر خوب رؤو حسینؑ فریاد رس بنی ہاشم ہیں ابن زیاد نے جلدی کر دی ؎۳

خواب

ہند نے ایک شب یہ خواب دیکھا کہ آسمان سے سواریاں اتر کر سر امام

؎۱ مقتل عوالم ص ۱۵۰،

؎۲ ہند عمرو بن سہیل کی لڑکی ہے پہلے اس کا عقد عثمان کے خالہ زاد بھائی عبداللہ بن عامر سے ہوا تھا، لیکن جب یزید اس پر عاشق ہوا تو معاویہ کے دباؤ سے طلاق ہوئی اور یزید سے عقد کیا،

؎۳ مقتل عوالم ص ۱۵۱،

امام حسین علیہ السلام کو سلام کرتی ہیں اور طواف بجالا رہی ہیں، خواب سے بیدار ہوئی سر کے قریب پہنچی دیکھا نور سے ماحول منور ہے، ہند نے فوراً یزید کو بلوایا تاکہ حقیقت کو اس پر واضح کرے لیکن یزید کو اس نے ایک کمرے میں روتے ہوئے پایا جو یہ کہتا جا رہا تھا، حسینؑ کے ساتھ میں نے کیا کیا،

معلوم یہ ہوا کہ جس وقت ہند نے خواب دیکھا تھا اسی وقت یزید نے بھی وہی خواب دیکھا تھا[1]

ہر طرف سے عترت رسولؐ کے ساتھ یزید نے جو سلوک کیا تھا اس کی مذمت و ملامت ہو رہی تھی لہٰذا اپنی گردن کا وبال ابن زیاد کی گردن پر ڈال رہا تھا تاکہ خود کو عوامی دشنام و ملامت سے محفوظ کر سکے لیکن اس کے لئے ممکن نہیں تھا کہ مہر نیم روز کی طرح واضح حقیقت پر پردے ڈال دے چونکہ وہ والی مدینہ کے نام اپنے خط میں لکھ چکا تھا کہ سارے اہل مدینہ سے اس کے لئے بیعت لی جائے اور چھوٹے سے منسلک خط میں تحریر تھا کہ حسینؑ سے بھی بیعت لی جائے اور اگر وہ انکار کریں تو سر قلم کر لیا جائے،

عمومی حکم نامہ کے ساتھ ایک علیحدہ پرچے پر امام حسینؑ سے بیعت کی تاکید کا راز یہ تھا کہ یزید جانتا تھا کہ وہ خلیفہ برحق رسول اکرمؐ نہیں ہے اور اگر معاویہ کے زمانہ میں اس کے لئے بیعت لی بھی گئی ہے تو وہ معاویہ کے دباؤ اور خوف سے انجام پائی ہے، صلحاء و اشراف امت اس بیعت سے راضی نہیں ہیں، لہٰذا اس نے امام حسینؑ کی شہادت کا جرم اپنے گورنر پر لگانا چاہا تاکہ لوگوں کی ملامت سے اپنے کو بچا سکے،

---

[1] بحار ج ۱۰ ص ۲۴۶، بدایہ ج ۸ ص ۱۴۶،

فتوائے غزالی

ان سارے جرائم کے باوجود کچھ ایسے ہیں جو یزید کو پارسا خیال کرتے ہیں انھیں میں غزالی بھی ہے، غزالی بنی امیہ کے طرفداری میں اسقدر مجذوب ہو چکے ہیں کہ انہوں نے اجمالی طور سے بھی یزید پر لعن کو جائز قرار نہیں دیا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے "ہوسکتا ہے کہ یزید نے توبہ کر لی ہو" اگرچہ غزالی یہ بھول گئے کہ اگر کسی نے توبہ کی ہو تو وہ لعن اس پر اثر نہیں کرتی، لہٰذا ایسی صورت میں امام حسینؑ کے قاتل پر لعن کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ دل دشمنی عترت رسولؐ سے خالی ہو،

مزے کی بات تو یہ ہے کہ غزالی نے یزید کا قاتلِ جناب حمزہ سے تقابل کیا ہے لہٰذا لکھتے ہیں:

قاتل حمزہ نے کفر و قتل سے توبہ کر لی لہٰذا اس پر لعن کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ قتل گناہ کبیرہ ہے لہٰذا اگر کوئی توبہ نہ کرے تو خطرہ عظیم کا سامنا کرنا پڑے گا۔[۱]

غزالی پر واضح ہونا چاہیے کہ قاتل حمزہ نے زمانہ کفر میں آپ کو شہید کیا تھا اس کے بعد اسلام لایا اور حدیث کی روشنی میں اسلام گذشتہ گناہوں کا جبران و مداوا کر دیتا ہے لیکن جس وقت یزیدؔ پلید امام حسینؑ کو شہید کر رہا تھا اپنے اسلام کا مدعی تھا لہٰذا امام کو قتل کرتے ہی مرتد ہوگیا چونکہ حضرت امام حسینؑ معصوم تھے،

یزید جنگ بدر میں مارے جانے والے اپنے بزرگوں کا انتقام امام حسینؑ سے لے رہا تھا درحقیقت یزیدؔ کا انتقام رسول اعظمؐ سے تھا جس کا اظہار یزیدؔ علی الاعلان کر چکا تھا،

۱۔ احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۰۶، آفت ہشتم از آفات زمان،

جناب غزالی! دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص بھی قتل معصوم کے عظیم گناہ میں مرتکب ہوگا اسے کبھی توبہ کی توفیق نہیں ہوگی، یہ وہ گناہ ہے جو گناہگار کو مہلت نہیں دیتا کہ وہ خیر و صلاح انجام دے سکے،

غزالی! آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اگرچہ قاتل حمزہ آنحضرتؐ کے دست مبارک پر مسلمان ہوگیا لیکن آنحضرتؐ نے اس کے اسلام پر کوئی اظہار رائے نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا:

مرے سامنے نہ آیا کرو!

یہ بیان خود اس بات کی دلیل ہے کہ قاتل جناب حمزہ کا انجام بخیر نہیں ہوگا کیونکہ جناب حمزہ کوئی معمولی شخصیت کا نام نہیں ہے وہ قیامت کے دن انبیاء کی تبلیغ کے شاہد ہیں،

تعجب ہے غزالی نے کیونکر یزید پر لعن کو ناجائز قرار دیا درآنحالیکہ علمائے اسلام نے اسے دین سے خارج قرار دیتے ہوئے اس پر لعن کو جائز قرار دیا ہے،

یزیدؑ کے اشعار و گفتار اس کے ارتداد کے گواہ ہیں جس وقت قافلۃ الحرم جیروں سے گذرتے وقت یزیدؑ کو دکھائی دیا ہے کوّے نے اس کے سر سے گذرتے وقت کائیں کائیں کی، جسے یزیدؑ نے بدشگونی سمجھا لیکن کمال بے حیائی سے یہ شعر پڑھا

لَمَّا بَدَتْ تِلْكَ الْحُمُولُ وَأَشْرَقَتْ — تِلْكَ الشُّمُوسُ عَلَىٰ رُبَىٰ جَيْرُونِ

نَعَبَ الْغُرَابُ فَقُلْتُ قُلْ أَوْلَا تَقُلْ — فَقَدِ اقْتَضَيْتُ مِنَ الرَّسُولِ دُيُونِي

جس وقت کاروان الحرم نمودار ہوا اور شہداء کے سر جیرون کی بلندی پر مثل آفتاب چمکنے لگے تو اسی وقت کوّے نے کائیں کائیں کی میں نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تو کائیں کائیں کر یا نہ کر میں نے رسولؐ سے اپنا قرض چکتا کر لیا،

جن علماء نے یزید پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے ان میں قاضی ابویعلی، احمد بن حنبل ابن جوزی، کیاھرسیا، شیخ محمد بکری وسعد تفتازانی ہیں،

جاحظ کا بیان ہے !

یزید نے امام حسینؑ کو شہید کیا، مدینہ کو تاراج کیا، خانہ کعبہ کو منہدم کیا عترت پیغمبر اکرمؐ کو اسیر بنا کر کشاں کشاں پھرایا، دندان مبارک امام حسینؑ کی چھڑی سے بے حرمتی کی، کیا یہ انداز عترت رسولؐ سے اس کی شقاوت کینہ و عذاب کی ترجمانی کرتا ہے یا اخلاص و محبت پاسداری شریعت کی حکایت کرتا ہے؟

بہر حال یزیدؔ کے افعال اس کے فسق گمراہی کا بیّن ثبوت ہیں، وہ فاسق و ملعون ہے اور جو بھی ملعون پر لعنت کو روکے وہ خود ملعون ہے [۱]

علامہ آلوسی کا بیان ہے :

یزید پر لعنت کرنے میں تامّل کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں بے شمار برائیاں پائی جا رہی تھیں اس نے ابتدائے بلوغ سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا، اس کی خباثت کے لئے یہی کافی ہے کہ اس نے مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ میں تاراج کیا امام حسینؑ کی شہادت پر راضی رہا اور اظہار مسرت کی، عترت رسول اکرمؐ کی توہین کی یہ باتیں تواتر سے ہیں، میرا گمان غالب یہ ہے کہ وہ خبیث رسالت آنحضرتؐ کو قبول نہیں کرتا تھا،

بہر حال مکۂ مکرمہ و مدینہ منورہ میں اس کے جرائم اور عترت رسولؐ کے ساتھ اس کے اقدام توہین آمیز سے یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ مسلمان نہیں تھا اس کے مسلمان نہ ہونے کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اس نے قرآن مجید کے اوراق کو غلاظتوں میں ڈبوایا،

مجھے گمان نہیں ہے کہ اس کے کالے کرتوت سے مسلمان بے خبر ہوں گے، لیکن چونکہ مسلمان خلفائے جور سے ڈرے اور دبے ہوئے تھے لہٰذا ان کیلئے

---

[۱] رسائل، جاحظ ص ۲۵۸،

سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں تھا وہ خدا کے فیصلے کے منتظر تھے ،
اگر فرض کریں کہ یہ خبیث مسلمان تھا تو بہر حال ایسا مسلمان تھا جس کے جرائم کے بیان سے زبان گنگ ہے ، لہٰذا میں یزید اور یزید جیسوں پر لعنت کو جائز قرار دیتا ہوں مرے خیال میں تاریخ عالم میں اس جیسا فاسق کوئی اور نہیں ہوگا ، ظاہر تو یہی ہے کہ اس نے توبہ نہیں کی اور اس کی توبہ تو اسکے ایمان سے زیادہ ضعف تر ہے ،
یزید ہی کے زمرے میں ابن زیاد ابن سعد اور ان کے ساتھی بھی ہیں خدا کی لعنت یزید اس کے طرفداروں اور ہواخواہوں پر قیامت تک ہو جب تک آنکھیں حسینؑ پر گریہ کر رہی ہیں، اگر کوئی اس یزید ذلیل وضلیل پر لعن میں قیل و قال کرے تو اس طرح سے کہے : خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جو قتل امام حسینؑ پر راضی ہوئے ، اور عترت رسولؐ کو بے خطا اذیت پہنچائی ان کے حق کو غصب کیا ، اگر کسی نے اس طرح لعنت کی تو اس نے بنام یزیدؔ لعنت نہیں کی لیکن یزید خصوصیت سے اس کی لعن میں شامل ہے اور اس طرح عمومی لعن کا کوئی مخالف نہیں ہے ،
لیکن ابن عربی مالکی اور اس کے طرفداروں کے ظاہری بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک قاتل امام حسینؑ پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے ، مری جان کی قسم یہ بھی یزید ہی جیسی گمراہی ہے [۱]
آیا ان صریح بیانات کے بعد کسی کو حق ہے کہ وہ لعن یزیدؔ کے جواز میں شک وشبہ کرے ؟ اور اگر کوئی ایسا انسان ہے تو خدا اپنے دوستوں کو اس کے شر سے محفوظ فرمائے ،
بہر حال جب یزید کی ہر چار سمت سے ملامت و مذمت کی جانے لگی تو

---

[۱] روح المعانی ج ۸ ص ۱۲۵ ،

اسے عوامی انقلاب کا خوف ہوا لہٰذا امام زین العابدین علیہ السلام اور اہلحرم کو رہا کیا اور امام حسینؑ کا سر اطہر بھی واپس کیا تاکہ جسد مبارک کے ساتھ کربلا میں دفن ہو سکے

امام حسینؑ کا سر اطہر کربلا میں جسد مبارک کے ساتھ دفن ہوا اس پر محققین امامیہ کا اتفاق ہے، علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ علماء کے درمیان مشہور یہی ہے کہ سر مبارک جسد اطہر کے ساتھ دفن ہوا[۱]

دوسرے شہداء کے سروں کے لئے مقتل کی کتابوں میں کچھ نہیں ملتا صرف نفس المہموم اور ریاض الاحزان میں حبیب السیر کے حوالے سے ذکر ہوا ہے کہ یزید نے سبھی شہداء کے سر امام زین العابدین علیہ السلام کے حوالے کر دیئے تھے جسے حضرت نے روز اربعین ان کے لاشوں سے ملحق فرمایا اور مدینہ واپس ہوئے،

بظاہر معلوم بھی یہی ہوتا ہے کہ سر شہداءؑ کو یزید نے حضرت کے سپرد کیا تھا چونکہ جس وقت عوام یزید کی خباثت سے باخبر ہوئی ہے اور ہر طرف سے ملامت کا بازار گرم ہوا تو اس نے بہتری اسی میں دیکھی کہ حضرت امام زین العابدینؑ کے سارے مطالبات کو قبول کرے اور جلد از جلد انہیں شام سے منتقل کر دے،

لیکن صاحب اعیان الشیعہ، لکھتے ہیں کہ ۱۳۲۱ھ میں انہوں نے دمشق میں مقبرہ باب الصغیر کے پہلو میں ایک پتھر کی چٹان دیکھی تھی جس پر لکھا تھا:

یہ مدفن سر مبارک عباس بن علیؑ، علی اکبر بن حسینؑ اور حبیب ابن مظاہر ہے[۲]

مرحوم محسن الامین مزید تحریر فرماتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد اس مقبرہ کی تعمیر جدید ہوئی اور وہاں ایک ضریح رکھی گئی جس پر بہت سے شہداء کے نام کندہ کئے گئے

---

[۱] روضۃ الواعظین ص ۱۶۵، لہوف ص ۱۱۲، مثیر الاحزان ص ۸۵، مناقب شہر آشوب ج ۲ ص ۲۰۰، سید مرتضیٰ در بعض رسائل، مقتل عوام ص ۱۵۴، اعلام الوری ص ۱۵۱ ریاض المصائب شیخ طوسی، [۲] ج ۴ ص ۲۹۰،

لیکن حق یہی ہے کہ یہ مقام صرف انہیں سروں کا مدفن ہے جسکے نام تختہ سنگ پر لکھے تھے اور میرا خیال یہ ہے کہ درحقیقت اس جگہ حضرت عباسؑ، علی اکبرؑ اور حبیبؓ کا سر دفن ہوا ہے کیونکہ جس وقت یزید نے سروں کی شہر میں تشہیر کرائی اور اپنی دانست میں فتح کا جشن منایا اور جب کینہ اہلبیتؑ سے بھرے دل کی تشفی وتسکین ہوگئی تو ناچار تھا کہ سروں کو کسی جگہ دفن کرائے لہٰذا اس نے شام میں ہی دفن کرایا اور ایک مدت تک اس کی حفاظت ہوتی رہے، واللہ اعلم،

اگر مرحوم محسن الامین نے حبیب السیر، کی طرف رجوع کرلیا ہوتا تو ان پر واضح وآشکار ہوجاتا کہ وہ جگہ حضرت عباسؑ علی اکبرؑ اور حبیبؓ کے سروں کا مدفن نہیں ہے کیونکہ اگر درحقیقت وہ جگہ ان تینوں سر کا مدفن ہوتی تو پھر اس کی تعمیرنو کے وقت مزید شہداء کے نام نہ لکھتے شاید اس جگہ ان تینوں سروں کو آویزاں کیا رہا ہو

مقام دست ابوالفضلؑ

جس طرح احکام ومعارف میں حضرات چہاردہ معصوم علیہم السلام کے اقوال وارشادات کو شیعوں نے اپنایا اسی طرح ان جگہوں کو بھی تعظیم وتکریم کی نگاہوں سے دیکھا جہاں آپ کی قبریں ہیں یا جہاں آپ نے عبادتیں فرمائیں یا کبھی وہاں سے گذرے شیعہ اپنے اس انداز کو محمد وآل محمدؐ کی محبت کا جز سمجھتے ہیں لہٰذا ان جگہوں کی جہاں آپ کی فردیں دفن ہیں اس کی زیارت کرتے ہیں اور اگر آل محمدؐ کی عبادتوں کا مقام ہے تو شیعہ بھی وہاں مشغول طاعت وبندگی ہوتے ہیں اور اگر کوئی ایسی جگہ ہے جو آل محمدؐ کے لئے خوشی کا سبب تھی تو شیعہ بھی ان جگہوں کو دیکھ کر شاد ومسرور ہوتے ہیں جیسے مسجد رجعت الشمس، اگر حزن وملال کی جگہ ہے تو شیعہ بھی ان جگہوں پر پہنچ کر محزون ومغموم ہوتے ہیں جیسے بیت الاحزان،

اسی طرح ایک جگہ زمانہ قدیم سے شیعوں کی رنجیدگی کا سبب ہے جس کیلئے

کہا جاتا ہے کہ وہ جگہ ہے جہاں علمدار حسینی کے بازو قلم ہوئے تھے،

ہر نئی نسل اپنے بزرگوں سے سنتی چلی آرہی ہے کہ اس جگہ حضرت عباسؑ کے بازو قلم ہوئے تھے اور شیعہ نسلاً بعد نسلٍ اس کی زیارت کو جاتے ہیں اسی کو سیرت مستمرہ کہتے ہیں شیعوں کا یہی انداز اس مقام کی قداست و پاکیزگی کا ثبوت ہے اور اگر ایسے موارد کی تعظیم و تقدیس نہ کی جائے تو بہت سے مقدس مقامات کیلئے چوں و چرا کیا جا سکتا ہے،

مقام دست راست شمال شرقی دروازۂ بغداد کی طرف محلہ باب خاں کے نزدیک واقع ہے دیوار پر ایک چھوٹی ضریح نصب ہے،

مقام دست چپ بازارچہ معروف "بازارچہ عباسؑ" میں واقع ہے اور یہاں بھی دیوار پر ایک دریچہ بنا ہوا ہے جس پر کاشی میں یہ شعر تحریر ہیں:

سَلْ إذا ما شِئْتَ وَاسْمَعْ وَاعْلَمِ ثُمَّ خُذْ مِنّی جَوابَ الْمُفْهِمِ

إنَّ فی هٰذَا الْمَقامِ انْقَطَعَتْ یُسْرَةُ الْعَبّاسِ بَحْرِ الْکَرَمِ

هٰهُنا یا صاحِ طاحَتْ بَعْدَ ما طاحَتِ الْیُمْنیٰ بِجَنْبِ الْعَلْقَمِ

أجْرِ دَمْعَ الْعَیْنِ وَابْکیهِ أساً حَقٌّ أنْ یُبْکیٰ بِدَمْعٍ عَنْ دَمِ

اگر معلوم کرنا چاہتے ہو تو مجھ سے سنو یہ وہ جگہ ہے جہاں بحر کرم عباسؑ کے دست چپ قلم ہوئے، دست چپ قلم ہوجانے کے بعد نہر علقمہ پر دست راست قلم ہوئے،

آنکھوں کو اشکبار کرو اور اس غم میں گریہ کرو لیکن حق یہ ہے کہ آنسوؤں کی جگہ خون کے آنسو بہاؤ،

باب

۱۰

زیارت ابوالفضل

علیه السلام

پہلے اشارہ کرچکا ہوں کہ حضرت ابوالفضل العباسؑ کی زیارت امام جعفر صادقؑ کی تعلیم کردہ ہے، حضرت ابو الفضلؑ العباس علیہ السلام کے فضائل و مناقب اور بے حساب معجزات وکرامات کی وجہ آپ کے حرم کی حاضری خوشنودی خدا اور تقرب باری کا ذریعہ ہے آپ کی دہلیز پر جبہ سائی عقیدہ کی پختگی کا سبب ہے یہاں پہنچ کر انسان متوجہ ہوتا ہے کہ کیونکر بندے کو خدا کی راہ میں اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کرنا چاہیئے

بہر حال زیارت کے معنی مزارات مقدسہ پر حاضری کے ہیں اور جب یہاں پہنچ جائے تو جس لفظ میں چاہے سلام کرے روایت امام جعفر صادق علیہ السلام میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے،

سلیم بن ظبیان سے حضرت نے فرمایا جب تم قبر امام حسینؑ پر پہنچو تو کہو صلی اللہ علیک یا ابا عبداللہ " اگر اس طرح کہدیا تو تم نے پوری زیارت کرلی[1]

اگرچہ اس انداز سے زیارت تمام ہوگئی لیکن معصومین علیہم السلام نے جن الفاظ میں زیارت کی ہے اس کی رعایت ہونی چاہیئے کیونکہ زیارت کے فقرات صاحب قبر کی شخصیت، عظمت، اور مرتبہ کے ترجمان ہوتے ہیں اور صاحب قبر کی زیارت کے آداب کو بھی واضح کرتے ہیں لہٰذا الفاظ معصومؑ خود ساختہ زیارتوں پر فضیلت رکھتے ہیں اسی لئے محدث نوری اور شیخ مرتضیٰ انصاری نے فرمایا ہے کہ معصومؑ کی تعلیم

---

[1] اسرار الشہادۃ ۱۴۶/ ۶۶،

کردہ زیارتوں سے امام حسینؑ کی زیارت کرنا مستحب ہے[1]

چونکہ سارے آئمۂ طاہرین علیہم السلام ایک ہی نور سے ہیں لہٰذا یہ رعایت سبھی کیلئے ضروری ہے،

معصوم کی تعلیم کردہ زیارتوں کی ترجیح کا فائدہ حضرت عباسؑ کی زیارت میں سامنے آیا چونکہ تنہا یہی ایک زیارت ہے جو عظمت و منزلت حضرت ابو الفضلؑ کو واضح کرتی ہے، میں اس جگہ اس کو نقل کر رہا ہوں[2]

سَلامُ اللهِ وَسَلامُ مَلائِكَتِهِ الْمُقَرَّبينَ وَاَنْبِيائِهِ الْمُرْسَلينَ وَعِبادِهِ الصّالِحينَ وَجَميعِ الشُّهَداءِ وَالصِّدّيقينَ وَالزّاكِياتُ الطَّيِّباتُ فيما تَغْتَدي وَتَرُوحُ عَلَيْكَ يَابْنَ اَميرِالْمُؤْمِنينَ.اَشْهَدُ لَكَ بِالتَّسْليمِ وَالتَّصْديقِ وَالْوَفاءِ وَالنَّصيحَةِ لِخَلَفِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ الْمُرْسَلِ وَالسِّبْطِ الْمُنْتَجَبِ وَالدَّليلِ الْعالِمِ وَالْوَصِيِّ الْمُبَلِّغِ وَالْمَظْلُومِ الْمُهْتَضَمِ.فَجَزاكَ اللهُ عَنْ رَسُولِهِ وَعَنْ اَميرِالْمُؤْمِنينَ وَعَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ صَلَواتُ اللهِ عَلَيْهِمْ اَفْضَلَ الْجَزاءِ بِما صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ وَاَعَنْتَ،فَنِعْمَ عُقْبَى الدّارِ.لَعَنَ اللهُ مَنْ قَتَلَكَ وَلَعَنَ اللهُ مَنْ جَهِلَ حَقَّكَ وَاسْتَخَفَّ بِحُرْمَتِكَ،وَلَعَنَ اللهُ مَنْ حالَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ ماءِ الْفُراتِ. اَشْهَدُ اَنَّكَ قُتِلْتَ مَظْلُوماً وَاَنَّ اللهَ مُنْجِزٌ لَكُمْ ما وَعَدَكُمْ.جِئْتُكَ يَابْنَ اَميرِالْمُؤْمِنينَ وافِداً اِلَيْكُمْ وَقَلْبي مُسَلِّمٌ لَكُمْ وَتابِعٌ وَاَنَا لَكُمْ تابِعٌ وَنُصْرَتي لَكُمْ مُعَدَّةٌ حَتّى يَحْكُمَ اللهُ وَهُوَ خَيْرُالْحاكِمينَ.فَمَعَكُمْ مَعَكُمْ لامَعَ عَدُوِّكُمْ.اِنّي بِكُمْ وَبِاِيابِكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنينَ وَبِمَنْ خالَفَكُمْ وَقَتَلَكُمْ مِنَ الْكافِرينَ.قَتَلَ اللهُ اُمَّةً قَتَلَتْكُمْ بِالْاَيْدي وَالْاَلْسُنِ.

---

[1] مستدرک، رسائل،

[2] مفاتیح از کامل الزیارات،

اے فرزند امیرالمومنینؑ! آپ پر اللہ ملائکہ مقربین انبیاء مرسلین بندگانِ صالح تمام شہداء وصدیقین کے پاک وپاکیزہ سلام صبح وشام پہنچیں،

اے فرزند امیرالمومنینؑ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اپنے کو فرزند رسولؐ کے سپرد کردیا تھا ان کی امامت کی تصدیق فرمائی وفاداری وخیرخواہی کا مظاہرہ کیا، آپ نے اس حسینؑ کی حمایت کی جو رسول اکرمؐ کے فرزند و نواسہ ہیں جو راہنمائے عالم، وصی رسولؐ، مبلغ خدا اور مظلوم وستمدیدہ ہیں خدا آپ کو رسول اکرمؐ، امیرالمومنینؑ اور حضرات حسنینؑ کی طرف سے بہترین پاداش اس صبروشکیبائی اور نصرت کے عوض میں عنایت فرمائے جس کا آپ نے کربلا میں مظاہرہ فرمایا تھا خانہ آخرت بہترین گھر ہے خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جنہوں نے آپ کو شہید کیا آپ کے حق کو ضائع کیا اور آپ کے احترام کو پامال کیا اور آپ کے اور فرات کے درمیان حائل ہوئے،

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ مظلوم شہید کئے گئے اور خدا نے شہیدوں کے لئے جو وعدے کئے ہیں وہ اسے پورا کرے گا،

اے فرزند امیرالمومنینؑ! میں آپ کی زیارت کیلئے آیا ہوں اور آپ کے حضور میں ہوں میرا قلب آپ کی عظمتوں کا معترف اور آپ کے فرمان کا تابع ہے میں آپ کا پیرو اور میری مدد آپ کے لئے ہمہ وقت حاضر ہے یہاں تک کہ خدا اپنا حکم صادر فرمادے، وہ بہترین حکم فرما ہے میں باہمہ جہت آپ کے ساتھ ہوں آپ کے دشمنوں کے ساتھ نہیں آپ کا اور آپ کی رجعت کا معتقد ہوں اور جو آپ کا مخالف و قاتل ہے اس سے بیزار ہوں، خدا انہیں ہلاک فرمائے جنہوں نے دست وزبان سے آپ کو ایذا پہنچائی،

حرم مطہر میں داخل ہونے کے بعد ضریح سے اپنے کو مس کرے اور ان الفاظ میں سلام کرے

اَلسَّلامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ الْمُطِيعُ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَمِيرِالْمُؤْمِنِينَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَسَلَّمَ. اَلسَّلامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ وَمَغْفِرَتُهُ وَرِضْوَانُهُ وَعَلٰى رُوحِكَ وَبَدَنِكَ. اَشْهَدُ وَاُشْهِدُ اللّٰهَ اَنَّكَ مَضَيْتَ عَلٰى مَا مَضٰى بِهِ الْبَدْرِيُّونَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِى سَبِيلِ اللّٰهِ الْمُنَاصِحُونَ لَهُ فِى جِهَادِ اَعْدَائِهِ الْمُبَالِغُونَ فِى نُصْرَةِ اَوْلِيَائِهِ الذَّابُّونَ عَنْ اَحِبَّائِهِ. فَجَزَاكَ اللّٰهُ اَفْضَلَ الْجَزَاءِ وَاَكْثَرَ الْجَزَاءِ وَاَوْفَرَ الْجَزَاءِ وَاَوْفٰى جَزَاءِ اَحَدٍ مِمَّنْ وَفٰى بِبَيْعَتِهِ وَاسْتَجَابَ لَهُ دَعْوَتَهُ وَاَطَاعَ وُلَاةَ اَمْرِهِ. اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَالَغْتَ فِى النَّصِيحَةِ وَاَعْطَيْتَ غَايَةَ الْمَجْهُودِ، فَبَعَثَكَ اللّٰهُ فِى الشُّهَدَاءِ وَجَعَلَ رُوحَكَ مَعَ اَرْوَاحِ السُّعَدَاءِ وَاَعْطَاكَ مِنْ جِنَانِهِ اَفْسَحَهَا مَنْزِلاً وَاَفْضَلَهَا غُرَفاً وَرَفَعَ ذِكْرَكَ فِى عِلِّيِّينَ وَحَشَرَكَ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيقاً. اَشْهَدُ اَنَّكَ لَمْ تَهِنْ وَلَمْ تَنْكُلْ وَاَنَّكَ مَضَيْتَ عَلٰى بَصِيرَةٍ مِنْ اَمْرِكَ مُقْتَدِياً بِالصَّالِحِينَ وَمُتَّبِعاً لِلنَّبِيِّينَ، فَجَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ وَبَيْنَ رَسُولِهِ وَاَوْلِيَائِهِ فِى مَنَازِلِ الْمُخْبِتِينَ فَاِنَّهُ اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ.

سلام ہو آپ پر اے عبد صالح، خدا و رسولؐ امیر المومنینؑ اور حضرات حسنینؑ کے مطیع، صلواۃ اللہ وسلامہ علیہم، آپ پر اور آپ کی روح و بدن پر اللہ کی رحمت و برکت و مغفرت ہو اس کی رضا آپ کے ہمراہ،

میں خدا کو گواہ قرار دیتے ہوئے گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اسی درجۂ شہادت کو پایا جسے شہدائے بدر یا دوسرے راہ خدا میں جہاد کرنے والوں نے پایا یہ سارے شہداء دین الٰہی کے خیر خواہ ہیں جنہوں نے دشمنان خدا سے بھرپور جنگ کی، خدا کے دوستوں کی مدد کی، محبان خدا کا دفاع کیا اللہ آپ کو بہتر بیشتر اور کامل تر جزا مرحمت فرمائے ان لوگوں کی پاداش جنہوں نے اپنے عہد کو پورا کیا اور امام کی دعوت پر لبیک کہا اور اپنے ولی امر کی پیروی کی میں گواہی دیتا ہوں اے ابوالفضلؑ آپ نے ظالم کی نصیحت میں بھرپور کوشش فرمائی راہ دین میں حتی المقدور کوشش فرمائی خدا آپ کو شہداء کے زمرے میں قرار دے اور آپ کی روح کو سعادتمندوں کی روح کے ساتھ محشور

فرمائے اور آپ کو اپنی جنت میں وسیع مکان اور بہترین دریچہ ہائے جنتی عنایت فرمائے علیین تک آپ کا بول بالا ہو، انبیاء و صدیقین، شہداء اور صالحین آپ کے بہترین رفیق قرار پائیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے راہ دین میں کوئی فروگذاشت نہیں فرمائی اور جس راہ کو اختیار فرمایا بصیرت و دانش کے ساتھ اختیار فرمایا اپنے اعمال میں صالحین وانبیاء کی اقتداء فرمائی خدا ہمیں آپ کی، رسول خداؐ اور اپنے اولیاء کی معیت میں جنت میں وہ منزل عطا فرمائے جو اہل خشوع وخضوع کے لئے ہے بے شک وہ ارحم الراحمین ہے،

حضرت قمر بنی ہاشمؑ کی اس زیارت کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ زائر خواہ کس قدر آپ کی معرفت کیوں نہ رکھتا ہو اس مرتبہ کو درک نہیں کر سکتا ہے جو حضرت عباسؑ کا حقیقی مرتبہ ہے لہٰذا جس وقت آپ کے حرم میں شرفیاب ہو ضریح کی طرف رخ اور قبلہ کی طرف پشت کر کے اس زیارت کے ذریعہ حضرتؑ کی خدمت میں عرض ادب کرے، یہی روش حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کی زیارت کے لئے بھی ہے، حضرت عباسؑ شہید ہیں اور شہید زندہ ہوتا ہے اور خدا کی گوناگوں نعمتوں سے مستفید ہوتا رہتا ہے لہٰذا شہید کی حیات وشہادت کے بعد کی زیارت میں فرق نہیں ہوتا اگر حضرت عباسؑ زندہ ہوتے تو زائرین آپ کی خدمت میں وارد ہوتے اور روبرو ہو کر سلام کرتے،

آداب قیام زائر

علامہ مجلسی لکھتے ہیں :

حضرت عباسؑ کے زائر کو پہلے در سقیفہ کے پاس کھڑا ہونا چاہیئے، اور یہاں داخلہ حرم کی دعا پڑھے، اس کے بعد حرم میں وارد ہو اور اپنے کو

قبر پر گرا دے ، اور حضرت کی زیارت اَلسَّلامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ پڑھے ، نماز ودعا کے بعد پائے اطہر کی طرف جائے اور وہاں پر اس زیارت کو پڑھے جس کی ابتداء ان الفاظ سے ہے السلام علیک یا ابا الفضل العباس ع،
علامہ مجلسی مرحوم قولویہ کی جس زیارت کا تذکرہ گذشتہ صفحہ پر آیا ہے اس میں حضرت عباس کی قبر کے قریب کھڑے ہونے کا تذکرہ تو ہے لیکن زائر کس رخ سے کھڑا ہوگا اس کی تعین نہیں ہے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ رو بہ قبلہ ہوگا بشرطیکہ اس وقت اور آج کے در کے رخ میں تبدیلی نہ ہوئی ہو ، اس طرح حضرت عباس ع اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی زیارت کے آداب میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی زائر قبلہ کی طرف پشت کر کے کھڑا ہوگا ،

بحث علمی

علامہ مجلسی رہ کا خیال ہے کہ زائر کا رو بہ قبلہ ہو کر زیارت پڑھنا بہتر ہے لیکن مرحوم مجلسی کے اظہار نظر کی روایات اہلبیت ع سے تائید نہیں ہوتی کیونکہ روایات میں یہ فرق نہیں آیا ہے کہ معصوم کی زیارت کرتے وقت پشت قبلہ کی طرف ہو اور چہرہ ضریح کیطرف اور غیر معصوم کی زیارت کے وقت چہرہ قبلہ کی طرف ہو ،
روایات میں صراحت نہیں ہے کہ زائر رو بہ قبلہ زیارت پڑھے گا یا پشت بہ قبلہ صرف زیارت امیر المومنین ع اور امام حسن ع میں ملتا ہے کہ زائر قبر کے سامنے کھڑا ہوگا اور قبلہ کو دونوں شانوں کے درمیان قرار دے گا لہٰذا اس اجمال کی وجہ سے مرحوم مجلسی رہ کا عندیہ و رجحان قابل تسلیم نہیں ہے ،
امام محمد تقی ع امام علی نقی ع ، امام حسن عسکری علیہ السلام ، اور امام رضا ع کی زیارتوں کیلئے جو روایات وارد ہوئی ہیں اس میں بھی اطلاق ہی پایا جاتا ہے ،
حضرت امام عصر ع کی توقیع اور مومنین ع کی زیارت کیلئے جو یہ وارد ہوا ہے

کہ رو بہ قبلہ ہو کر ہاتھ کو قبر پر رکھے اور زیارت پڑھے تو یہ اخص مدعا ہے،

مزید عملی طور سے جب انسان کسی کی زیارت یا اس کی مدح و ثنا کرتا ہے تو اس کے رو برو ہوتا ہے، لہٰذا اس طرح بھی زیارت کرتے وقت ضریح کے مقابل ہونا ضروری ہے،

چونکہ حضرت عباس علیہ السلام راہ توحید کے فداکاروں میں اعلیٰ وارفع ہیں آپ کی جلالت وعظمت انبیائے اولوالعزم کے برابر ہے لہٰذا ایسی صورت میں زائر کا آپ کی ضریح کے روبرو زیارت پڑھنا رجحان رکھتا ہے جس طرح حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کے لئے روبرو کی شرط ہے،

ان ہی نکات کے پیش نظر شیخ بزرگوار عبدالحسین مبارک قدس سرہ نے فتویٰ دیا تھا کہ، حضرت عباس ؑ اس کے مستحق ہیں کہ ان کی زیارت بھی ائمہ طاہرین علیہم السلام کی طرح کی جائے کیونکہ آپ فرزند سید الاوصیاء ہیں اور نور نظر حضرت مرسل اعظم ؐ سید الشہداء ؑ کے قدموں پر جاں نثار کی ہے،

اسی لئے عارف علماء زیارت امام حسین ؑ سے پہلے زیارت ابو الفضل العباس ؑ کے لئے جاتے ہیں چونکہ آپ امام حسین علیہ السلام کے حرم کے باب الحوائج ہیں برسوں سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے لہٰذا ادیب گرانقدر نے دو شعر میں اس حقیقت کو منظوم کیا ہے،

میں نے فرزند رسول ؐ کی زیارت سے قبل آپ کی زیارت کی ہے
اور اشک حسرت کا ہدیہ لیکر آیا ہوں چونکہ آپ باب الحوائج ہیں
اور بغیر در کے کوئی اپنی حاجت کو نہیں پا سکتا،

نماز زیارت

زیارت علمدار کربلا کے بعد زائر دو رکعت نماز ادا کرے روایت میں اس

کی تاکید وارد ہوئی ہے مرحوم مجلسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث نقل کی ہے جس میں حضرت نے فرمایا ہے،

زیارت کے بعد بالائے سر دو رکعت نماز ادا کرو اور نماز کے بعد جو چاہو دعا مانگو،

دوسرے علماء نے بھی نماز کو زیارت کے بعد ہی ذکر کیا ہے زیارت اربعین میں بھی یہی ہے کہ جناب جابر انصاری نے حضرت عباس علیہ السلام کی زیارت کی اور اس کے بعد دو رکعت نماز ادا کی، جناب جابر نے جو نماز پڑھی تھی آیا اس کی اجازت اہلبیت علیہم السلام کی طرف سے تھی ؟ چونکہ جناب جابر مکتب آل محمدؐ کے پروردہ تھے لہٰذا ان سے بعید ہے کہ وہ کوئی ایسا کام انجام دیں جو صاحبان شریعت کی طرف سے نہ آیا ہو،

اسی طرح محققین فقہائے شیعہ کے لئے بعید ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں زیارت کے بعد نماز کا حکم دیں اور مصادر فقہی میں اس کا کوئی حکم نہ ہو، چونکہ تشریع محرم عذاب اخروی کا سبب ہے اور ان عظیم فقہا سے بعید ہے کہ وہ کسی بدعت کی داغ بیل ڈالیں جو خدا کے یہاں معاف نہ ہو،

ہاں یہ ممکن ہے کہ ان فقہا نے اپنی کتاب زیارت میں جن مصادر کو مدّ نظر رکھتے ہوئے فتوے دیئے تھے وہ اس وقت ہمارے پاس نہ ہو،

لہٰذا جناب سید ابن طاؤس رہ نے مصباح الزائر ،، کے آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب میں جو کچھ اختیار و پسند کیا ہے وہ روایات پر اعتبار و اعتماد کرتے ہوئے ہے،

اسی طرح ابن مشہدی نے بھی اپنی کتاب زیارت کے آغاز میں تحریر فرمایا ہے کہ میں نے روایات حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کے ماحصل کو اس کتاب میں جمع کیا ہے،

لہٰذا ان بیانات کے بعد ہمارے لئے روا نہیں ہے کہ اگر اس وقت مصادر

فقہی میں مرقوم آداب زیارت نہیں مل رہے ہوں تو اس کو بے اساس قرار دیں،

بیان شیخ کاظمی

آپ کا نام شیخ اسد اللہ ہے اور محققین شیعہ میں شمار ہوتے ہیں آپ اپنی کتاب "کشف القناع" میں تحریر فرماتے ہیں،

بعض فقہائے اعلام تو اسرار ائمہ طاہرین علیہم السلام کے امین ہیں ان کے لئے ممکن ہے کہ وہ زمانہ غیبت میں حضرت ولی عصر علیہ السلام کے قول سے باخبر ہو جائیں یہ اطلاع:

یا ——— خفیہ طور سے حضرت کے سفیروں کے ذریعہ پہنچے جس سے یقین ہو جائے،

یا ——— بذریعہ توقیع، یعنی حضرتؑ کی تحریر کے ذریعہ،

یا ——— براہ راست حضرتؑ کے حضور میں باریاب ہو کر لیکن غیبت کے حدود میں رہتے ہوئے،

اگر مذکورہ راہوں سے کسی فقیہ کو کوئی مسئلہ معلوم ہوتا ہے تو نہ دلیل شرعی اس کے اظہار کی اجازت دیتی ہے اور نہ ہی اس حکم کے اظہار کرنے میں کوئی قباحت ہے لہٰذا ایسے فقہائے کے لئے چارہ کار یہی ہے کہ ایسے موارد کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہوئے گذر جائیں کہ یہ حکم فقہائے کے نزدیک "متفق علیہ" ہے یا اس پر "اجماع" ہے یہ انداز بہت سی زیارتوں کے آداب و اعمال میں پایا جاتا ہے، جس کی تصریح نہ مصادر فقہ میں ہے اور نہ اسرار ائمہ طاہرین علیہم السلام سے واقف فقہاء کو اس کی اطلاع تھی،

تسبیح کے استخارہ کا بھی یہی حکم ہے مصادر فقہی میں اس کی سند نہیں ملتی لیکن سید ابن طاؤس نے سرداب میں خود حضرت بقیۃ اللہ الاعظم سے لیا تھا، یا دعائے

علوی مصری کو حضرت عجل اللہ فرجہ الشریف نے حائر حسینی میں محمد بن علی علوی حسینی مصری کو پانچ شب میں تعلیم فرمایا تھا،

یہ انداز بہت سے احکام اسلامی میں موجود ہے صاحب فتویٰ کو امام عصر " عج " کے نظریہ کا علم تھا لہٰذا اس کی روشنی میں فتویٰ دے دیا لیکن اظہار پر قادر نہیں تھا لہٰذا دلیل فتویٰ " حکم امامؑ " کو ذکر نہیں کیا،

بہر حال یہ ثابت ہے کہ فقہائے اعلام نے اپنی کتابوں میں کوئی حکم "روایت" کے بغیر نہیں دیا،

اس تمہید کی روشنی میں اگر فقہائے اعلام رضوان اللہ علیہم نے اپنی کتابوں میں زیارت حضرت ابو الفضل العباس علیہ السلام کے بعد دو رکعت نماز کا تذکرہ کیا ہے جس کا مصادر فقہ میں تذکرہ نہیں ہے، تو اس کو بے اساس تعبیر نہیں کرنا چاہیے چونکہ ممکن ہے یہ حکم ان لوگوں تک غیر عادی طریقوں سے پہنچا ہو،

ان ساری باتوں سے قطع نظر امام حسینؑ کی زیارت کا جو طریقہ امام جعفر صادقؑ نے ابو حمزہ ثمالی کو تعلیم فرمایا تھا اس میں صراحت سے نماز کی تاکید آئی ہے،

جب زیارت تمام کرو تو جتنی چاہو نمازیں پڑھو لیکن دو رکعت نماز زیارت ہر صاحب قبر کی زیارت کے بعد حتمی ہے،

چونکہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: " ہر صاحب قبر کی زیارت کے بعد دو رکعت نماز زیارت ضروری ہے " یہ ارشاد عمومیت رکھتا ہے اور کوئی ایسا اشارہ کلام میں نہیں جس سے اس کو مقید کیا جا سکے لہٰذا اگر غیر معصومؑ کی زیارت کے بعد دو رکعت نماز کا تذکرہ نہیں آیا ہے تو اس سے حکم کی عمومیت متاثر نہیں ہوگی،

لہٰذا اگر ابو حمزہ ثمالی کی روایت میں زیارت حضرت عباس علیہ السلام کے بعد نماز کا تذکرہ نہیں ہے تو نماز کی مشروعیت گذشتہ عموم کی وجہ سے اپنی جگہ باقی ہے، اسی طرح اگر زیارت معصومؑ کے بعد نماز کا تذکرہ ہے تو اگر غیر معصومؑ کے لئے

یہ نماز ادا کی جائے تو اس کی شرعیت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ،

بہر حال علمائے اعلام نے اپنی زیارت کی کتابوں میں اس نماز کا تذکرہ کیا جو خود اس کی مشروعیت ورجحان کی دلیل ہے ،

علامہ مجلسی کے بعض معاصرنے غیر معصوم ؑ کی زیارت کے بعد نماز سے روکا ہے اس دلیل کی بنیاد پر کہ غیر معصوم کی زیارت میں نماز وارد نہیں ہوئی ہے ،

"لیکن یہ نظریہ قابل قبول نہیں ہے کیونکہ صفوان جمال حضرت امام صادق ؑ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا : "زیارت علی اکبر ؑ کے بعد دو رکعت نماز ادا کرو"،

اگر علی اکبر کیلئے نماز کا حکم ہے تو علی اکبر ؑ و ابوالفضل ؑ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا آپ کے لئے بھی ثابت ہے ،

مزید برآن علامہ مجلسی نے جناب مسلم وہانی کی زیارت کے بعد بھی نماز کا تذکرہ کیا ہے لہٰذا اگر مسلم ؑ وہانی ؑ کی زیارت کے بعد نماز پڑھی جاسکتی ہے تو حضرت ابوالفضل ؑ کے لئے بدرجہ اولیٰ ادا ہوسکتی ہے [1]

بوسہ ضریح مبارک

ضریحوں کے بوسہ کیلئے کوئی شرعی اشکال نہیں ہے بلکہ روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے ، صفوان جمال کہتے ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں :

> زیارت امام حسین ؑ کے بعد ضریح عباس بن علی ؑ کے پاس جانا اور سلام کرنا اور پھر اپنے کو قبر پر گرا دینا اور اس کا بوسہ لینا اور اس وقت کہنا :

---

[1] بحار الانوار کتاب مزار ،

بِأبی وَأمّی یا ناصِرَ دینِ اللهِ. السَّلامُ عَلَیْکَ یا ابْنَ أمیرِالمُؤمنینَ. السَّلامُ عَلَیْکَ یا ناصِرَ الحُسَیْنِ الصِّدّیقِ. السَّلامُ عَلَیْکَ یا شَهیدَ ابْنَ الشَّهیدِ. السَّلامُ عَلَیْکَ مِنّی أبَداً ما بَقیتُ.وَصَلَّی اللهُ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ.

ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اے ناصر دین خدا اسلام ہو آپ پر اے فرزند امیر المومنین ؑ سلام ہو آپ پر اے ناصر حسین ؑ صدیق، سلام ہو آپ پر اے شہید و فرزند شہید ہمارا سلام خالدانہ ہو آپ پر، درود و سلام خدا ہو محمد ؐ و آل محمد ؐ پر،

شاید بوسہ کے جواز کیلئے مزید اب کسی دلیل کی ضرورت نہ ہوگی، مزید براں شیخ مفید ابن مشہدی، ابن طاؤس، نے اپنی زیارت کی کتابوں میں نقل کیا ہے کہ زائر حرم میں داخلے کے بعد اپنے کو قبر پر گرادے اور کہے، سلام ہو آپ پر اے عبد صالح

بارہویں صدی کے مجدد مذہب شیخ المحققین عارف راہ حق جناب محمد باقر بہبہانی جب حرم ابو الفضل ؑ العباس میں داخل ہوتے تھے تو اس طرح دہلیز کا بوسہ لیتے تھے جس طرح حرم امام حسین ؑ میں داخل ہوتے وقت لیا کرتے تھے،

اس عالم جلیل کا انداز خود صاحبان حق کیلئے حجت و دلیل ہے کیونکہ قرآن فرماتا ہے:

جو دین حق کی راہنمائی کرے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے ۱؎

۱؎ یونس ۳۵،

اولاد

حضرت ابوالفضل العباسؑ کے چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی،

عبداللہ، فضل، حسن، قاسم، لیکن ابن شہر آشوب نے شہدائے کربلا میں محمد نام کے ایک شہید کو بھی آپ کا فرزند قرار دیا ہے،

عبداللہ و فضل کی ماں جناب لبابہ ہیں جو جناب عبدالمطلب کی پرپوتی ہیں علمائے نسب کا اتفاق ہے کہ جناب ابوالفضل العباس علیہ السلام کی نسل جناب عبداللہ سے باقی رہی،

شیخ فتونی کا خیال ہے کہ جناب حسن سے بھی آپ کی نسل چلی ہے،

(۱) جناب عبیداللہ، جلیل القدر علماء میں شمار ہوتے ہیں حسن و کمال میں کوئی آپ کا نظیر نہیں تھا، آپ کی تین بیویاں تھیں،

ا۔ جناب رقیہؑ دختر امام حسنؑ

ب۔ دختر معبد بن عبداللہ بن عبدالمطلب،

ج۔ دختر میسور بن مخرمہ،

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے نزدیک جناب عبیداللہ کی بڑی

اہمیت تھی لہٰذا اگر آپ کی نظر ان پر پڑتی تو آنکھوں سے اشک جاری ہوجاتے لوگوں نے حضرت سے گریہ کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

کربلا میں علمدار کا کارنامہ یاد آجاتا ہے اور بے اختیار آنسو نکل پڑتے ہیں،

جناب عبید اللہ کی رحلت ۱۵۵ھ میں ہوئی[1] آپ کے بعد آپ کے فرزند

(۲) جناب حسن سے نسل چلی ۶۷ سال عمر پائی تھی آپ کے پانچ فرزند تھے، فضل حمزہ، ابراہیم، عباس، عبید اللہ، سبھی جلیل القدر علماء وادباء میں رہے ہیں،

(۳) فضل اپنے بھائیوں میں، فصیح، متکلم، حاضر جواب، باتقویٰ اور شجاع تھے، خلفاء آپ کو عظمت کی نظر سے دیکھتے اور ابن الہاشمیہ" کے لقب سے یاد کرتے[2]

جناب فضل کے تین فرزند تھے، جعفر عباس اکبر اور محمد، ان میں سے ہرایک کے اولادیں تھیں جو اپنے وقت کی ادیب تھیں،

(۱۰) محمد کے فرزند ابو العباس فضل ہیں جو زبردست شاعر وسخنور گذرے ہیں ان کی اولادیں قم اور طبرستان میں پھیلی ہوئی ہیں ان کا ایک مجموعہ شعری ہے جس میں علمدار کربلا کی مدح سرائی فرمائی ہے،

(۴) حمزہ، اپنے جد مکرم حضرت امیر المومنینؑ سے مشابہ تھے،

مامون نے اسی شباہت کی وجہ سے اپنی دستخط کے ساتھ ایک ہزار درہم عطا کئے تھے،

جناب حمزہ کی شادی زینب بنت حسینؑ سے ہوئی، حسین جناب جعفر طیار کے پوتے تھے،

(۱۱) محمد بن علی جناب حمزہ کے پوتے ہیں، اپنے وقت کے معروف شاعر تھے

---

[1] زخیرۃ الدارین، محدی،

[2] عمدۃ الطالب،

بصرہ میں سکونت تھی حضرت امام رضا اور دوسرے ائمہ علیہم السلام سے روایت نقل کی ہے ۲۷۶ھ میں انتقال کیا [۱]

(۵) ابراہیم، آپکی شہرت جردقہ سے ہے اپنے وقت کے زاہد فقیہ اور ادیب تھے،

(۱۲) علی ، اپنے عصر کے بڑے فیاض مانے جاتے تھے اور حشمت و جلالت کے مالک تھے ۲۶۴ھ میں رحلت فرمائی آپ کے انیس فرزند تھے،

(۴۳) ابوالحسن علی جردقہ ، بغداد میں ابی عبد اللہ بن داعی کی جگہ پر نقیب علومین قرار پائے،

(۴۰) عبداللہ ، بغداد گئے وہاں سے مصر میں سکونت اختیار کی مصر میں حدیث کے بیان سے انکار کر دیا لیکن کچھ دنوں کے بعد قبول کر لیا آپ کی چند کتابیں تھیں جن کے مجموعہ کو "جعفریہ" کہا جاتا تھا یہ مجموعہ شیعہ فقہ پر مشتمل تھا، مصر ہی میں ۳۱۲ھ میں رحلت فرمائی

(۶) عباس ، "صاحب سر السلسلہ" لکھتے ہیں کہ عباس سے زیادہ بنی ہاشم میں کوئی صاف گو ، جری اور زود گو دیکھا نہیں گیا،

ہارون الرشید کے زمانہ میں بغداد تشریف لائے اور اس کے مصاحب رہے ہارون کے بعد مامون نے بھی آپ کے اس منصب کو باقی رکھا جناب عباس فصاحت بیان و شعر میں بنی ہاشم میں نمایاں و بے نظیر تھے، آپ کی جلالت و فضل و ادب کی وجہ سے بادشاہ آپ کو کنیت سے مخاطب کرتا،

جناب عباس کے دس فرزند تھے،

(۱۳) عبداللہ ، جناب عباس کے فرزند ہیں آپ کی والدہ کا نام افطیسہ ہے جناب عبداللہ بھی زمرۂ شعراء و ادباء میں شمار کیے جاتے تھے،

صاحب سر السلسلہ نے آپ کے لئے بھی لکھا ہے کہ مامون کے مصاحب تھے جس وقت مامون کو آپ کی وفات کی خبر ہوئی تو کہا،

ان کے مرنے کے بعد ہر آدمی میری نظر میں برابر ہیں پاپیادہ جنازہ

---

[۱] عمدۃ الطالب ،

میں شرکت کی اور سردار بن سردار کا لقب دیا،

(۲۴) ابو طیب محمد، آپ میں مروّت حد سے زیادہ تھی اپنے عزیز واقارب کے ساتھ صلۂ رحم بہت کرتے تھے جس کی وجہ سے بہت عظمت و منزلت رکھتے تھے اردن کے علاقہ طبّریہ میں آپ کی بہت زیادہ جائداد تھی طغج بن جف خرغانی نے حسد کی وجہ سے اپنے سپاہیوں کے ذریعہ آپ کو قتل کر دیا یہ حادثہ ۲۹۱ھ میں ہوا شعراء نے آپ کی رحلت پر مرثیہ اور سوگنامہ کہے تھے ۱؎

(۲۶) بنو شہید، معلوم نہیں کہ بنو شہید ابو طیب محمد کے بیٹے ہیں یا پوتے بہرحال صاحب معجم الشعراء نے لکھا ہے کہ شاعر تھے اور اپنے بزرگوں کے کارناموں پر افتخار کرتے تھے متوکل اور اس کے بعد تک زندہ رہے، الغدیر میں علامہ امینی نے شعرائے غدیر میں آپ کا ذکر کیا ہے،

(۷) عبید اللہ، آپ کے لئے محمد بن یوسف جعفری کا بیان ہے،

ہیبت و حشمت و مروّت میں ان کے جیسا انسان نہیں دیکھا زمانہ مامون میں مدینہ و مکہ کے متولی اور انہیں دونوں شہروں کے قاضی بھی رہے ۲؎

۲۰۴ھ اور ۲۰۶ھ میں مامون رشید نے امیر حج بھی معین کیا تھا مامون ہی کے زمانہ میں بغداد میں وفات پائی ۳؎

(۱۴) علی، آپ کی اولاد دمیاط میں ساکن ہوئی اور بنو ہارون کے نام سے مشہور رہی اور جو فسا میں آباد ہوئی اس کو بنو ہدہد کہا جانے لگا،

(۱۵) حسن، جناب علی کے بھائی آپ کے فرزند عبد اللہ ہیں،

۱؎ عمدۃ المطالب،

۲؎ طبری ج ۱ ص ۳۵۵،

۳؎ تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۳۱۳،

(۲۴) عبداللہ ، آپ کے گیارہ لڑکے ہوئے،

(۲۵) قاسم ، عبداللہ کے بیٹے ہیں مکہ و مدینہ کے حاکم و قاضی تھے ، مدینہ منورہ میں صاحب الرائے اور متکلم شمار ہوتے تھے،

فرزندان علی و جعفر، شاید امام علی نقیؑ کے فرزند ہیں ، کے درمیان انس و محبت برقرار رکھی ، جناب قاسم امام حسن عسکریؑ کے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں [۱]

حضرت ابوالفضل العباسؑ کی پاکیزہ نسل ہر دور میں صاحبان فضل و کمال سے بھری رہی جن میں اپنے بزرگوں کے اخلاق حمیدہ اور صفات حسنہ پائے جاتے رہے، ہمیشہ آثار سیادت و شرافت ظاہر رہا، رگ و پے میں علم و عمل عزت نفس بھری ہوئی تھی،

(۲۷) حمزہ ، ابو یعلی حمزہ ، سید جلیل القدر ہیں چھ واسطوں سے آپ کا نسب حضرت ابوالفضل العباس تک پہنچتا ہے میرزا محمد علی اردو بادی نے آپ کی حیات و کارنامے پر ایک کتاب تالیف فرمائی ہے ان کے الفاظ یہ ہیں ،

ابو یعلی ، علمائے اہلبیتؑ میں سے ہیں خاندان وحی اور بوستان ہاشم کی نمایاں فرد ہیں، آپ کا شمار مشائخ روایت میں ہوتا ہے آپ علماء اعلام کیلئے علوم آل محمدؐ کا مرجع تھے جن علمی شخصیتوں نے آپ سے استفادے کئے ان میں حسب ذیل ہیں،

(۱) ابو محمد ہارون بن موسیٰ تلعکبری ہیں آپ کا شمار بزرگ علمائے شیعہ میں ہوتا ہے ۳۸۵ھ میں رحلت فرمائی،

(۲) حسین بن ہاشم مؤدب ،

(۳) علی بن احمد بن محمد بن عمران دقاق اور حسین بن ہاشم یہ دونوں مشائخ شیخ صدوق ابن بابویہ قمیؒ ہیں،

---

[۱] عمدہ الطالب ،

(۴) علی بن محمد قلانسی ، عبد اللہ غضائری جو علم رجال کے ماہر تھے ان کے مشائخ میں ہیں ،

(۵) ابو عبد اللہ حسین بن علی خزاز قمیؒ ،

حالات سے پتہ چلتا ہے کہ جناب حمزہ زمانہ مرحوم کلینی میں تھے تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی کے اوائل تک زندہ رہے اسی لئے آغا بزرگ تہرانی نے اپنی کتاب "نابغہ الرواۃ فی رابعہ المئات " میں جناب حمزہ کی بہت تعریف کی ہے ،

جناب حمزہ کے علمی آثار میں ، کتاب التوحید ، کتاب الزیارات ، المناسک کتاب الرد علی محمد بن جعفر اسدی ، اور من روی عن جعفر بن محمد ہے ،

نجاشی و علامہ نے ان کتابوں کی بہت تعریف کی ہے ،

آغا بزرگ تہرانی نے جناب حمزہ کو علماء رجال میں شمار کرتے ہوئے اپنی کتاب رجال ذکر کیا ہے [۱]

نجاشی کی کتابوں کی سند یں ابن غضائری کے ذریعہ قلانسی تک منتہی ہوتی ہیں اور قلانسی سے جناب حمزہ تک پہنچتی ہیں ،

متقدمین و متاخرین سبھی علماء نے حمزہ کو موثق و معتبر قرار دیا ہے مرحوم شیخ عباس قمیؒ نے انہیں ان علماء میں قرار دیا ہے جو صاحب اجازۂ حدیث تھے اس لئے سبھی علماء رجال نے آپ کو علم و تقوی سے متصف کیا ہے ،

اگرچہ صاحب اجازۂ حدیث ہونا جناب حمزہ کیلئے کوئی مرتبہ نہیں ہے کیوں کہ صاحب اجازۂ حدیث ہونا ناشناختہ افراد کے لئے ہوا کرتا ہے جناب حمزہ تمام علماء رجال کیلئے معروف تھے جیسا کہ گذشتہ صفحے میں ذکر کرچکا ہوں ، آپ کے مقبرہ سے جو کرامات ظاہر ہوئے ہیں وہ خود آپ کی عظمت کے گواہ ہیں ،

---

[۱] مصفی المقال فی مصنفی علماء رجال ، ص ۱۵۲ نجاشی ، علامہ ، مجلسی ، مامقانی ، شیخ عباس قمی ،

جناب حمزہ علمائے اہلبیت علیہم السلام کی نمایاں فرد ہیں ساری خصوصیتیں اور خصلتیں ان کی ذاتی ہیں آپ کسی کی توثیق و تائید کے محتاج نہیں ہیں خود بے شمار حدیثوں کا آپ سے نقل ہونا آپ کی بزرگی و منزلت کیلئے کافی ہے حضرات ائمہ طاہرین ؑ نے فرمایا : ہے :

ہمارے علماء کی قدر و منزلت کا انحصار ہماری روایت کے بقدر ہے ،

معصوم ؑ کا یہ ارشاد اس بات کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے کہ علمائے اہلبیت ؑ کو زیادہ سے زیادہ احادیث ائمہ اطہار علیہم السلام میں دقت و کاوش کرنا چاہیئے تاکہ آپ کے معارف عوام تک زیادہ سے زیادہ منتقل ہو سکیں کیونکہ یہی چیزیں انسان کو خدا سے قریب کرتی ہیں ،

جناب حمزہ میں دونوں باتیں جمع تھیں وہ ایک طرف شجرۂ طیبہ رسالت کی فرد تھے دوسری طرف احادیث ائمہ طاہرین علیہم السلام کے مستند راوی ،

جناب حمزہ کے مشائخ روایت کی ایک فہرست ہے جو رجال و احادیث کی کتابوں سے جستجو کے بعد فراہم کی گئی ہے ، مثلاً رجال شیخ ، فہرست نجاشی ، کمال الدین شیخ صدوق وہ مشائخ یہ ہیں :

(۱) سعد بن عبداللہ اشعری ،

(۲) حسن بن متیل ،

(۳) محمد بن سہل بن ذارویہ قمیؒ ،

(۴) علی بن عبد بن یحیی ،

(۵) جعفر بن مالک فزاری کوفی ،

(۶) ابو الحسن علی بن جنید رازی ،

(۷) اور ان مشائخ میں سب سے زیادہ جن سے جناب حمزہ نے استفادہ کیا وہ آپ کے چچا زاد بھائی ابو عبیدہ (۲۸) ہیں ، ابو عبیدہ مذکور آل محمد ؐ کے نزدیک نمایاں مقام رکھتے تھے جس وقت حکومت وقت کو یہ خبر ملی کہ

امام حسن عسکری ع کا فرزند ظلم و جور کو تہس نہس کر دے گا تو حکومت کے جاسوس امام عصر ع کے بیت الشرف میں آپ کی والدہ ماجدہ کی تلاش میں داخل ہوئے جناب ابو عبیدہ نے جناب نرجس خاتون کو اپنے گھر میں چھپا دیا تا کہ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہیں ۱؎

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جس گھر میں نرجس خاتون سلام اللہ علیہا تشریف فرما ہوں گی اس گھر میں بہر حال امام عصر ع کی آمد و رفت ہوگی، وہ گھر عزت و شرف کا حامل ہوگا،

حضرت امام عصر ع سے ابو عبیدہ کے اس گھر سے ارتباط کے بعد ان کے لئے پھر کسی تائید کی ضرورت نہیں، یہ ابو عبیدہ جناب حمزہ کے مشائخ میں ہیں لہٰذا اب جناب حمزہ کیلئے بھی کسی توثیق کی ضرورت نہیں ہے،

ابن عنبہ نے اپنی کتاب عمدہ، میں لکھا ہے کہ ابو عبیدہ نے بصرہ میں سکونت کی حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور دوسرے ائمہ طاہرین ع سے روایتیں نقل کیں ابو عبیدہ نے بصرہ کے باہر بھی روایات ائمہ طاہرین علیہم السلام نقل فرمائی ہیں، عالم و شاعر اور عوام میں قابل احترام شخصیت تھے،

نجاشی کا خیال ہے کہ ابو عبیدہ نے امام علی نقی ع اور امام حسن عسکری علیہ السلام سے بھی حدیثیں نقل کی ہیں اور معصوم ع سے مکاتبات بھی تھے اور ایک کتاب بھی تالیف کی تھی جس کا نام مقاتل الطالبین تھا، جو ابو الفرج اصفہانی سے علیحدہ تھی،

نجاشی اور دوسرے علماء نے بھی آپ کے جد "علی" کی وثاقت کی تائید کی ہے، جناب حمزہ کا مقبرہ حلہ میں آج بھی "قریہ حمزہ" میں مومنین کیلئے زیارتگاہ ہے آپ کے حرم سے کرامات بھی ظاہر ہوتے ہیں اور درد مند دلوں کی مرادیں بھی پوری ہوتی رہتی ہیں پہلے آپ کے لئے یہ کہا جاتا تھا کہ آپ امام موسی کاظم علیہ السلام کے فرزند

۱؎ فہرست نجاشی،

ہیں لیکن بعد کے محققین نے یہ ثابت کیا کہ حمزہ فرزند امام ہفتم عؑ کی قبر شاہ عبد العظیم کے پہلو میں ہے،

نہیں جاؤنگا

مرحوم فقیہ بزرگ مہدی قزوینی جس وقت تبلیغ کے سلسلہ سے حلہ میں مقیم تھے بنی زید کی تبلیغ کے لیۓ مزار حمزہ سے گذرے لیکن زیارت نہیں کی، کسی موقع پر جب آپ وہاں سے دوبارہ گذرے تو اہل قریہ نے زیارت جناب حمزہ کی درخواست کی لیکن فقیہ قزوینی نے یہ کہکر رد کر دیا کہ جس کو پہچانتا نہیں اسکی زیارت کے لیۓ نہیں جاؤں گا، شب سید قزوینی نے اسی قریہ میں گذاری صبح کو دوسری بستی میں جانا تھا نماز شب پڑھی طلوع سحر کے انتظار میں جانماز پر بیٹھے تھے کہ اسی بستی کے ایک سید جو متقی وپرہیزگار تھے جنہیں سید قزوینی پہلے سے جانتے تھے وارد ہوۓ سلام کیا اور کہا: سید قزوینی آپ نے قبر حمزہ کی زیارت نہیں کی اور نہ اسکو اہمیت دی، سید قزوینی نے فرمایا: ہاں زیارت نہیں کی چونکہ میں انہیں نہیں جانتا ہوں،

سید علوی نے سید قزوینی کے جواب میں کہا: کہ عوام میں مشہور ہے کہ حضرت امام موسیٰؑ کاظم علیہ السلام کے فرزند حمزہ کی قبر ہے لیکن درحقیقت یہ قبر حمزہ بن قاسم کی ہے علمائے رجال نے آپ کی بہت مدح سرائی فرمائی ہے صاحب اجازۂ حدیث ہیں،

لیکن سید قزوینی نے ایک عام مومن تصور کرتے ہوۓ سید علوی کے بیان پر کوئی توجہ نہیں دی، صبح صادق کی تشخیص کیلئے مصلّے سے اٹھے وہ سید علوی بھی جدا ہوگئے نماز کے بعد سید قزوینی کے ہمراہ جو علم رجال کی کتابیں تھیں اس کو دیکھا تو جناب حمزہ کے لیۓ حرف بحرف وہی پایا جس کی خبر صبح کو سید علوی نے دی تھی،

صبح کے وقت جب مومنین آپ کی ملاقات کیلئے جمع ہوۓ تو وہ سید بھی دکھائی دیۓ جو نماز صبح کے قبل سید قزوینی سے ملے تھے سید نے انھیں بلایا اور پوچھا

آپ نے جو صبح کو باتیں کہی تھیں اس کو کس کتاب میں دیکھا تھا ان سید نے قسم کے بعد کہا کہ وہ اصلاً شب میں اس بستی میں نہیں تھے،

پھر سید قزوینی متوجہ ہوئے کہ ! وہ سید علوی حضرت بقیۃ اللہ الاعظم تھے اس واقعہ کے بعد سید قزوینی رحمہ اللہ جناب حمزہ کی زیارت کیلئے چلے اور کہا کہ مجھے اب کوئی شک نہیں ہے، ان کے اس عمل کے بعد مومنین کی توجہ بھی زیادہ ہوگئی پھر بعد میں سید قزوینی نے "فلک النجاہ" میں اس کی تصدیق کی نتیجہ میں بعد کے علماء نے بھی آپ کی اتباع میں اس قبر کو حمزہ، فرزند قاسم کی قبر قرار دیا

حرم ابوالفضلؑ

شرعی نقطہ نظر سے اولیائے خدا کی قبروں کی تعمیر میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بالخصوص ان حضرات کے حرم کی تعمیر میں جن کا رشتہ اہلبیتؑ طاہرین علیہم السلام سے ہو، سارے رشتے روز قیامت منقطع ہو جائیں گے صرف سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سببی و نسبی رشتے باقی رہیں گے،

قبور ائمہ طاہرین علیہم السلام پر حرم کے جواز کیلئے آیات موجود ہیں چونکہ یہ حرم شعائر الٰہی ہیں اور شعائر الٰہی کی تعظیم وتکریم کا حکم قرآن نے دیا ہے،

جس شخص نے خدا کی نشانیوں کی تعظیم کی یہ دلوں کے تقوے کی دلیل ہے[۱]

قبور ائمہ طاہرین علیہم السلام قابل احترام ہے اور جس کسی نے اس کا احترام کیا اس کا فائدہ خود اس کو حاصل ہوگا قرآن کا بیان ہے وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ:

جو شخص خدا کی حرمت والی چیزوں کی تعظیم کرے گا اس کے حق میں بہتر ہے[۲]

---

[۱] و [۲]، ۳۰ و ۳۲، سورہ حج،

قرآن کریم نے قربانی کے جانور کو شعائر الہٰی قرار دیا ہے ۱؎ چونکہ خدا کی رضا اور اس کے حکم پر اس نے جان دی ہے اگر حیوان شعائر الہٰی میں ہو سکتا ہے تو وہ کیونکر شعائر الہٰی قرار نہیں پا سکتے جسکے خون طاہر نے اسلام کو مضبوط اور عالم گیر بنایا ہو اس لئے ائمہ طاہرینؑ کے قبور کی تعظیم واجب ہے اور ان کی زیارتوں کیلئے جانا عبادت ہے اور منہدم ہو جانے کے بعد اس کی تعمیر کرانا بھی ضروری ہے تاکہ زائر حرم کے زیر سایہ عبادت کر سکے جس طرح خانہ خدا کے طواف کی تاکید کا حکم صرف اس لئے ہے تاکہ وہ ویران نہ ہونے پائے،

اہلبیت عترت وطہارت جن گھروں میں ہوتے ہیں ان کی طرف قرآن اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے،

وہ قندیل ان گھروں میں روشن ہے جس کے لئے خدا نے حکم دیا ہے کہ
ان کی تعظیم کی جائے اور اس میں اس کا ذکر کیا جائے ۲؎

بیت اس گھر کو کہتے ہیں جس پر چھت ہو اسی لئے خانہ کعبہ کو بیت سے تعبیر کیا ہے ۳؎

لفظ "بیت" نہ چار مسجدوں پر بولا جاتا ہے اور نہ عام مسجدوں کے لئے استعمال ہوا ہے چونکہ قرآن کریم نے جس جگہ پر مسجد استعمال کیا ہے اس سے بیت مراد نہیں لیا ہے،

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى. ۴؎
عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ۵؎
وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِداً ۶؎
لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِداً ۷؎
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۸؎
وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۹؎،

۱؎ سورہ حج آیت ۳۶، ۴؎ توبہ ۱۰۸، ۷؎ کہف ۲۱،
۲؎ 〃 نور 〃 ۳۶، ۵؎ اعراف ۲۹، ۸؎ بقرہ ۲۱،
۳؎ 〃 مائدہ 〃 ۹۷، الکعبہ البیت الحرام، ۶؎ توبہ ۱۰۷، ۹؎ بقرہ ۱۹۱،

روز آغاز سے مسجدوں پر چھتیں نہیں ہوا کرتی تھیں بلکہ بعد میں مومنین کو سردیوں اور گرمیوں سے بچانے کے لئے بنائی گئیں اس لئے بیت کا استعمال مسجدوں پر صحیح نہیں ہے چونکہ بیت چھت والی عمارتوں پر بولا جاتا ہے اسی رعایت کیوجہ سے بدؤوں کے ریشمی خیموں پر بھی بیت کا اطلاق ہوتا ہے،

بہر حال جس گھر کی رفعت و تکریم کا آیۃ کریمہ نے تذکرہ کیا ہے اس سے مراد مسجدیں نہیں ہیں اور نہ خانہ کعبہ مراد، چونکہ آیۃ مبارکہ میں "بیوت" جمع کے ساتھ آیا ہے، اس لئے طے شدہ ہے کہ اس سے مراد وہ گھر ہیں جس میں خدا کا ذکر ہوتا ہے اور لوگوں کو اس گھر سے خدا کی طرف دعوت دی جاتی ہے خواہ یہ دعوت خود اس میں رہنے والوں کی زبانوں سے ہو یا راہ خدا میں جو جہاد ذریعہ

اگر ہم دنیا اس صفت کے گھر کو تلاش کریں جو آیت کا مصداق بن سکے تو خانہ مرسل اعظمؐ اور اہلبیت اطہارؑ دکھائی نہیں دیتا کیونکہ یہی حضرات ہیں جنہوں نے کلمہ توحید کے فروغ کے لئے بھرپور کوشش کی اور نہال اسلام کی حیات و بقاء کے لئے اپنی جان تک سے دریغ نہیں کیا شجر اسلام کو اپنے خون طاہر سے سینچا، مزید براں حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام جس جگہ اور جس گھر میں رہے وہ آپ کی عبادتوں قرآن کی تلاوتوں اور دعا و مناجات سے معمور رہا آپ حضرات کی سیرہ طیبہ لوگوں کے لئے اسوہ رہی،

یہ بات قرین عقل نہیں ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کے گھر صرف ان کی حیات طیبہ تک آیۃ قرآنیہ کے مصداق ہیں بلکہ ان کے حرم بھی ان کے گھروں کے حکم میں ہیں چونکہ قرآن کریم شہداء کو زندہ جاوید مانتا ہے اور اگر شہداء زندہ ہیں اور خدا کی نعمتوں سے بہرہ مند ہیں تو "سید الشہداءؑ" کے مراتب کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے ان کی حیات و ممات کا کوئی فرق نہیں پڑتا یہ حضرات خدا کے حضور میں زندہ ہیں اور امت کے اعمال کے شاہد ہیں،

دوسرا سوال یہ ہے کہ آیۃ کریمہ میں "رفعت" سے مراد تجدید تعمیر ہے یا مطلق

تعظیم ؟ وَإِذْ يَرْفَعُ إبراهيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ: کی رو سے تو تجدید تعمیر ہی کا پہلو سامنے آتا ہے کیونکہ جب عمارت تعمیر ہو جائے گی تو عبادت و زیارت جیسے تنظیمی پہلو آسانی سے انجام پاتے رہیں گے،

عتبات عالیات خداوند کریم کی تسبیح و تقدیس کا محل و مرکز ہیں اور جس طرح شب تاریک میں روشنی گم کردہ راہ کو منزل تک پہنچا دیتی ہے اسی طرح ان حرموں میں ذکر خدا بھی گم گشتہ کے لئے نشان منزل بن جاتا ہے،

قرآن کریم میں دوسری آیت بھی موجود ہے جو قبور صالحین پر حرم و مسجد کی تعمیر کو جائز قرار دیتی ہے، اصحاب کہف کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ جس وقت بادشاہ بیدردس کو اصحاب کہف کا پتہ چلا تو اس نے غار کے دہانے پر مسجد تعمیر کرانے کا حکم دیا تاکہ لوگ اصحاب کہف سے توسل کرتے ہوئے خدا کی عبادت میں مشغول رہیں،

اگرچہ قرآن کی یہ داستان گذشتہ امتوں سے متعلق ہے لیکن ہماری شریعت نے اسکی تردید نہیں کی ہے، استصحاب جاری کرتے ہوئے آج بھی اس حکم کو مانا جا سکتا ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ گذشتہ شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں لہذا مسجد کا حکم بھی اس شریعت میں تسلیم نہیں کیا جائے گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام گذشتہ شریعتوں کو یک لخت منسوخ نہیں کرتا ہے بلکہ کچھ چیزوں کی تائید کر کے خود اسلام کی سنت قرار دیا ہے مثلاً سنت ابراہیمؑ کی دس چیزیں اسلام نے تسلیم کی ہیں،

جس طرح خدا نے اصحاب کہف کی خوابگاہوں پر تعمیر مسجد کو جائز قرار دیا ہے تاکہ وہاں اس کا ذکر ہوتا رہے اسی طرح اس حکم کو وارثان حضرت ختمی مرتبت ص کی ابدی آرامگاہوں کے لئے بھی جائز قرار دیا ہے حضرات ائمہ طاہرینؑ اصحاب کہف تو اصحاب کہف انبیاء سے بہتر ہیں،

سنت پیغمبر اسلام ص بھی نشان قبور کو باقی رکھنے کا پتہ دیتی ہے جس وقت عثمان بن مظعون کو دفن کیا گیا آنحضرت ص نے لوح قبر نصب کرائی تاکہ شناخت رہے اور جب کوئی دوسرا اس خاندان کا فوت ہو تو اس کو بھی اسی جگہ دفن کیا جا سکے،

اس علامتِ قبر کو مروان بن حکم ملعون نے وہاں سے ہٹوا کر قبر عثمان غنی پر نصب کرا دیا تھا جس پر بنی امیہ نے اس سے باز پرس کی لیکن اس نے کوئی پرواہ نہ کی[1]

اگر پتھروں کے ذریعہ قبروں کے نشان کو باقی رکھا جا سکتا ہے تو عمارتوں کے ذریعہ اولیائے خدا کی قبروں کو باقی رکھنے میں بدرجہ اولی کوئی قباحت نہیں ہے،

حضرت پیغمبر اسلامؐ نے عثمان بن مظعون کے علاوہ کسی دوسرے مسلمان کی قبر کے لئے اس طرح کی علامت معین نہیں فرمائی جو اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی صاحب فضل و شرف و علم و تقویٰ ہو تو اس کی قبر کے نشان کو باقی رکھا جا سکتا ہے لہٰذا اس صورت میں حضرات انبیائے کرام اور اولیائے الٰہی کی قبروں کو ان کی ذاتی جلالت و عظمت کے پیش نظر اوروں سے بہر حال نمایاں کیا جا سکتا ہے،

خود صدیقۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا نے بھی جس وقت قبر حضرت حمزہؑ کی زیارت فرمائی تو پتھروں کے ذریعہ آپ کی قبر کے نشان کو باقی رکھا اور قبر کی مرمّت کرائی،

حضرت مرسل اعظمؐ کی حیات طیبہ میں جناب صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کا عمل خود سنت و حجت ہے چونکہ آپ پروردۂ آغوش وحی و رسالت ہیں،

زمانہ کے اعتبار سے قبر کی تجدید و تعمیر کا انداز بھی بدلتا رہتا ہے کبھی قبر کے آثار کی حفاظت فقط پتھروں کے نصب کرنے سے ہوتی ہے اور کبھی اس پر حرم و قبہ کے تعمیر کرانے سے،

اسی لئے آنحضرتؐ کو جس حجرہ میں دفن کیا گیا ہے اس پر کھجور کی شہتیریں پڑی ہوئی تھیں سب سے پہلے عمر بن خطاب نے اس کو اینٹوں سے تعمیر کرایا پھر عبد اللہ بن زبیر نے دیوار حرم رسول کو پختہ اور بلند کرایا ۱۳۵ھ میں ہارون نے اپنے گورنر ابو البختری کو حکم دیا کہ مرقد مطہر کی چھت تعمیر کرائے،

۲۴۲ھ میں متوکل نے مدینہ و مکہ پر معین اپنے گورنر کو حکم دیا کہ حرم آنحضرتؐ

---

[1] وفاء الوفاء، سمہودی، ج ۲ ص ۸۵،

کو سنگ مرمر سے مستحکم تعمیر کیا جائے ،

اوراق بغدادیہ میں تحریر ہے کہ جس وقت مسلمانوں نے شام و فلسطین کو فتح کیا اور قبور انبیاء علیہم السلام پر عمارتیں دیکھیں تو ان کے انہدام سے فوج کو روک دیا ان میں سب سے زیادہ مشہور مقبرہ حضرت خلیل الرحمان کا تھا ،

انہدام نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ عمر بن خطاب اور اصحاب جو اس وقت وہاں موجود تھے ان کے نزدیک قبور پر عمارتوں کی موجودگی ناجائز نہ تھی

محمد بن حنفیہ کا بیان ہے کہ آنحضرت ص نے فاطمہ بنت اسد کو مسجد میں دفن کیا جو انہیں کے نام سے موسوم ہے ،

سمہودی نے بھی یہی لکھا ہے کہ مسجد کی وجہ سے جناب فاطمہ بنت اسد کی قبر پہچانی جاتی تھی ، اسی طرح قبر حمزہ پر بھی مسجد تھی [۱]

عباس بن عبدالمطلب کی قبر پر بھی حرم تھا جس میں حضرت امام حسن ع حضرت امام زین العابدین ع حضرت امام محمد باقر ع اور حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام دفن ہیں [۲] پہلی اور دوسری صدی میں قبر عباس بن عبدالمطلب پر قبہ تھا ،

خطیب بغدادی حالات حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام میں لکھتا ہے کہ آپ کو قریش کے قبرستان کے قبہ سے باہر دفن کیا گیا جہاں آپ کی قبر مشہور اور زیارتگاہ بنی ہوئی ہے ، خطیب بغدادی کے بیان سے یہ پتہ چلا کہ قریش کے قبرستان پر بھی قبہ موجود تھا

ان شواہد سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کے نزدیک قبروں پر قبے بنائے جاتے تھے اور اس زمانہ کے علمائے اسلام جو احادیث پیغمبر اسلام ص سے خبر رکھتے تھے انہوں نے ان قبوں پر اعتراض بھی نہیں کیے ، ان ہی سب وجوہات سے خلفاء نے اپنے بزرگوں کی قبروں پر قبوں کی تعمیر سے نہیں روکا ، خود ہارون رشید نے امیر المومنین علیہ السلام کے

۱۔ تاریخ مدینہ ص ۱۰۵ - ۸۸ ، ج ۲ ،

۲۔ تاریخ خلکان ذیل حالات امام زین العابدین ع و جعفر صادق ع ، صواعقہ محرقہ ص ۱۲۰ ،

حرم کی تعمیر کرائی اور اس کے بیٹے مامون نے اپنے باپ کی قبر پر بھی مقبرہ بنوایا درآنحالیکہ اس کے دربار میں شافعی، ابن حنبل اور سفیان بن عینیہ اور دوسرے علماء موجود تھے، اور کسی نے اس عمل پر نکتہ چینی نہیں کی،

جس وقت ۲۵۶ھ میں معتز بادشاہ کا انتقال ہوا ہے تو پہلے اس کو اسی کے گھر میں دفن کیا گیا اس کے بعد جب مقبرہ قریش میں اس کی آرامگاہ تیار ہوگئی تو منتقل کر دیا اسی طرح ۳۹۳ھ میں ابن وکیع شاعر کو اس مقبرۂ عالیشان میں دفن کیا جو اس کے لئے آمادہ کیا گیا تھا،

ان شواہد کے بعد اس دعوے کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی جس میں یہ کہا جاتا ہے کہ قبروں پر قبّوں اور بارگاہوں کی ایجاد پانچویں صدی کی بدعت ہے،

بہر حال گذشتہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ قبروں پر عمارتوں قبّوں اور آرامگاہوں کا تعمیر کرنا ایک اسلامی عمل ہے جو شریعت کی نظر میں ممدوح ومقبول ہے اس عمل میں خدا کے اولیاء، صلحاء، اور شہداء کیلئے اور زیادہ رجحان پایا جاتا ہے چونکہ زائر ان جگہوں پر عبادت خدا کرتا ہے جو خالق کو محبوب ہے،

لہٰذا اسلام کے احکام سے باخبر علمائے اعلام نے ایک زبان ہو کر یہ تاکید کی ہے کہ صاحب قبر کی تجلیل وتوقیر کی خاطر اچھے پردوں، فرش کا استعمال بھی ان حرموں میں ضروری ہے کیونکہ یہ شعائر الٰہی میں ہے اور اس کی تعظیم خدا کی خوشنودی کا سبب ہے،

حرم وگنبد وایوان وغیرہ ہمارے بعض ائمہ طاہرین علیہم السلام کے زمانے میں وجود رکھتے تھے لہٰذا جب کسی زائر نے اداب زیارت دریافت فرماتے تو خود امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ جب وارد ہونا تو در حرم پر کھڑے ہونا اگر در نہ ہوتا تو امام علیہ السلام کی حدیثوں میں در، گنبد، رواق، وغیرہ کا ذکر کیونکر آتا، یہ ساری چیزیں عمارت کے وجود کا پتہ دیتی ہیں،

حضرات ائمہ طاہرین ع فرماتے ہیں کہ آنحضرت ص نے حضرت امیرالمومنین ع سے ارشاد فرمایا تھا:

خدا نے اپنے مخصوص بندوں کے دلوں کو تمہارا مشتاق قرار دیا ہے وہ تمہاری محبت میں اذیتیں اور ذلتیں برداشت کرتے ہیں خدا سے تقرب اور نبی کی محبت کی وجہ سے تمہاری قبروں کی زیارت کو آتے ہیں یہی وہ افراد ہیں جنکی شفاعتیں ہوں گی اور حوض کوثر پر وارد ہوں گے، اور روز قیامت بہشت میں ہماری زیارت سے مشرف ہوں گے،

اے علیؑ جس نے تم اہلبیتؑ کی زیارت کی اور قبور کو آباد رکھا اس کی حفاظت کی گویا اس نے بیت المقدس کی تعمیر کے وقت حضرت سلیمان کو مدد پہنچائی،

کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو تمہارے زوّار کو زن زانیہ سے زیادہ پست و ذلیل قرار دیں گے یہ لوگ ہماری امت کے بدترین افراد ہوں گے جنہیں ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی ۱؎

حرم آئمہ طاہرین علیہم السلام کی دیواروں وغیرہ کی صفائی و آرائش اور پختہ کاری میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے مرحوم صاحب جواہر نے تو فرمایا ہے کہ قبور ائمہؑ و صلحاء پر عمارتوں کی تعمیر نہ صرف ضروریات مذہب میں ہے بلکہ ضروریات دین میں داخل ہے اور جو حدیثیں قبروں کی پختہ کاری کو ناجائز قرار دیتی ہیں وہ حدیث جواز قبّہ سے معارض ہیں چونکہ حدیث جواز قبّہ باعتبار سند و دلالت قوی تر ہے،

صفوان کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے اپنے جد حضرت امیرالمومنینؑ کی زیارت فرمائی اور فضیلت زیارت کا تذکرہ فرمایا اور کچھ رقم مجھے دی کہ حضرت کی قبر کی مرمت کرا دوں،

۱؎ فرحۃ الغری ص ۱۴۱، ۱۴۲،

یونس بن یعقوب کہتے ہیں:

امام موسیٰ کاظم ع جب بغداد سے واپس ہوئے تو قید میں آپ کی بچی کا انتقال ہو چکا تھا حضرت نے اسی جگہ آپ کو دفن کر دیا اور اپنے ایک قریبی شخص کو حکم دیا کہ قبر کو پختہ کرا کر پتھر نصب کرا دو جس پر بچی کا نام کندہ ہو۔[1]

والدہ ماجدہ حضرت بقیۃ اللہ الاعظم ع نے امام حسن عسکری علیہ السلام کی حیات طیبہ میں دنیا سے رحلت فرمائی اور اسی گھر میں دفن ہوئیں حضرت امام حسن عسکری ع نے لوح قبر پر کندہ کرایا،

یہ قبر مادر محمد "عج" کی ہے[2]

یہ انداز صرف خاندان رسالت و امامت کیلئے مخصوص نہیں ہے بلکہ افراد صالح شہداء اور انبیاء کے لئے بھی رجحان رکھتا ہے اور جو حدیثیں جواز قبہ کی نفی کرتی ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ان قبروں کو دیوار کے نیچے قرار دینا درست نہیں ہے چونکہ صاحب قبر کی عظمت وعزت کے منافی ہے، لہٰذا موجودہ انداز کے حرم و گنبد و قبے وغیرہ شرعی نقطہ نظر سے اشکال نہیں رکھتے فقہائے نامدار شیعہ نے اس کے جواز کا حکم دیا ہے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں،

- سید عبدالکریم ابن طاؤس،
- شہید اوّل، کتاب ذکری و دروس میں،
- محقق کرکی، جامع المقاصد میں،
- شہید ثانی، روض الجنان میں،
- مقدس اردبیلی، شرح ارشاد میں،

---

1. کافی، تہذیب، استبصار،
2. کمال الدین،

- سبزواری "ذخیرہ" میں، متوفی ۱۰۹۰ھ
- شیخ حرّ عاملی "وسائل الشیعہ میں" وفات ۱۱۰۴ھ
- علامہ مجلسی "بحار و مرآۃ العقول میں" وفات ۱۱۱۰ھ
- سید جواد عاملی "مفتاح الکرامہ میں" وفات ۱۲۲۶ھ
- کاشف الغطاء "نہج الرشاد" میں ص ۱۷، وفات ۱۲۲۸ھ
- سیّد علی "ریاض" میں وفات ۱۲۳۱ھ
- میرزای قمیؒ "غنائم" میں وفات ۱۲۳۱ھ
- نراقی "مستند" میں وفات ۱۲۴۴ھ
- کرباسی "منہاج الھدایہ" میں وفات ۱۲۶۲ھ
- صاحب "جواہر" نے اپنے نفیس مجموعہ میں، وفات ۱۲۶۶ھ
- علامہ نوری "مستدرک وسائل الشیعہ" میں وفات ۱۳۲۰ھ

حرم قمر بنی ہاشمؑ

گذشتہ سطروں کے بعد تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عباسؑ بلاشبہ ان عظیم المرتبت شخصیتوں میں ہیں جن کے حرم کو بلند کیا جائے تاکہ اس میں خدا کا ذکر ہو سکے، حضرت ابوالفضل العباسؑ نے امام حسینؑ کے نظریات واغراض کو استمرار بخشا، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے نام کو زندہ جاوید بنا دیا آپ کے حرم کی ضرورت اس لئے بھی ہے تاکہ آپ کو دوسرے شہیدوں پر امتیاز و حاصل ہو سکے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی زیارت میں جس منزلت کا تذکرہ کیا ہے اس کی روشنی میں بھی آپ کا حرم علیحدہ تعمیر ہونا چاہئیے آپ کی عظمت تک نہ کوئی نبی پہنچ سکا ہے اور نہ کوئی شہید،

حضرت باری تعالیٰ نے حرم مطہر حضرت ابوالفضلؑ کی تعمیر کیلئے کچھ افراد کو منتخب

کیا اس انتخاب کے لئے کوئی قید وشرط نہیں رکھی اس کار خیر میں امراء بھی شریک رہے اور سلاطین ومومنین بھی، لہٰذا ہر دور وزمانہ میں مخیّر "خیرّ" افراد نے اس خیر جاریہ میں حصّہ لیا اور حرم قمر بنی ہاشمؑ کو بہتر سے بہتر تعمیر کرایا، اس کے گنبد تعمیر کرائے آسمان کی بلندیاں جس کی رفعتوں کو نہیں چھو سکیں،

شاہ طہماسپ نے ۱۰۳۲ھ میں گنبد مطہر کی کاشیکاری کرائی صندوق قبر پر ضریح مبارک رکھی، صحن وایوان تعمیر کرائے، پہلے دروازے کے سامنے مہمان سرا تعمیر کرایا اور ہاتھ کے بنے ہوئے قالینوں سے فرش کو مزین کیا،

۱۱۵۵ھ میں نادر شاہ نے گران قیمت ہدیے حرم مطہر کیلئے ارسال کئے اور حرم کی آئینہ کاری کرائی،

۱۱۵۷ھ میں نادر شاہ کا وزیر مشرف ہوا تو اس نے صندوق قبر کو تبدیل کرایا اور ایوان تعمیر کرائے، روشنی کے لئے شمع آویزی کرائی، جس سے حرم بقعۂ نور ہوگیا

۱۲۱۶ھ میں جب وہابیوں نے کربلائے معلی کو لوٹا تو حرم امام حسین علیہ السلام اور حرم حضرت عباسؑ میں جو کچھ تھا اس کو بھی لے گئے، حرم کی تعمیر جدید کے لئے فتح علیشاہ نے کمر ہمت کسی سونے کے ٹکڑوں سے حرم امام حسینؑ کے گنبد مبارک کو مزین کیا اور حضرت عباسؑ کے حرم کو کاشی ومینہ کاری سے آراستہ کرایا، قبلہ کی طرف ایوان بنوائے اور نہایت نفیس لکڑی سے تعویذ قبر امام حسینؑ بنوائی، اور چاندی کی ضریح نصب کی،

مجتہد اعظم شیخ مازندرانی کے حکم سے مرحوم حاج شکر اللہ نے اپنی ساری ثروت خرچ کر کے حضرت عباسؑ کے حرم میں طلاکاری کرائی اور سونے کی تختی پر سونے کے حروف میں مغربی ایوان پر اپنا نام "شکر اللہ" کتبہ کرایا جو آج تک موجود ہے یہ واقعہ ۱۳۰۹ھ کا ہے[1]

---

[1] طاقۃ الریحان،

روسیاہ

نصیر الدولہ نے منارۂ ابو الفضل علیہ السلام پر طلا کاری کرائی لیکن جو معمار اس کام پر مامور تھا اس نے سونے میں آمیزش کردی جب یہ خبر فاش ہوئی تو اس کو بغداد سے کربلا لائے اور جب حرم میں داخل ہوا صحن حرم سے ہی بے چین ہونے لگا اور چہرہ سیاہ ہوگیا دوسرے دن دنیا سے چلا گیا،

محمد شاہ ہندی

حاکم لکھنؤ نے پہلے دروازہ کے سامنے والے ایوان طلا کو درست کرایا، اور سلطان عبد الحمید کے حکم سے رواق بہترین لکڑی کی چھت کے ساتھ بنوایا گیا، اور محمد صادق اصفہانی وشیرازی الاصل نے دوبارہ گنبد کی کاشی کاری ومنیا کاری کی، اور اطراف حرم کے گھروں کو خرید کر صحن میں وسعت دی اور اس کی بھی کاشی کاری کرائی موجودہ صحن اسی وقت کا ہے، زیادہ تر وسعت مغربی طرف تھی خود مرحوم صادق اصفہانی قبلہ کی طرف والے دروازے کے پہلو میں دفن ہیں وہ در آج بھی انہیں کے نام سے موسوم ہے،

ایوان طلا کے مقابلے میں چاندی کا در ہے وہ خود حرم مطہر کے خادم مرحوم سید مرتضیٰ نے ۱۳۵۵ھ میں بنوایا تھا،

اسی ایوان طلا میں استاد سخن شیخ محمد علی یعقوبی کا قصیدہ کندہ ہے،

خدمت گذاری حرم مطہر

حرم کی حفاظت اور اس کے شایان شان انتظام کو سدانت وخدمت گذاری کہتے ہیں، زمانہ قدیم سے عبادت گاہوں کیلئے خدام معین کئے جاتے تھے، اسلام سے پہلے بھی عرب خانہ کعبہ اور اس جیسی عبادت گاہوں کی تعظیم وتکریم کرتے تھے اور اس کے لئے خادم و حاجب معین کرتے تھے،

خانہ کعبہ کی فضیلت وشرف کو مدنظر رکھتے ہوئے عرب اس کا طواف کرتے ہدیہ روانہ کرتے اور قربانیاں کرتے،

جس گھر میں بھی عبادت خدا ہوگی اور لوگ اس کی زیارت کے لئے آرہے ہوں گے اس کے لئے خادم کی ضرورت بہر حال ہے تاکہ اس محترم مکان کی حفاظت ہو سکے،

ایسے مقامات کے لئے خدّام و محافظ کا ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ تاکہ قیمتی ہدئے و تحفے ضائع نہ ہوسکیں اسی لئے اس قسم کی جگہوں پر خدّام کا تقرر برابر عمل میں آتا رہتا ہے لیکن محل ومکان کی عظمت کے پیش نظر ہر کس وناکس کو اس کی تولیت وذمہ داری نہیں سونپی جاتی تاکہ نا اہلی کی وجہ سے حرم کی توہین نہ ہوسکے،

اس عظیم فریضہ کی ادائگی کیلئے قوم کے شریف وکریم افراد منتخب کئے جاتے ہیں انہیں وجوہات سے حرم قمر بنی ہاشم کی خدمت گذاری شریف ومحترم نسل میں مدتوں سے چلی آرہی ہے،

یہ سعادت وشرف سید مصطفےٰ مرحوم کے بعد ان کے فرزند صالح سید مرتضیٰ تک پہنچی جن کے فضائل ومحامد کی کوئی حد نہیں ہے،

مرحوم سید مرتضیٰ نے حرم کی زینت وزیبائی ورونق کیلئے بہت زیادہ جدو جہد فرمائی اور اپنی سعادت وشرافت کا حق ادا کردیا،

سید مرتضیٰ مرحوم کے بعد حفاظت و خدمت حرم آپ کے فرزند نیک و سعید سید محمد حسن تک پہنچی اور اس کتاب کی تالیف تک وہ اپنی بھرپور کوشش کیساتھ خدمت حرم کرتے جارہے ہیں،

قبور علماء

پروردگار عالم کے نزدیک حضرت عباس علمدار کی جو عظمت ومنزلت ہے اس کے پیش نظر علمائے اعلام نے قمر بنی ہاشم کو مستضعفین کا حامی، بے سہارا کا سہارا اور بے یار و مددگار کا ناصر پایا لہٰذا اس دار فانی سے کوچ کرنے کے بعد حضرت ابوالفضلؑ کے حرم کو اپنی ابدی خوابگاہ قرار دی ان میں نمایاں فرد یہ ہیں،

(۱) حاج سید محمد، ۱۳۵۵ھ، آپ کا انتقال زنجان میں ہوا اور وصیت کے مطابق جنازہ کو کربلا منتقل کیا گیا،

(۲) شیخ علی حائری صاحب الزام الناصب، صحن حرم میں دفن ہیں،

(۳) شیخ علی یزدی شاگرد بزرگ اردکانی حرم کے مقابل والے حجرہ میں دفن ہیں،

(۴) سید کاظم بہبہانی شاگرد مرحوم آیۃ اللہ ہاشم قزوینی رواق میں دفن ہیں،

(۵) علامہ سید عبدالکریم کشمیری شاگرد اردکانی جنوب شرقی سمت کے چوتھے کمرے میں دفن ہیں،

(۶) شیخ ملا عباس مشہور بہ سیبویہ، اور ان کے بھائی ملا علی معروف بہ اخفش در صاحب الزمانؑ کے پہلو والے حجرہ میں دفن ہیں یہ دونوں بھائی مستند استاد تھے،

(۷) شمالی شرقی حجروں کے آخر میں صاحب فضل و کمال شخصیت مرحوم شیخ کاظم الہر مدفون ہیں، شیخ مرحوم، شاگرد شیخ صادق بن علامہ شیخ خلف عسکر تھے،

لہ الحمد والشکر،

السید حسین مہدی حسینی، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ، ایچ شب قم مکرمہ،

ہر صاحب قلم نے اپنی معلومات کے دائرہ میں رہکر حضرت قمر بنی ہاشمؑ کے حالات پر کتاب لکھی ان کتابوں میں سہل الحصول کتابیں یہ ہیں،

① اعلام الناس فی فضائل العباسؑ،
تالیف، سید سعید بن سید ابراہیم بہبہانی متوفی ۱۳۵۵ھ،
زبان عربی،
صفحات ۴۰۰،

② البطل العلقمی،
تالیف، شیخ عبدالواحد مظفر،
۳ جلد، ہر جلد تقریبا ۴۰۰/ سو صفحات پر مشتمل ہے،

③ پرچمدار کربلا
تالیف محمد شکر،
صفحات ۲۰۸/ سال طبع ۱۳۴۸ھ شمسی، تہران،

(۴) تاریخ زندگانی قمر بنی ہاشمؑ
تالیف: حسین عماد زادہ،
صفحات ۲۰۰، سال اشاعت ۱۳۳۳ھ شمسی، پہلا ایڈیشن،

(۵) حضرت ابوالفضلؑ
تالیف عطائیؒ خراسانی
صفحہ ۱۸۴،
سال طبع ۱۳۵۹ھ مشہد مقدس،

(۶) الخصائص العباسیہ
تالیف، شیخ محمد ابراہیم کلباسی، متوفی ۱۳۶۳ھ،

(۷) زندگانی پرچمدار کربلا
تالیف حسن مظفری معارف،
صفحہ ۲۲۴ / طبع مشہد مقدس،

(۸) زندگانی حضرت ابوالفضلؑ پرچمدار و شمع فروزان کربلا
تالیف بدر الدین نصیری،
صفحہ ۱۵۵ / سال اشاعت ۱۳۵۱ شمسی،

(۹) شخصیت حضرت ابوالفضلؑ
تالیف، عطائیؒ خراسانی، طبع مشہد مقدس ۱۳۴۹ھ، صفحات ۲۷۲،

(۱۰) طاقہ ریحان

تالیف عبدالکریم مقدس ارموی ، متوفی ۱۳۵۸ھ ،

(۱۱) العباسؑ

زیرِ نظر کتاب ،

(۱۲) العباسؑ

تالیف سید جواد کلید دار ، غیر مطبوع ،

(۱۳) قمر بنی ہاشمؑ

مرحوم مقرّم کا منبع و ماخذ ہے لیکن پتہ نہیں شائع ہوئی یا نہیں ،

(۱۴) قمر بنی ہاشمؑ

تالیف سید عبدالحسین رضائی ، طبع مشہد مقدس ۱۳۵۱ شمسی ،

(۱۵) مقتل العباسؑ

سید مہدی طباطبائی یزدی متوفی ۱۳۴۶ھ

چار جلد ، چوتھی جلد بڑی اہم ہے ،

زبان ، فارسی ۱۳۰۷ھ میں تحریر ہوئی ، [۱]

---

[۱] الذریعہ ، ج ۲۲ ص ۲۰۳ ،

(۱۶) مقتل ومصرع العباسؑ
تالیف، شیخ حسین بن علی قدیحی بحرانی متوفی ۱۳۸۷ھ،
عربی، ۱۳۶۱ھ میں تحریر ہوئی اور چار بار نجف اشرف میں شائع ہوئی[۱]

(۱۷) النص الجلی فی مولد العباس بن علیؑ
تالیف، محمد علی ناصری، خطیب بحرین،
طبع تہران ۱۳۶۴ھ شمسی، صفحات ۸۸،

(۱۸) وفات العباسؑ
تالیف شیخ حسین قدیحی بحرانی متوفی ۱۳۸۷ھ،

اردو میں بھی اس موضوع پر کام ہوا ہے لیکن سردست صرف حسب ذیل کتابوں کا تذکرہ قم میں دستیاب ہو سکا ہے،

ذکر العباسؑ
مولانا سید نجم الحسن کراروی واعظ،

قمر بنی ہاشمؑ
علامہ سید ذیشان حیدر جوادی،

---

[۱] نقباء البشر ج ۲ ص ۶۱۰،

قمر بنی ہاشمؑ
مرحوم غلام علی بھاونگری متوفی ۱۳۶۷ھ، تقریباً ۱۲۰ دوسری کتابیں گجراتی میں بھی تالیف کی ہیں [۱]

مؤلف کے حالات

نام سید عبدالرزاق مقرم موسوی،

مقرم خاندان نجف اشرف، نعمانیہ، دیوانیہ، اور بعض ہندوستان کے علاقہ میں بہت عظمت وعزت واحترام سے دیکھا جاتا ہے،

مقرم کے معنی، پیشوا کے ہیں، اس کا مادہ "قرم" ہے جسکے معنی دوراندیش کے ہیں، اسی معنی میں خود حضرت امیرالمومنینؑ نے اپنا تعارف کرایا ہے، انا ابوالحسن القرم [۲] ابن اثیر نے بھی اسی معنی کی تائید کی ہے، خوش نصیب ہیں اس کتاب کے مؤلف مرحوم مقرم جنہوں نے العباسؑ جیسی فکری کتاب لکھ کر حقیقی معنی میں "مقرم" کا مصداق قرار پائے،

ولادت ۱۳۱۶ھ میں خاندان علم وفضل اور باب مدینۃ العلم میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ کے والد مرحوم سید محمد مرد زاہد وعابد تھے عمر کے بیشتر اوقات مسجد سہلہ ومسجد کوفہ میں گذارے ہیں فقر وتنگدستی حد سے زیادہ تھی لیکن اس کے باوجود اپنے نور نظر کی تعلیم وتربیت میں شمہ برابر کوتاہی نہیں کی اس اہتمام کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا نور نظر محققین علماء کے زمرہ میں قرار پایا،

---

۱ الذریعہ ج ۱۶، ص ۸۴، وج ۱۷، ص ۱۷۰، نقباء البشر ج ۴ ص ۱۶۵۹،

۲ لسان العرب ج ۱۲ ص ۴۷۳،

مرحوم مقرم کی والدہ ماجدہ مومنہ وعلویہ اور قاری قرآن تھیں، اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت میں آپ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا ۱۳۷۰ھ میں رحلت فرمائی،

مرحوم مقرم کی تعلیم وتربیت میں مرحوم سید حسین امام جماعت واستاد حوزہ علمیہ نجف اشرف کا بھی نمایاں کردار رہا،

مرحوم مقرم کے چچا مرد جہاد وفضیلت مرحوم سید مہدی مقرم نے عثمانی حکومت کے ظلم واستبداد کے خلاف آواز بلند کی جس کے نتیجہ میں ۱۳۳۴ھ کو شہر کوت میں پھانسی دی گئی،

خاندان مرحوم مقرم بارہویں ہجری سے نجف اشرف میں مقیم ہے آپ کے خاندان کی علمی شخصیتیں مثلاً مرحوم سید قاسم نسابہ اپنے آبائی وطن "حسکہ" سے نجف منتقل ہوئے اور عظیم الشان نساب تھے،

مرحوم سید قاسم نے فتونی کی "الانساب" اور ابن عنبہ کی عمدۃ الطالب پر حاشیہ بھی لگایا،

اساتذہ

آپ نے نجف اشرف کے آراستہ علمی ماحول سے خوب خوب استفادہ کیا وہ اساتید جن سے آپ نے غذائے علم لی تھی ان کے اسماء یہ ہیں،

① مرحوم سید حسن متوفی ۱۳۳۴ھ
② شیخ جواد بلاغی متوفی ۱۳۵۲،
③ مرزا محمد حسین نائینی متوفی ۱۳۵۵،
④ فقیہ بزرگ شیخ محمد حسین اصفہانی ۱۳۶۱،
⑤ مجتہد عظیم آغا ضیا عراقی، ۱۳۶۱،
⑥ زعیم حوزہ سید ابوالحسن اصفہانی ۱۳۶۵،

(۷) علامہ گرانقدر شیخ محمد رضا آل کاشف الغطاء،

(۸) مرجع فقیہ سید محسن حکیم، ۱۳۹۰ھ،

(۹) علامہ شیخ حسین حلیؒ ۱۳۹۴ھ

(۱۰) مرجع محقق سید ابو القاسم خوئیؒ متوفی ۱۴۱۳ھ،

علمی مرتبہ

مرحوم مقرم نے کچھ اسباب کی وجہ سے حریم اہلبیتؑ کے دفاع کی خاطر اپنی ساری عمر تحقیق میں گذار دی لیکن اس کے باوجود فقہ و اصول میں بھی ید طولیٰ رکھتے، تھے اسی لئے اس طرف بھی وقتاً فوقتاً کام کرتے رہتے، آپ کے حواشی حسب ذیل کتابوں پر موجود ہیں،

(۱) المحاضرات فی الفقہ جعفری، مرحوم شاہرودی،

(۲) الدراسات مرحوم شاہرودی،

(۳) کفایۃ الاصول اخوند،

(۴) مکاسب شیخ

مجلہ العدل[۱] میں آپ کے لئے تحریر ہے،

عالم بزرگوار سید عبدالرزاق مقرم صرف فقہ و اصول کے بحر بیکراں نہیں تھے بلکہ حدیث ادب اور فلسفہ میں محققین کیلئے کعبہ آمال تھے مرحوم مقرم فکر بلند اور علم وافر رکھتے تھے وہ اپنی پوری زندگی میں نہایت صاف گو رہے، ...،

ان کی کسی ایک کتاب کے مطالعہ سے ان کی پاکیزہ فکر اور وسیع مطالعہ کا پتہ چلتا ہے،

[۱] شمارہ ۱۷، ۱۴ر شعبان ۱۳۹۱ھ،

وہ اپنی اس وسیع النظری اور طبیعت محققانہ کے باوجود متواضع وخاکسار رہے،

آثار علمی

مرحوم مقرم نے سب سے پہلے مرحوم شیخ حسن سبتی کی کتاب الکلم الطیب کی شرح کی، اس کی تکمیل کے بعد زید شہید تصنیف فرمائی،

الکلم الطیّب میں ایک قصیدہ بائیہ ہے جس کا نام انفع الزاد فی النبیؐ وآلہ الامجاد ہے تقریباً ڈیڑھ ہزار بیت ہیں ١٣٢٧ھ میں مرحوم سبتی نے یہ قصیدہ کہا جس پر مختلف ادباء نے تقریظیں لکھیں، مرحوم مقرم نے بھی اسی قصیدہ کی شرح کی ہے،

مرحوم مقرم کے قلمی آثار کی تین قسمیں ہیں،

مطبوع، غیر مطبوع، حواشی،

(١) مطبوع

(١) زید شہید ع،
(٢) مختار ثقفی رح،
(٣) سیدہ سکینہ ص،
(٤) مقتل الحسین ع،
(٥) الصدیقہ زہرا ص
(٦) امام زین العابدین ع،
(٧) امام رضا ع،
(٨) امام جواد ع،
(٩) قمر بنی ہاشم ع،

(۱۰) علی اکبرؑ،
(۱۱) مسلم ابن عقیلؑ
(۱۲) سرّ الایمان "شہادت ثالثہ"
(۱۳) یوم الاربعین عند الحسینؑ،
(۱۴) المحاضرات فی الفقہ الجعفری،

(۲) حواشی

(۱۵) اثبات الوصیۃ مسعودی،
(۱۶) امالی شیخ مفید،
(۱۷) بشارۃ المصطفیٰ طبری،
(۱۸) جمل، شیخ مفید،
(۱۹) خصائص سید رضی،
(۲۰) دلائل الامامہ ابن جریر،
(۲۱) فرحۃ الغری سید ابن طاؤس،
(۲۲) کشکول سید حیدر عبیدی آملی،
(۲۳) ملاحم سید ابن طاؤس،

(۳) غیر مطبوع

(۲۴) المنقذ الاکبرؐ
(۲۵) امام حسن مجتبیٰؑ،
(۲۶) عاشورہ فی الاسلام،

(۲۷) الاعیاد فی الاسلام

(۲۸) ذکری المعصومین ؑ،

(۲۹) زینب عقیلہ ؑ،

(۳۰) میثم تمّار

(۳۱) ابو ذر غفاری،

(۳۲) عمّار یاسر،

(۳۳) نقل اموات در فقہ اسلامی،

(۳۴) نقد تاریخ " ۶ بخش میں "،

(۳۵) حلق لحیہ،

(۳۶) دراسات فی الفقہ و التاریخ،

(۳۷) ربائب الرسول،

(۳۸) الکنیٰ والالقاب،

(۳۹) حاشیہ بر کفایہ

(۴۰) حاشیہ بر مکاسب،

(۴۱) نوادر آلاثار،

(۴۲) یوم الغدیر،

مرحوم مقرم شعری مہارت نہیں رکھتے تھے، لیکن آل محمدؐ کے عشق کے سبب آپ کی شان میں قصائد ومراثی کہے ہیں اس کتاب کی مناسبت سے وہ دو شعر جو حضرت عبّاسؑ کی شان میں کہے یہاں ذکر کر رہا ہوں،

أبَا الْفَضْلِ يَا نُورَ عَيْنِ الْحُسَيْن
وَيَا كَافِلَ الظُّعْنِ يَوْمَ الْمَسِير
أتُعْرِضُ عَنِّي وَأنْتَ الْجَوَاد
وَكَهْفٌ لِمَنْ بِالْحِمىٰ يَسْتَجِير

اے ابو الفضلؑ اے نورِ نگاہ امام حسینؑ اے اپنی طرف آنے والے مسافروں کے کفیل، کیا آپ اپنی جود و سخا اور جو آپ سے پناہ کا خواہشمند ہو اس کو پناہ دیتے ہیں، تو کیا مجھ سے رو گردانی فرمائیں گے

رحلت

مرحوم مقرم نے پوری عمر حریم اہلبیت علیہم السلام کا دفاع کیا اور ۱۷ محرم سنہ ۱۳۹۱ کو اس دار فانی کو وداع کیا آپ کی رحلت پر علمی دنیا سوگ نشین ہوگئی سب نے اپنے تاثرات نظم و نثر میں پیش کئے،

خطیب و شاعر اہلبیتؑ استاد شیخ احمد وائلی نے ان اشعار میں اس غم کا اظہار کیا ہے،

إيـهِ عَـبْـدَ الـرَّزَّاقِ يـا أَلِقَ الْـفِـكْـرِ
وَرُوحَ الْإيـمـانِ وَالْأَخْلاقِ
إنَّ قَـبْـراً حَـلَـلْـتَ فـيـهِ لَـرَوْضٌ
سَـوْفَ تَـبْـقـىٰ فـيـهِ لِـيَـوْمِ الـتَّـلاقـي
فَـإذا مـا بُـعِـثْـتَ حُـفَّـتْ بِـكَ الْأَعْـ
ـمـالُ بَـيْـضـاءَ حُـلْـوَةَ الْإشْـراقِ

فَـحِـسـانُ الْأُصُولِ وَالْـفِـقْـهِ وَالـتـاريـ
ـخِ قَـلَّـدْنَ مِـنْـكَ بِـالْأَعْـنـاقِ
وَمَـدَى الطَّفِّ يَـوْمَ سَـجَّـلْـتَ فـيـهِ
لِـلْـحُـسَـيْـنِ وَآلِـهِ وَالـرِّفـاقِ
صَـفَـحـاتٍ مِـنَ الـتَّـبَـحُّـرِ وَالـتَّـمْـحـيـ

صِ تُزرى بِــأنْفَسِ الأَعْلاقِ

فى حُسَيْنٍ وَسَوْفَ تَلْقىٰ حُسَيْناً

وَتَرَى الْحَوْضَ مُتْرَعاً وَالسّاقى

هٰذِهِ عِنْدَكَ الشَّفيعُ وَما

عِنْدَ إلٰهى خَيْرٌ وَأبْقىَ الْبَواقى

مُسْتَميحاً عَطاءَ رَبِّكَ أرِّخْ

رُحْتَ عَبْدَ الرَّزّاقِ لِلرَّزّاقِ

آپ کی مادۂ تاریخ یہ تھی رحت عبدالرزاق للرزاق

۱۳۹۱

فہرست

مشخصات ____ ۲
مقدمہ مترجم ____ ۵
مقدمہ ____ ۷
باب اول، سلسلہ زریں ____ ۱۵
خاندان ____ ۱۷
عرق الثریٰ کون ____ ۱۹
عدنان ____ ۲۱
معد ____ ۲۱
نزار ____ ۲۲
مضر ____ ۲۲
الیاس ____ ۲۳
مدرکہ ____ ۲۳
کنانہ ____ ۲۳
نضر ____ ۲۴
فہر ____ ۲۴

کعب بن لوی ۲۵
عروبہ سے جمعہ ۲۶
کلاب بن مرۃ ۲۶
قصی ۲۶
منقولی کیسے ۲۷
حرف آخر ۲۸
عبدمناف ۲۹
بے بنیاد ۲۹
ہاشم ۳۰
جشن خواستگاری ۳۳
عبدالمطلب ۳۴
ابوطالب ۳۶
تشنہ کام ابوطالبؑ ۴۰
اندھی تقلید ۴۷
کم علمی ۴۸
امیرالمومنینؑ ۴۹
اسلام علیؑ ۵۱
آغاز توحید ۵۱
حرف آخر ۵۳
باب دوم اعمام ۵۵
حمزہ ۵۷
طالب ۶۳
معراج کی رات ۶۴

۳۴۶ ______

وفات ______ ۶۵
حضرت عقیل ______ ۶۶
ایک سوال ______ ۶۶
فاطمہ بنت اسد ______ ۶۹
دربار معاویہ ______ ۷۱
عقیل کا مکتوب ______ ۷۶
جواب امام ؑ ______ ۷۷
سلاخ گرم ______ ۸۰
جھوٹ ______ ۸۱
تحقیق ______ ۸۲
اخلاف ______ ۸۳
جعفر طیار ______ ۸۵
داستان ______ ۸۶
ایسا کیوں ______ ۸۶
مدینہ آمد ______ ۸۹
باب سوم ، علمبردار کے بھائی ______ ۹۱
محمد حنفیہ ______ ۹۵
ولادت ______ ۹۶
آرامگاہ ______ ۹۷
ایک گفتگو ______ ۹۸
نور کی طرف ______ ۱۰۱
بہادری ______ ۱۰۲
عمر اطرف ______ ۱۰۳

عبید اللہ بن نہشلیہ ــــــــــ ۱۰۵
ابوبکر ــــــــــ ۱۰۶
محمد اوسط ــــــــــ ۱۰۶
حقیقی بھائی ــــــــــ ۱۰۶
عباس اصغر ــــــــــ ۱۰۷
باب چہارم، خواہران ابوالفضلؑ ــــــــــ ۱۰۹
دربار ابن زیاد ــــــــــ ۱۱۹
باب پنجم، مادر گرامی ابوالفضلؑ ــــــــــ ۱۲۳
شادی ــــــــــ ۱۲۷
باب ششم، ولادت، کنیت والقاب ابوالفضلؑ ــــــــــ ۱۲۹
طلوع نور ــــــــــ ۱۳۱
شمائل ــــــــــ ۱۳۴
نشان سجدہ ــــــــــ ۱۳۵
تحقیق ــــــــــ ۱۳۶
کنیت ــــــــــ ۱۴۰
سقائے حرم ــــــــــ ۱۴۴
صحراء کی قبر ــــــــــ ۱۴۹
باب ہفتم، فضائل و مناقب ابوالفضلؑ ــــــــــ ۱۵۵
خواب ــــــــــ ۱۶۲
یقین ــــــــــ ۱۶۴
بزم اصحاب ــــــــــ ۱۶۷
جھوٹا طبری ــــــــــ ۱۶۹
شب عاشور ــــــــــ ۱۷۶

امان نامہ ۱۷۸
ایثار و جانبازی ۱۸۲
لغزش تاریخ ۱۸۶
باب ہشتم ابوالفضلؑ ائمہ طاہرینؑ کی نظر میں ۱۹۱
بدر کے غازی ۱۹۷
بیان شیخ مفید ۲۰۷
فدیہ عباسؑ ۲۰۹
ایسا نہیں ۲۱۰
شب عاشور ۲۱۱
تاخیر کیوں؟ ۲۱۲
کلام نور ۲۱۳
عصمت ابوالفضلؑ ۲۱۴
معجزات ۲۱۹
حکایت اوّل ۲۲۰
دوسری داستان ۲۲۱
تیسری داستان ۲۲۲
داستان چہارم ۲۲۶
داستان پنجم ۲۲۸
حکایت ششم ۲۲۹
باب نہم، دلاوری و شہادت ابوالفضلؑ ۲۳۱
تاریخ علم ۲۳۳
داستان ۲۳۴
کربلا سے پہلے ۲۴۳

عباس ؑ کو جلال ـــــ ۲۴۷
عباس ؑ کربلا میں ـــــ ۲۴۸
شہادت ـــــ ۲۵۳
خواب ـــــ ۲۵۸
جنازہ نہ آیا ـــــ ۲۶۰
قبر اطہر ـــــ ۲۶۲
توجیہہ ـــــ ۲۶۴
حائر حسینی ـــــ ۲۶۵
علقمہ کیوں ؟ ـــــ ۲۷۶
سر کہاں ہیں ـــــ ۲۷۶
روتا راہب ـــــ ۲۸۰
خواب ـــــ ۲۸۳
فتوی غزالی ـــــ ۲۸۵
مقام دست ابوالفضل ؑ ـــــ ۲۹۰

باب دہم، زیارت ابوالفضل ؑ ـــــ ۲۹۳

آداب قیام زائر ـــــ ۲۹۹
بحث علمی ـــــ ۳۰۰
نماز زیارت ـــــ ۳۰۱
بیان شیخ کاظمی ـــــ ۳۰۲
بوسہ ضریح مبارک ـــــ ۳۰۵
اولاد ـــــ ۳۰۸
نہیں جاؤنگا ـــــ ۳۱۶
حرم ابوالفضل ـــــ ۳۱۷

	۳۵۰
حرم قمر بنی ہاشمؑ	۳۲۶
روسیاہ	۳۲۸
محمد شاہ ہندی	۳۲۸
خدمت گذاری حرم مطہر	۳۲۹
قبور علماء	۳۳۰
مؤلف کے حالات	۳۳۵
نام	۳۳۵
ولادت	۳۳۵
اساتذہ	۳۳۶
علمی مرتبہ	۳۳۷
آثار علمی	۳۳۸
رحلت	۳۴۱
فہرست	۳۴۴

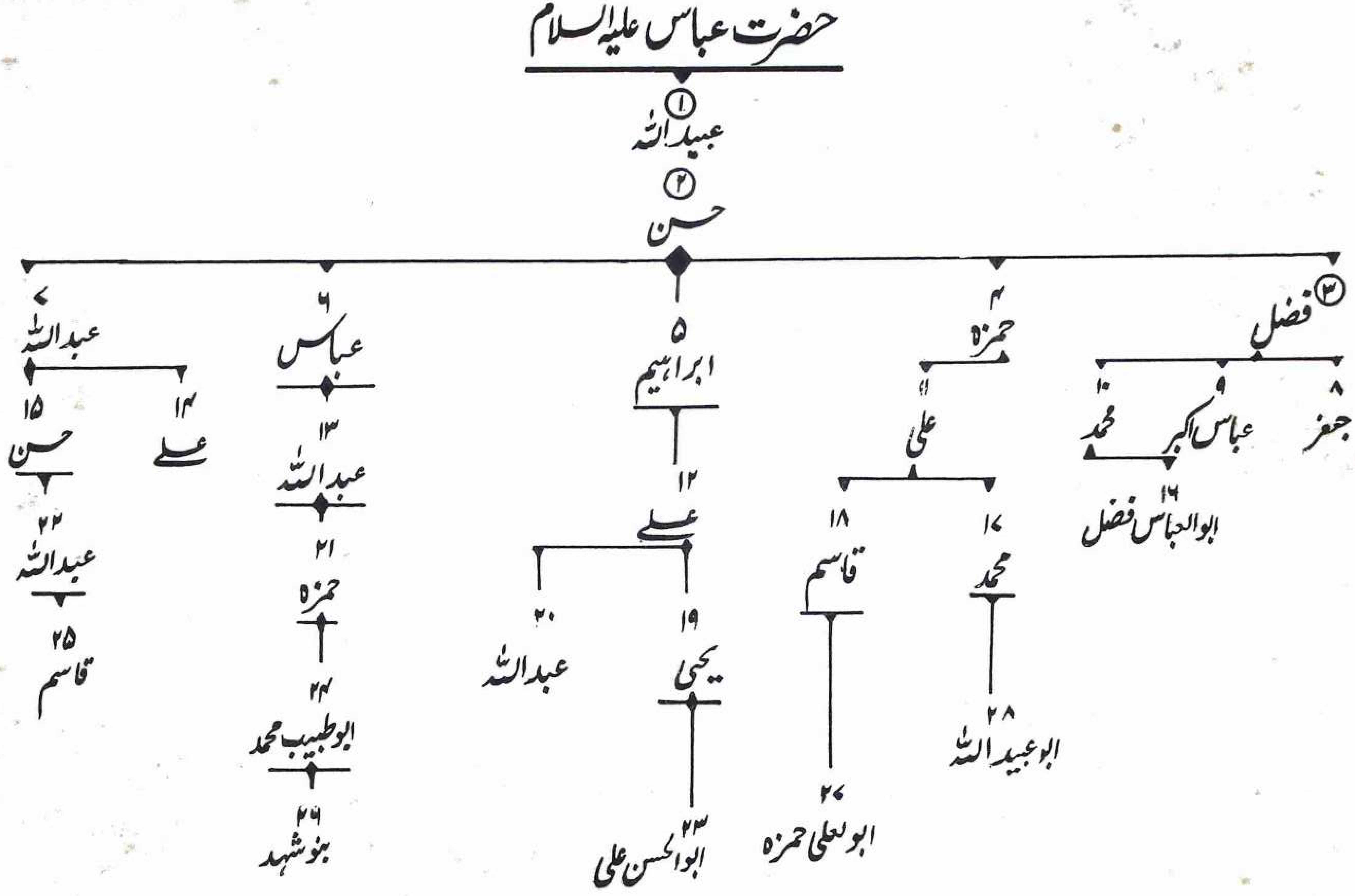

اولاد کے حالات اور حضرت ابوالفضلؑ سے چند پشتوں کا فاصلہ ہے اس کی وضاحت کی خاطر نمبر دیدئے گئے ہیں،

انصاریان پبلیکیشنز
پوسٹ بکس نمبر ۳۷۱۸۵_۱۸۷
قم جمہوری اسلامی ایران ٹیلی فون نمبر ۷۳۱۷۴۴